حمود الرحمٰن
کمیشن رپورٹ
آخری سگنل کی کہانی
طارق اسمٰعیل ساگر

پیش لفظ

دسمبر 71ء کو آج 29 برس ہونے کو آئے ہیں۔ اور پاکستانی قوم کے دلوں میں آج بھی سقوط ڈھاکہ کا غم ایک لاوے کی صورت دہک رہا ہے۔ کوئی دم جاتا ہے کہ یہ لاوا آتش فشاں کی صورت پھٹے اور تاریخ پاکستان ہی نہیں بلکہ تاریخ اسلام کے غداروں کو جلا کر بھسم کر ڈالے۔

سقوط ڈھاکہ کوئی ایسا المیہ بھی نہیں کہ 29 سال سے مسلسل پاکستان کے باشعور اور غیور عوام اس کے اسباب جاننے کے لئے تڑپ رہے ہیں اور ارباب بست وکشاد کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ ہر آنے والی حکومت حمود الرحمان کمیشن رپورٹ کو اب تک شائع نہ کرنے کی ذمہ داری جانے والی حکومت پر ڈال کر مطمئن ہو جاتی تھی۔ لیکن ہماری بد قسمتی ملاحظہ فرمائیں اس رپورٹ کو بالآخر ایک بھارتی ہفت روزہ "India Today" نے اپنی اگست 2000ء کی اشاعت میں شائع کر دیا۔ یہ رپورٹ بھارت کیسے پہنچی؟ پاکستانی قوم سے اس کا پردہ کیوں کیوں رکھا گیا امید ہے ان سوالوں کے جوابات بھی کبھی نہیں ملیں گے۔

حمود الرحمٰن کمیشن جو ہماری ملی تاریخ کے اس افسوسناک اور شرمناک سانحہ کے اسباب جاننے کے لئے تشکیل پایا تھا اس کے متعلق بڑی عجیب عجیب بلکہ اب تو کسی حد تک پراسرار باتیں بھی سننے کو مل رہی تھیں۔

- عجیب عجیب تاویلیں پیش کی جارہی تھیں۔

یار لوگ دور کی کوڑی لاتے اور اپنی مرضی کے مطابق اس کی کوئی نہ کوئی توجیہہ پیش کر کے بندر کی بلا طویلے کے سر ڈال کر بظاہر سرخرو ہو جاتے۔

کبھی کہا جاتا کہ اس میں چونکہ کچھ پردہ نشینوں کے نام بھی آتے ہیں سو حکومت اشاعت سے مجبور ہے اور کبھی سننے میں آتا ہے کہ اس کی اشاعت سے ''دوست ممالک'' کی ناراضی کا خطرہ ہے۔ اب یہ عجب منطق ہے کہ پاکستان کی تخریب میں حصہ لینے والے ''دوست ممالک'' ابھی تک دوست بننے پر تلے ہیں اور ہم نے ان آستین کے سانپوں کو ابھی تک ''دوست'' بنا رکھا ہے۔

جب یہ بھی بہانہ نہ رہا تو اچانک ایک روز سننے میں آیا کہ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کی کوئی کاپی ہی موجود نہیں۔ خدا جانے اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا؟...... مقام افسوس وحیرت تو یہ تھا کہ اس کو بڑی ''معمولی بات'' سمجھا جا رہا تھا۔ ایک طرف درد دل رکھنے والے بدقسمت پاکستانی کہ جو اس قومی المیے کے اسباب جاننے کے لئے اعصاب شکن انتظار کا عذاب جھیل رہے ہیں۔ اور دوسری طرف ارباب حل وعقد ہیں کہ جو اس جاں سوز المیے کے اسباب پر مسلسل اسرار کی تہیں چڑھاتے چلے جا رہے تھے۔

اصل میں قیام پاکستان کے ساتھ ہی تخریب پاکستان پر سرگرم عمل بدطینت اور مکروہ گروہ نے بیک وقت سب محاذوں پر کام شروع کر دیا تھا اور اس بات کا خصوصی اہتمام کیا گیا کہ اس بدقسمت قوم کے ''سادہ لوح عوام'' پر ٹوٹنے والی قیامتوں کا انہیں ادراک بھی حاصل نہ ہو سکے۔

دیکھ لیجئے! لیاقت علی خان مرحوم قتل کیس سے جنرل ضیاء الحق مرحوم اور ان کے ساتھ پاکستانی فوج کے بہترین دماغوں کو پیش آنے والی تخریب کاری کے واقعہ تک جتنے انکوائری کمیشن تشکیل پائے ان میں سے شاید ہی کسی کی رپورٹ منظر عام پر لائی گئی ہو؟ کیوں؟

آخر اس مجرمانہ غفلت کے اسباب کیا ہیں؟

ایسا بھیانک مذاق پاکستانی عوام کے ساتھ کیوں کیا جا رہا ہے؟

کیا لٹ جانے والوں کو یہ حق بھی حاصل نہیں کہ وہ اپنے لٹنے کا سبب جان سکیں؟

جو گھناؤنا کھیل غداروں اور ملت فروشوں نے کھیلنا تھا وہ تو کھیل چکے۔ اب وہ اپنی سیاہ کاریوں پر اتنے بے ہودہ انداز سے پردہ ڈال رہے ہیں کہ ساری قوم کو ذہنی خلفشار میں مبتلا کر دیا ہے......!

شاطر تو یہی سمجھتے ہوں گے کہ 29 سال بہت لمبی مدت ہوتی ہے۔ یوں بھی پاکستانی قوم کا حافظہ اتنا اچھا نہیں کہ انہیں تو گزرے کل کی بات بھول جاتی ہے۔

ممکن ہے یہ مفروضہ کسی حد تک سچ رہا ہو؟ لیکن......................

یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستانی قوم نے اپنے دوستوں اور دشمنوں کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ نظر انداز کر دیا ہو تو اور بات ہے...... کہ یہ بڑی فراخدل قوم ہے......

بہر حال! حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ ہماری ایسی دکھتی رگ بن گئی ہے کہ جب بھی کوئی اس پر

ہاتھ رکھ دے ہمارے ماضی کے زخموں سے خون رسنے لگتا ہے۔

16 دسمبر 1990ء کو جب روزنامہ نوائے وقت اور انگریزی روزنامہ نیشن میں مشہور صحافی مشاہد حسین (جو پھر وزیر بنے اور تادم تحریر نظر بندی کے مزے لوٹ رہے ہیں) کے حوالے سے حمود الرحمٰن کمیشن پر رپورٹ چھپی تو ایک مرتبہ پھر باسی کڑھی میں ابال آ گیا۔ آیئے پہلے اس رپورٹ کی تفصیلات جان لیجئے۔

حمود الرحمٰن کمیشن نے چھ جرنیلوں کا کورٹ مارشل کرنے کی سفارش کی تھی ان جرنیلوں میں جنرل یحییٰ خان' جنرل عبدالحمید' لیفٹیننٹ جنرل ایس جی ایم پیرزادہ' میجر جنرل عمر' لیفٹیننٹ جنرل گل حسن اور میجر جنرل مٹھا شامل ہیں۔ ان پر فیلڈ مارشل ایوب خان سے اقتدار چھیننے کے لئے مجرمانہ سازش کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ ان فوجی افسروں کا مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان دونوں محاذوں پر اپنے فرائض کی ادائیگی میں مجرمانہ غفلت برتنے پر کورٹ مارشل کیا جائے۔ یا مقدمہ چلایا جائے۔ حمود الرحمان کمیشن سقوط مشرقی پاکستان کے سانحہ کی تحقیقات کے لئے قائم کیا گیا تھا اگرچہ حمود الرحمان کمیشن کو اپنی رپورٹ پیش کئے 18 سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے لیکن اس دوران برسر اقتدار آنے والی تمام حکومتوں نے اس کمیشن کی رپورٹ اور سفارشات کو عوام سے چھپانے کی کوشش کی۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس حمود الرحمان کی سربراہی میں قائم کئے جانے والے اس کمیشن نے آئندہ سقوط مشرقی پاکستان ایسے سانحہ سے قوم کو محفوظ رکھنے کیلئے دس سفارشات کی تھیں۔ جنہیں پہلی بار من وعن عوام کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔

(1) جنرل یحییٰ خان' جنرل عبدالحمید خان' لیفٹیننٹ جنرل ایس جی ایم پیرزادہ' میجر جنرل عمر' لیفٹیننٹ جنرل گل حسن اور میجر جنرل مٹھا کے خلاف فیلڈ مارشل ایوب خان سے 25 مارچ 1969ء کو غیر قانونی طور پر اقتدار چھیننے کے لئے مجرمانہ سازش کرنے اور اگر ضروری ہو تو طاقت استعمال کرتے ہوئے یحییٰ خان کو برسر اقتدار لانے کے الزام میں کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ ان افسروں نے اپنے مشترکہ مقصد کے حصول کے لئے سیاسی جماعتوں پر دھمکیوں' ترغیبات اور رشوت کے ذریعے دباؤ ڈالا تا کہ عام انتخابات میں مخصوص نوعیت کے نتائج حاصل کئے جا سکیں۔ بعد ازاں ان افسروں نے بعض سیاسی جماعتوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ 3 مئی

1971ء کو ڈھاکہ میں بلائے جانے والی قومی اسمبلی میں شرکت سے انکار کریں۔ مزید برآں ان افسروں نے مشرقی پاکستان میں ایک ایسی صورت حال پیدا کی جو بعدازاں عوامی لیگ کی طرف سے سول نافرمانی اور مسلح بغاوت تک جا پہنچی۔ اس صورتحال کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں پاک فوج کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور ملک دولخت ہو گیا۔ (2) متذکرہ بالا افسروں پر مشتمل مشرقی اور مغربی پاکستان کے محاذوں پر جنگ کے انتظامات کے سلسلہ میں فرائض سے مجرمانہ غفلت برتنے پر مقدمہ چلایا جائے۔ یا کورٹ مارشل کیا جائے۔ (3) اعلیٰ اختیاراتی عدالت یا کمیشن قائم کیا جائے جو مشرقی پاکستان میں فوج کی زیادتیوں کی تحقیقات کرے اور جو لوگ مظالم اور غیر اخلاقی واقعات میں ملوث پائے جائیں انہیں سخت سزا دی جائے۔ اس عدالت یا کمیشن کی رپورٹ (اگر کاروائی کی اشاعت ممکن نہ ہو) عوام کے لئے شائع کی جائے تاکہ ہمارا قومی ضمیر اور عالمی رائے عامہ مطمئن ہو سکے۔ (4) ان حالات کی بھی محکمانہ تحقیقات کرائی جائے۔ جن میں اس وقت پاک فوج کے چیف آف جنرل سٹاف میجر جنرل رحیم خان نے مشرقی پاکستان سے ان کے فرار کی تحقیقات یا پوچھ گچھ کے بغیر انہیں پاک فوج کا چیف آف جنرل سٹاف مقرر کر دیا گیا۔ (5) اس طرح کی انکوائری پاکستان نیوی کے کمانڈر گل زرین کے معاملے میں بھی کرائی جائے جن پر الزام ہے کہ انہوں نے کھلنا نیول بیس پر احکامات ملنے سے پہلے ہی پی این ایس "تیتومیر" کو چھوڑ دیا تھا۔ (6) اسی طرح تحقیقات درج ذیل افسروں کے معاملے میں بھی کی جائے کہ انہوں نے جنگ کے دوران اپنے فرائض کی بجا آوری میں اپنے اپنے آپریشنز کی انجام دہی میں کیا طریقہ اور طرز عمل اختیار کیا۔ ان افسروں میں لیفٹیننٹ جنرل ارشاد احمد خان کمانڈر 1 کور، میجر جنرل زاہد جی او سی 15 ڈویژن اور میجر جنرل بی ایم مصطفیٰ جی او سی 18 ڈویژن شامل ہیں۔ ہمارے خیال میں ان افسروں کی محض ریٹائرمنٹ کافی نہیں اگر یہ افسر اپنے فرائض میں مجرمانہ غفلت اور بزدلانہ اقدامات میں ملوث پائے جائیں تو ان کے خلاف مناسب کاروائی کی جائے۔ (7) یہ کہ جب میجر جنرل راؤ فرمان علی لیفٹیننٹ جنرل نیازی اور بعض دوسرے افسر جو اس وقت بھارت کے جنگی قیدی ہیں دستیاب ہوں تو ان کے خلاف ان کے بارے میں انکوائری کرائی جائے جن کے تحت جنرل فرمان علی نے مسٹر پال مارک ہنری کے ذریعے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو پیغام ارسال کیا اور وہ کون شخصیت تھی (اگر کوئی ہو) جس نے انہیں ایسا کرنے کا اختیار دیا تھا۔ (8) ہم مزید

سفارش کرتے ہیں کہ ہماری رپورٹ کے باب 1 کے پارٹ 5 میں سینئر فوجی کمانڈروں کے خلاف ملک سے غداری کے جو الزامات لگائے گئے ہیں ان کی وسیع پیمانے پر تحقیقات کرائی جائے۔ (9) اگرچہ سقوط مشرقی پاکستان کی وجہ تلاش کرنے کے سلسلے میں ہماری تحقیقات محض ابتدائی نوعیت کی ہے تاہم ہم سفارش کرتے ہیں کہ جب بھی مشرقی کمان کے کمانڈر اور دیگر سینئر افسر جو اس وقت بھارت کے پاس جنگی قیدی ہیں دستیاب ہوں تو ان حالات کے بارے میں مزید تحقیقات کرائی جائے جن کا نتیجہ سقوط مشرقی پاکستان کی صورت میں نکلا۔ (10) اپنی دسویں سفارش میں کمیشن نے دو اقدامات کرنے کے لئے کہا ہے پہلا یہ کہ تینوں مسلح افواج کے کمانڈر انچیف کے عہدوں کو چیف آف سٹاف میں بدل دیا جائے (جو صدر مملکت پہلے کر چکے ہیں) دوسرا اقدام یہ کہ کابینہ کی ڈیفنس کمیٹی کے چارٹر میں ایک مثبت ہدایت کا اضافہ کرتے ہوئے کیبنٹ ڈویژن کو کم از کم تین ماہ میں ایک بار یا چارٹر میں متعین کردہ تاریخ پر صدر اور وزیر اعظم کی غیر موجودگی کے باوجود اس کا اجلاس بلانے کی اجازت دی جائے اور اس اجلاس کی صدارت اس وقت موجود سب سے سینئر وزیر کرے۔

اس خبر کی اشاعت کے بعد متعلقہ افراد کی طرف سے اپنی صفائی کی مہم کا آغاز ہوا اور مختلف بیانات سامنے آئے۔

17 دسمبر کے روزنامہ نوائے وقت کی خبر ملاحظہ فرمائیں۔

پاکستان کی مسلح افواج کے سابق کمانڈر انچیف جنرل (ریٹائرڈ) گل حسن نے کہا ہے کہ میں سانحہ مشرقی پاکستان کے ضمن میں کسی بھی عدالت یا کورٹ مارشل کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ اس ڈرامے کے باقی سارے کرداروں میں مجیب الرحمان، ذوالفقار علی بھٹو، یحییٰ خان اور جنرل حمید شامل ہیں کے خلاف بھی تحقیقات کرائی جائے۔ نوائے وقت میں شائع ہونے والے حمود الرحمان کمیشن رپورٹ کے اقتباسات کے حوالے سے "نوائے وقت" سے بات چیت کرتے ہوئے جنرل گل حسن نے کہا کہ حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ اب صرف ایک افسانہ اور قیاس آرائی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ اس رپورٹ کو بھٹو مرحوم کے دور میں پھاڑ دیا گیا تھا۔ انہوں نے ایک استفسار کے جواب میں کہا کہ اگر خود مسٹر بھٹو مشرقی پاکستان کے سانحے میں ملوث نہ ہوتے تو وہ اس رپورٹ کو تمام سربراہان مملکت کو بھیج دیتے اور اگر اس سانحے میں فوج ملوث نہ ہوتی

تو جنرل ضیاء الحق کمیشن کے سامنے پیش ہوئے تھے تو انہوں نے کہا کہ حمود الرحمٰن کمیشن نے چار گھنٹے تک مجھ سے استفسارات کئے تھے جن کے میں نے تفصیلی جوابات دئے تھے۔ حمود الرحمان کمیشن کے سامنے میں نے جو بیان دیا تھا۔ اس کا ٹائپ شدہ مسودہ مجھے بھیجا گیا تھا۔ جسے میں نے پڑھ کر واپس کیا تھا۔ جنرل گل حسن نے کہا کہ حمود الرحمٰن رپورٹ اب اپنی اصلی صورت میں موجود نہیں اور اب اسکے بارے میں جو کہا جارہا ہے وہ محض افسانہ ہے یا قیاس آرائی ہے۔ تاہم انہوں نے کہا میں سانحہ مشرقی پاکستان میں ملوث تمام کرداروں کے ساتھ کسی بھی عدالت میں پیش ہونے کے لئے تیار ہوں جب ان سے پوچھا گیا کہ جب کرداروں کے نام لئے گئے ہیں وہ تو اب موجود نہیں تو انہوں نے کہا کہ ان کی قبروں سے انہیں نکالیں اور مقدمہ چلائیں۔ مشرقی پاکستان کے سابق گورنر عبدالمالک مرحوم کے سابق مشیر میجر جنرل ریٹائرڈ راؤ فرمان علی نے ''نوائے وقت'' اور ''نیشن'' میں شائع ہونے والی رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ مسٹر مشاہد حسین نے حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کا ایک حصہ پڑھا ہے انہوں نے کہا کہ حمود الرحمٰن کمیشن کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ وہ ہے جس میں ہمارے مشرقی پاکستان سے آنے سے پہلے کے واقعات کے بارے میں تحقیقاتی رپورٹ موجود ہے اور دوسرا حصہ وہ ہے جس میں میرے اور دوسرے اعلیٰ افسران کی مشرقی پاکستان سے واپسی کے بعد بیانات موجود ہیں۔ راؤ فرمان علی نے ''نوائے وقت'' سے آج تفصیل سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ حمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے میں 13 گھنٹے تک بیان دیتا رہا تھا۔ اور میرا بیان سننے کے بعد رپورٹ کے دوسرے حصے میں ایک پورا باب — Rao Farman's Role کے عنوان سے موجود ہے۔ اس باب کے پیراگراف نمبر 17 میں حمود الرحمٰن کمیشن نے میرے بارے میں یہ لکھا تھا۔

In view of the facts as they have emerged before the commission there is no need for any enquiry or trial.

یعنی جنرل فرمان علی نے بتایا کہ حمود الرحمٰن کمیشن نے لکھا تھا کہ

We all of the view that the peformance and the conduct of Major-General Farman Ali during the entire period of his service in any adverse comments."

جب مشرقی پاکستان کے سابق گورنر کے مشیر میجر جنرل ریٹائرڈ راؤ فرمان علی سے استفسار کیا گیا کہ انہوں نے اقوام متحدہ کو ٹیلی گرام اپنے طور پر دیا تھا یا انہیں کسی نے یہ ٹیلی گرام دینے کی ہدایت کی تھی تو انہوں نے بتایا کہ یہ ٹیلی گرام انہوں نے وقت کے گورنر مشرقی پاکستان عبدالمالک کی ہدایت پر دی تھی۔ اس موقع پر راؤ فرمان علی نے حمود الرحمٰن کمیشن کا متعلقہ اقتباس پڑھا جو ان کے بقول یہ تھا۔

We have no hasitation in giving the opinion that at relevant times Major-General Farman Ali advised Lt-General Niazi on correct lines' and if his advice had beed accepted' some of the disgraceful episodes might have been avoided.

ایک استفسار کے جواب میں راؤ فرمان علی نے کہا کہ حمود الرحمٰن کمیشن کا جو دائرہ کار متعین کیا گیا تھا وہ تعصب پر مبنی تھا کہ یہ کمیشن مشرقی پاکستان میں شکست کے سیاسی اسباب کا تعین ہی کرے۔ راؤ فرمان علی نے کہا کہ جہاں تک اقوام متحدہ کو ٹیلی گرام دینے کا تعلق ہے اس سلسلے میں حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ کے دوسرے حصے میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ میں نے 9 دسمبر 1971ء کو اقوام متحدہ کی کو جو ٹیلی گرام ارسال کیا تھا وہ میں نے گورنر مشرقی پاکستان کی منظوری اور ہدایت کے بعد بھیجا تھا۔ اور گورنر نے یہ ٹیلی گرام بھیجنے کی منظوری اس وقت کے صدر جنرل یحییٰ خان سے حاصل کی تھی۔ ایک سوال کے جواب میں راؤ فرمان علی نے کہا کہ حمود الرحمان کمیشن کے دوسرے حصے میں مسٹر بھٹو مرحوم کے سیاسی کردار کے بارے میں مختصر سے باب موجود تھے۔ اس باب میں صاف لکھا ہے کہ مسٹر بھٹو نے مشرقی پاکستان کے سانحہ کے دوران سیاسی بصیرت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ راؤ فرمان علی نے لکھا کہ اس باب میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

Mr. Bhutto was unable to explain as to what this utterance meant,, ''ادھر ہم ادھر تم''

سانحہ مشرقی پاکستان کے ایک اور کردار میجر جنرل ایم رحیم خان سے جب نوائے وقت نے حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کے بارے میں اظہار خیال کرنے کے لئے کہا تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس سلسلے میں طویل خاموشی اختیار کی ہے۔ لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ قوم کو حقائق سے آگاہ

کیا جائے۔

17 دسمبر ہی کے روزنامہ جنگ کی خبر تھی۔

حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ اس وقت کے سویلین چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے حکم پر سقوط مشرقی پاکستان میں صرف مسلح افواج کے خلاف تیار کرائی گئی تھی اور آج سقوط ڈھاکہ کے برسوں بعد اس کے بعض مندرجات کی اشاعت مستحسن نہیں یہ بات وفاقی وزیر محنت اعجاز الحق نے آج صحافیوں کے اعزاز میں اپنی طرف سے دیئے گئے عشائیہ سے اپنے خطاب میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ سقوط ڈھاکہ جیسے عبرتناک واقعات کو یاد رکھا جانا چاہئے۔ یہ رپورٹ 8 ماہ قبل نیویارک سے ایک بھارتی صحافی کے حوالے سے سامنے آئی تھی اور اسے خلیجی ممالک میں اور پاکستان کے بعض اخبارات ہی شائع کر سکے ہیں تاہم آج کے دن خاص طور پر اس کے بعض مندرجات کی اشاعت سے مجھے دکھ ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں مارشل لاء کا حامی نہیں اور اگر کبھی یہ وقت آیا تو اس کے خلاف آواز اٹھانے والا میں پہلا آدمی ہوں گا۔ اعجاز الحق نے کہا اس ملک کے ساتھ غداری کرنے والوں کے لئے ایک ٹرائیل کمیشن تشکیل دیا جانا چاہئے اور اس کے فیصلوں پر عمل درآمد ہونا چاہئے۔

17 دسمبر کو روزنامہ نوائے وقت نے سابقہ آئی جی اور انٹیلی جنس ڈائریکٹر راؤ رشید کا یہ بیان شائع کیا۔

سابق وزیراعظم بےنظیر بھٹو کے سابق مشیر راؤ رشید احمد نے حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ کی جزوی اشاعت کا خیر مقدم کیا ہے اور اس کا مکمل متن شائع کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ بہاولپور کے قریب پیش آنے والے فضائی حادثے کی رپورٹ بھی شائع کی جائے جس میں سابق صدر ضیاء الحق مرحوم جاں بحق ہو گئے تھے تاکہ یہ معلوم ہو سکے آیا ان کی موت میں پیپلز پارٹی ملوث ہے یا نہیں۔ آج ایک بیان میں انہوں نے کہا کہ سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں پیپلز پارٹی نے حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کو قوم کے بہترین مفاد میں پوشیدہ رکھا کیونکہ اس وقت فوج کا حوصلہ پست تھا اور ہم فوج کو زیادہ پریشان کرنا نہیں چاہتے تھے اس کے علاوہ ایسا کرنے سے ہمارے خارجہ تعلقات خصوصاً ایک ہمسایہ اسلامی ملک کے ساتھ تعلقات متاثر ہو سکتے تھے۔ تاہم 1977ء کے انتخابات سے قبل یہ فیصلہ کرنے کے لئے ایک کمیٹی

قائم کی گئی تھی کہ آیا یہ رپورٹ شائع کر دی جائے یا نہیں اس کمیٹی کے سربراہ جنرل ٹکا خان اور ارکان سیکرٹری وزارت داخلہ فضل حق ڈی آئی جی شیخ اکرم، مسعود محمود اور جنرل جیلانی تھے۔ میں خود بھی اس کمیٹی میں شامل تھا۔ تمام ارکان اس رپورٹ کو شائع کرنے کے حق میں تھے مگر جنرل ٹکا خان نے جو جی ایچ کیو کے نکتہ نظر کی نمائندگی کر رہے تھے۔ ہماری رائے مسترد کر دی۔ ان کا موقف تھا کہ رپورٹ میں کسی سویلین کے خلاف کوئی الزام نہیں اسلئے فوج ہمیشہ اسکی اشاعت کی مخالف رہی ہے۔ کیونکہ یہ رپورٹ بھی فوج کے خلاف جاتی ہے چنانچہ جنرل ضیاء الحق کے آمرانہ دور حکومت کے گیارہ سالوں میں بھی اسے جاری نہیں کیا گیا، راؤ رشید نے اس بات پر زور دیا کہ اب سانحہ بہاولپور کی رپورٹ بھی جاری کر دی جائے۔ اسلامی جمہوری اتحاد نے اس حادثے کا ذمہ دار ہمیشہ پیپلز پارٹی کو ٹھہرایا مگر برسر اقتدار آنے کے بعد وہ جان بوجھ کر اس رپورٹ کو چھپا رہا ہے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ جس تاثر کی اس قدر تشہیر کی گئی ہے اسے برقرار رکھا جائے اور لوگوں کو گمراہ کیا جائے۔ یہ حرکت پیپلز پارٹی کے خلاف سازش ہے۔ راؤ رشید نے اس رائے کا اظہار بھی کیا کہ اگر بہاولپور کے فضائی حادثے میں پیپلز پارٹی ملوث ہوتی تو عبوری حکومت اسے آسانی کے ساتھ شائع کر دیتی کیونکہ اس وقت ضیاء الحق مرحوم کے ورثے کے نگران اور ان کے روحانی فرزند نواز شریف برسر اقتدار تھے۔ راؤ رشید نے موجودہ حکومت پر زور دیا کہ اگر اس کے پاس ہمارے خلاف کوئی ثبوت ہے تو ظاہر کر دے اور لوگوں کو اصل داستان بتا دے، آخر حکومت کو حقائق ظاہر کرنے سے کون روک رہا ہے۔ راؤ رشید نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کے مخصوص حصے شائع کئے گئے ہیں اور اس طرح پوری حقیقت سامنے نہیں آئی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ رپورٹ کا مکمل متن شائع کیا جائے تاکہ لوگ خود فیصلہ کر سکیں کہ اسے پہلے کیوں شائع نہیں کیا گیا۔

18 دسمبر کو سابقہ میجر جنرل راؤ فرمان علی نے روزنامہ نوائے وقت کو یہ بیان دیا۔

میجر جنرل (ریٹائرڈ) راؤ فرمان علی نے دعویٰ کیا ہے کہ سقوط ڈھاکہ کے اسباب و علل کی تحقیقات کرنے کے لئے مامور حمود الرحمٰن کمیشن نے اپنی حتمی رپورٹ میں انہیں الزامات سے بری کر دیا تھا۔ انہوں نے اس سلسلے میں کمیشن کی حتمی رپورٹ سے بعض اقتباسات بھی اپنے خط کے ہمراہ ایڈمنسٹریشن کو ارسال کئے ہیں۔ ان اقتباسات میں جنرل فرمان علی کے بارے میں کمیشن

کے ریمارکس شامل ہیں۔

فرمان علی کے بارے میں مختصر ریمارکس دینا بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ انہیں بین الاقوامی پریس اور بنگلہ دیش کے وزیراعظم نے متعدد سازشوں میں کئی اعتبار سے ملوث گردانا ہے۔

14۔ یہ افسر مشرقی پاکستان میں مسلسل پانچ سال تک (مختلف عہدوں پر) کام کرتے رہے۔

15۔ 25 مارچ 1969ء کو جنرل یحییٰ خان کے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد میجر جنرل فرمان علی جن عہدوں پر تعینات ہوئے ان کا تقاضا تھا کہ وہ فوجی افسران اور ہر مختلف سطح کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں کے ساتھ ساتھ سول حکام اور سیاسی رہنماؤں سے بھی رابطے قائم کرتے۔ انہوں نے کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کمیشن کے سامنے یہ اعتراف کیا ہے کہ 25 مارچ 1971ء کو مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن کی منصوبہ بندی میں وہ شامل تھے اور وہ صورت حال کو معمول پر لانے کے لئے بعض سیاسی اقدامات سے بھی منسلک رہے جن میں عوامی لیگ کے ارکان قومی و صوبائی اسمبلی کو نااہل قرار دے کر ان کی جگہ ضمنی انتخابات کرنے کے لئے اقدامات بھی شامل تھے تاہم جنرل کی جانب سے فراہم کردہ تحریری بیان کا تفصیلی مطالعہ کرنے اور ان پر جرح کرنے کے بعد اور مشرقی پاکستان سے ملنے والے شواہد کے مطالعے کے بعد ہم نے یہ رائے قائم کی کہ میجر جنرل فرمان علی نے خالصتاً ایک ذہین' نیک نیت اور مخلص سٹاف افسر کی حیثیت سے مختلف عہدوں پر تعیناتی کے دوران کام کیا اور کسی بھی موقعہ پر جنرل یحییٰ خان کے فوجی ٹولے کے رکن کے طور پر انہوں نے کام نہیں کیا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے کسی بھی موقع پر کسی غیر اخلاقی ایکشن یا سیاسی شعور یا انسانیت کے خلاف کسی اقدام کی ہدایت کی اور نہ ہی خود اس میں شامل ہوئے اس ضمن میں ہم نے رپورٹ کے سابقہ باب میں شیخ مجیب الرحمان کی جانب سے عائد کئے جانے والے اس الزام کہ ''جنرل فرمان علی مشرقی پاکستان کو سبز رنگ کے بجائے سرخ رنگ دینا چاہتے تھے'' پر اپنی رائے ظاہر کی تھی اور ہم نے محسوس کیا ہے کہ اس سارے مسئلے کو مکمل طور پر غلط رنگ دیا گیا ہے۔

16۔ جنگ کے زمانہ کے نازک ایام میں اس آفیسر پر فوجی کاروائیوں کی کوئی براہ راست ذمہ داری نہیں تھی تاہم وہ مشرقی کمانڈ کے کمانڈر کی حیثیت سے گورنر مشرقی پاکستان کے قریب

رہے اس وجہ سے انہیں اس واقعہ میں ملوث کیا گیا جسے ''دی فرمان علی انسی ڈینٹ'' کا نام دیا گیا تھا جیسا کہ ہم نے سقوط مشرقی پاکستان کے باب میں دی گئی تفصیلات میں کہا ہے کہ 19 دسمبر 1971ء کو میجر جنرل فرمان علی کی طرف سے اقوام متحدہ کو بھیجے گئے پیغام کی اس وقت کے مشرقی پاکستان کے گورنر نے منظوری دی تھی جنہوں نے اس وقت کے صدر پاکستان جنرل یحییٰ خان سے پیشگی کلیرنس حاصل کی تھی تاکہ مشرقی پاکستان میں جاری جھڑپوں کو ختم کیا جا سکے۔ ان حالات میں اس پیغام کے ارسال کئے جانے کی ذمہ داری اس افسر پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ درحقیقت اس نے کورٹ مارشل کے ذریعہ مقدمہ چلانے کا مطالبہ کیا تھا تاکہ وہ اپنی پوزیشن کی وضاحت کر سکے۔ کمیشن کے سامنے اب جو حقائق ابھر کر آئے ہیں ان کی موجودگی میں ایسی تحقیقات یا مقدمہ کی اب کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

17۔ آخری دنوں میں جب بھارتی افسران سے ہتھیار ڈالنے کے سلسلے میں تفصیلات طے کرنے کی خاطر لیفٹیننٹ جنرل نیازی سے مذاکرات کی خاطر ملاقات کی اس وقت میجر جنرل فرمان علی مشرقی کمانڈ کے ہیڈ کوارٹر میں موجود تھے۔ اس سلسلے میں جو تفصیلات اور ان کا رویہ ہمارے سامنے آیا ہے ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ تمام وقت میجر جنرل فرمان علی نے لیفٹیننٹ جنرل نیازی کو ہمیشہ صحیح خطوط پر ہدایات دیں اور اگر ان ہدایات کو تسلیم کر لیا جاتا تو بعض توہین آمیز واقعات سے بچا جا سکتا تھا۔

18۔ ہم نے اس وجہ کا بھی تفصیل سے جائزہ لیا ہے کہ بھارتی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل مانک شا نے بعض پمفلٹوں میں جنرل فرمان علی کو پاکستانی فوج کے کمانڈر کی حیثیت میں کیوں مخاطب کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ 8 یا 9 دسمبر 1971ء کو لیفٹیننٹ جنرل اے اے کے نیازی کو اپنے کمانڈ بنکر میں نہیں دیکھا گیا اور بی بی سی نے یہ خبر بھی نشر کر دی تھی کہ جنرل نیازی مغربی پاکستان واپس چلے گئے ہیں اور ان کی جگہ جنرل فرمان علی نے پاکستانی فوج کی کمانڈ سنبھال لی ہے اسی وجہ سے بھارتی کمانڈ نے جنرل فرمان علی کو ہتھیار ڈالنے کے لئے مخاطب کیا۔ ہمیں اس بارے میں بھی مطمئن کر دیا گیا ہے کہ جنرل فرمان علی کسی بھی وقت بھارتی جرنیلوں کے ساتھ رابطوں میں ملوث نہیں رہے۔

19۔ لیفٹیننٹ جنرل نیازی نے کمیشن کے سامنے یہ الزام عائد کیا تھا کہ جنرل فرمان علی

نے مشرقی پاکستان سے 60 ہزار روپے اپنے بھتیجے (جو ہیلی کاپٹر پائلٹ ہے) کو بھجوا دیئے ہیں جنہیں لے کر وہ 16 دسمبر 1971 کو صبح بذریعہ ہیلی کاپٹر ڈھاکہ سے روانہ ہو گیا تھا۔ ہم نے اس سلسلہ میں جنرل فرمان علی سے وضاحت کرنے کو کہا جس پر انہوں نے اپنی وضاحت میں بتایا کہ ان میں 4000 روپے اسلامیہ پریس کو دیئے گئے 5000 رحیم کو اور 51000 روپے، 5000 ہزار روپے مکان کا کرایہ اور 4600 شامل ہیں۔

21۔ ہم میجر جنرل فرمان علی کی جانب سے پیش کردہ اس وضاحت سے مطمئن ہیں کیونکہ انہوں نے جو وضاحت کی ہے اس کی با آسانی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

22۔ ان تمام وجوہات کی موجودگی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ میجر جنرل فرمان علی کی مشرقی پاکستان میں کل مدت ملازمت کے دوران ان کی کارکردگی اور طرز عمل کبھی بھی قابل اعتراض نہیں رہی۔

20 دسمبر کے روزنامہ نوائے وقت میں میجر جنرل ریٹائرڈ ایم رحیم جو زخمی حالت میں فرار ہو کر بہت اہم دستاویزات سمیت پاکستان پہنچ گئے تھے کا بیان شائع ہوا۔

وزارت دفاع کے سابق سیکرٹری میجر جنرل (ریٹائرڈ) ایم رحیم خان نے جو 1971ء کی جنگ میں مشرقی پاکستان میں تھے، کہا کہ حمود الرحمٰن کمیشن کے قیام سے یہ کمیشن قائم کرنے والے صدر بھٹو کا اصل مقصد یہ تھا کہ سینئر ججوں پر مشتمل ایک اعلیٰ سطح کا ادارہ قائم کیا جائے جو اس بات کو یقینی بنائے کہ ملک ٹوٹنے کا تمام الزام صرف فوج کے کندھوں پر ڈال دیا جائے۔ آج یہاں مختلف الزامات کے بارے میں انہوں نے 6 صفحات پر مشتمل ایک جواب جاری کیا ہے جس میں انہوں نے کہا کہ اس قومی المیہ کی ذمہ داری بھٹو پر عائد ہوتی ہے اور کمیشن کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ عدالتی تحقیقات کے ذریعے اس پر ہمیشہ کے لئے پردہ ڈال دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ کمیشن کا ٹائٹل ''کمیشن آف انکوائری 1971ء کی جنگ'' تھا اور اس کی شرائط کار میں جو کچھ کہا گیا اس سے میری مندرجہ بالا بات کی تصدیق ہوگی۔ شرائط کار یہ تھیں۔

ان حالات کا جائزہ لینا جن میں کمانڈر ایسٹرن کمانڈ اور ان کی کمان میں پاکستان کی مسلح افواج نے ہتھیار ڈالے اور مغربی پاکستان اور بھارت اور ریاست جموں و کشمیر کی سیز فائر لائن جنگ ہوئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کمیشن کا مقصد صرف فوج کے خلاف تحقیقات کرنا تھا اور

ملک ٹوٹنے کے اصل ذمہ دار بالخصوص دو بڑے سیاستدانوں کا ذکر تک نہیں کیا گیا حمود الرحمٰن کمیشن کے بارے میں ہر سال جو خبریں چھپتی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھٹو عوام کی توجہ فوج کی ''ناکامیوں'' کی طرف مبذول کرانے میں کامیاب رہے اور ان کے اور دوسرے سیاسی رہنماؤں کے کردار پر پردہ پڑا رہا۔ یہ قوم کے ساتھ بہت بڑا فراڈ ہے انہوں نے کہا کہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مسٹر بھٹو نے فوجی ماہرین کی بجائے سویلین ججوں پر مشتمل کمیشن قائم کیا، جنہیں فوجی حکمت عملی کے بارے میں تحقیقات کا کام سونپا گیا، وہ اس بات سے قطعاً ناواقف تھے کہ آپریشنز کی منصوبہ بندی کیسے کی جاتی ہے۔ مسٹر بھٹو نے انہیں ایک (ریٹائرڈ) افسر جنرل الطاف قادر مشیر کے طور پر دیا جو شرابی تھا وہ ذاتی طور سے یحییٰ خان کے خلاف تھا۔ ایک زمانے میں کمانڈر انچیف بننا چاہتا تھا لیکن شرابی ہونے کی وجہ سے اسے ریٹائرڈ کر دیا گیا۔ اس وقت کے کمانڈر انچیف نے اس کے مشیر بننے پر احتجاج بھی کیا۔ میجر جنرل (ریٹائرڈ) ایم رحیم خان نے کہا کہ کمیشن کے چیئرمین یحییٰ کے وفادار تھے مگر جب بھٹو آئے تو انہوں نے یحییٰ کو غاصب قرار دے دیا۔ انہوں نے کہا کہ کمیشن نے گواہوں پر جرح کرنے کی اجازت نہیں دی۔ واپس آنے والے بعض جنگی قیدیوں کو دھمکی دی گئی اور کمیشن کے سامنے جھوٹی گواہی دینے کے لئے انہیں بلیک میل کیا گیا۔ میرے ڈویژن ہیڈ کوارٹر کے کسی شخص کو گواہی کے لئے نہیں بلایا گیا کہا جاتا ہے کہ جنرل گل حسن کا نام ملزمان میں نہیں تھا کیونکہ انہیں سی۔ ان۔ سی بنایا گیا لیکن جونہی انہیں اس عہدے سے ہٹایا گیا ان کا نام فہرست میں شامل کر دیا گیا۔ اسی طرح ٹکا خان کا نام بھی شامل تھا اور انہیں ''بنگال کا بوچڑ'' کہا گیا، لیکن جب انہوں نے جنرل گل حسن کی جگہ سنبھالی تو ان کا نام نکال دیا گیا۔ بعض لوگ ان کا ہدف تھے ان میں سے میں بھی ایک تھا۔ جن افسروں کے خلاف فوج سے غداری نوعیت کے الزامات تھے انہیں چھوڑ دیا بلکہ ترقی دی گئی۔ انہوں نے بتایا کہ کس طرح وہ زخمی ہونے کے بعد ایک ہیلی کاپٹر میں 15 اور 16 دسمبر 1971ء کو برما گئے۔ اور پھر پاکستان آئے اور انہیں جنرل گل حسن کی جگہ چیف آف دی جنرل سٹاف بنایا گیا۔ یہ الزام بھی غلط ہے کہ جنرل گل حسن سے پوچھے بغیر مجھے یہ عہدہ دیا گیا انہوں نے کہا کہ 23 جنوری 1972ء کو میں بھٹو سے ملا تو انہوں نے مجھے گلے لگایا اور کہا کہ آپ ہی واحد جنرل ہیں جو دشمن کے قبضے میں نہیں آئے۔ لیکن جب میں نے پولیس کی بغاوت کے سلسلے میں فوج استعمال کرنے سے انکار کر دیا اور بھٹو کی اجازت کے بغیر لسانی

فسادات کو روکنے کے لئے اندرون سندھ فوج تعینات کی تو مجھے نشانہ بنایا گیا۔ جنرل رحیم خان نے آفتاب کمیٹی رپورٹ پر روشنی ڈالی اور حقائق کی تفصیل بتائی انہوں نے اس بات پر بھی حیرت کا اظہار کیا کہ کمیشن نے کورٹ مارشل کی سفارشات پیش کیں۔ تاہم جی ایچ کیو کے جج ایڈووکیٹ جنرل نے اس کی مخالفت کی۔ جنرل رحیم خان نے مطالبہ کیا کہ حمودالرحمٰن کمیشن کی رپورٹ کا جائزہ لینے کے لئے ایک اور کمیشن قائم کیا جائے جو 1971ء کے المیے میں سیاستدانوں کے کردار کا جائزہ لے اس وقت حقیقت واضح ہوگی۔ انہوں نے اخبارات کے کردار کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ اس وقت جو اخبارات عوامی لیگ کے مطالبات کے سلسلے میں صلح کی مخالفت کر رہے تھے جس سے ملک ٹوٹا وہی اب حمودالرحمٰن کمیشن کے حوالے سے CONTROVERSY کو ہوا دے رہے ہیں۔

21 دسمبر کو روزنامہ نوائے وقت کی خبر تھی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی شریک چیئرپرسن مسز بےنظیر بھٹو نے کہا کہ جب وہ وزیراعظم تھیں تو ان کی حکومت نے حمودالرحمٰن کمیشن کی رپورٹ شائع کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی، لیکن وزارت دفاع نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ پیپلز پارٹی کے 20 ماہ طویل دور حکومت کے دوران وزیراعظم بےنظیر بھٹو کے پاس وزارت دفاع کا بھی قلمدان تھا۔ پارٹی کے ایک سینئر ممبر نے اس کی وضاحت کی کہ اس وقت (اسٹیبلشمنٹ) انتظامیہ نے اس رپورٹ کی اشاعت کی مخالفت کی تھی۔ بےنظیر بھٹو نے مزید بتایا کہ وزارت دفاع سے رپورٹ کی کاپی طلب کی تھی۔ لیکن اس وقت اس رپورٹ کی کاپی کابینہ ڈویژن تک کے پاس موجود نہیں تھی۔ وہ قومی اسمبلی میں اپنے چیمبر میں بات چیت کر رہی تھیں۔ بےنظیر بھٹو نے کہا کہ ان کی پارٹی کا موقف رپورٹ کے بارے میں یہ تھا کہ اگر وزارت دفاع اس کی اشاعت کی اجازت دیتی ہے۔ تو ہم اسکی مخالفت نہیں کریں گے لیکن یہ ایک اہم حقیقت ہے کہ یہ بھی فیصلہ کیا جائے کہ رپورٹ کی کاپی اصل بھی ہے یا نہیں؟ ہم اس کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ بےنظیر بھٹو نے ماضی کے حوالے سے بتایا کہ جب ان کے والد ذوالفقار علی بھٹو جیل میں تھے تو 1978ء میں ان سے رپورٹ کی کاپی فراہم کرنے کو کہا گیا۔ مسٹر بھٹو کاپی فراہم کرنے کے لئے ایک شرط پر آمادہ ہو گئے تھے انہوں نے بتایا کہ وہ اس کاپی پر ان تین ججوں کے دستخط چاہتے ہیں۔ جنہوں نے تحقیقات کی ہے اور جو اس رپورٹ کے مصنف ہیں لیکن یہ تینوں جج رپورٹ پر دستخط کرنے کو تیار نہیں ہوئے پھر 1979ء میں 70 کلفٹن میں موجود ایک پرانے

زمانے کی شیشے والی الماری سے اس رپورٹ کو نکال لیا گیا تھا جو ایک بریف کیس میں بند تھی۔ بےنظیر بھٹو نے یہ بھی بتایا کہ پیپلز پارٹی کے سینئر ممبروں کو بھی اس رپورٹ کی کاپیاں دی گئی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ خود در حقیقت اس بات کا تعین نہیں کر سکتیں کہ جو رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی ہے وہ حقیقت ہے یا نہیں تاہم پارٹی کے جن سینئر ممبران کے پاس یہ اصل رپورٹ ہے وہ اس سلسلے میں ہماری مدد کریں۔ اس سلسلے میں جب جنرل (ریٹائرڈ) ٹکا خان سے رابطہ قائم کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ کی کاپیاں ان میں تقسیم ضرور کی گئی تھیں لیکن ذوالفقار علی بھٹو نے بعد میں ان رپورٹوں کو واپس لے لیا تھا۔ یہ 75-1974ء کا واقعہ تھا۔ انہوں نے اس کے واپس طلب کئے جانے کی کوئی وجہ بھی نہیں بتائی۔ انہوں نے ماضی کے حوالے سے بتایا کہ جہاں تک یاد ہے ریٹائرڈ جنرل یحییٰ خان نے ایک بیان جاری کیا تھا جس میں انہوں نے مجھ پر الزام لگایا تھا کہ وہ رپورٹ شائع کرنے سے ہچکچا رہے ہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ یہ دستاویز پاکستان کے آپریشنل منصوبوں پر مشتمل تھی اور ہم اسے اسی لئے عوام کے لئے مشتہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ پیپلز پارٹی کے ایک اور ممبر افتخار گیلانی سے رابطہ قائم کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ اس بات کے حق میں ہیں کہ جتنی بھی رپورٹیں اب تک شائع نہیں کی گئیں بشمول اوجڑی کیمپ انہیں شائع کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ان کے ذاتی خیالات ہیں انہوں نے کہا کہ ان تمام رپورٹوں کو پارلیمنٹ میں پیش کیا جانا چاہئے تاکہ عوام سچ کو جان سکیں۔

اگلے ہی دن روزنامہ جنگ نے خبر دی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی ہائی کمان کے ایک ترجمان نے حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ کے حوالے سے ریٹائرڈ جرنیلوں کے درمیان تنازعے میں بعض جرنیلوں کی طرف سے پیپلز پارٹی کے بانی چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو پر لگائے گئے الزامات کی مذمت کی ہے۔ اور کہا ہے کہ تاریخ اسلام کے اس سب سے بڑے سانحے میں 90 ہزار فوجیوں کے ہتھیار ڈالنے سے پاکستان کو جس ذلت کا سامنا کرنا پڑا تھا اس پر پوری قوم کو اپنا احتساب کرنا چاہئے نہ کہ اپنے غیر ذمہ دارانہ کردار کا اعتراف کرنے کے بجائے دوسری شخصیتوں کو مورد الزام ٹھہرایا جائے۔ ترجمان نے کہا کہ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کی اشاعت ذوالفقار علی بھٹو شہید نے اس وقت کے فوجی ارباب اختیار اور سیاسی رہنماؤں کے مشورے کے بعد اس لئے مناسب نہیں سمجھا تھا کہ اس سے نہ صرف پاکستان

کی مسلح افواج کی بے وقعتی ہوتی بلکہ بنگلہ دیش کو ان پاکستانی فوجیوں پر مقدمہ چلانے کا جواز مل جاتا جس کی پاکستان مخالفت کر رہا ہے تھا اور شیخ مجیب الرحمان نورمبرگ طرز پر مقدمہ چلانا چاہتا تھا۔ یہ ذوالفقار علی بھٹو کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ عالمی دباؤ کے تحت بنگلہ دیش نے ان مقدمات کو ملتوی کر دیا تھا۔ ترجمان نے اپنے بیان میں مشرقی پاکستان کے محاذ سے بھاگ جانیوالے جنرل رحیم خان کے جوابی بیان کو انتہائی افسوسناک قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بیان پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کی توہین ہے۔ جس میں جسٹس حمود الرحمٰن اور دوسرے سینئر ججوں کو فوجی امور سے نابلد قرار دیا گیا ہے۔ ایک طرف تو جنرل رحیم خان کہتے ہیں کہ فوجی ماہرین اس کمیشن میں ہونے چاہئیں تھے دوسری طرف اس کمیشن کے فوجی مشیر جنرل الطاف قادر کو وہ شرابی کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں۔ جنرل رحیم کے اس بیان سے محسوس ہوتا ہے کہ حمود الرحمٰن کمیشن صرف ان سے بدلہ لینے کے لئے قائم کیا گیا تھا اگر ایسا ہوتا تو پی پی حکومت اسے اپنے دور حکومت میں ہی شائع کر دیتی۔ ترجمان نے کہا کہ اگر بھٹو نے اسے شائع نہ کر کے کوئی غلطی کی تھی تو جنرل ضیاء الحق نے اسے گیارہ سال تک کیوں شائع نہیں کیا؟ جنرل ضیاء الحق کے دور میں تو جنرل رحیم دفاع کے سیکرٹری جنرل رہے۔ ان کے بھائی ایم آر خان پاکستان بنکنگ کونسل کے چیئرمین تھے۔ جنرل رحیم کو سیکرٹری جنرل دفاع کی حیثیت سے کیوں خیال نہ آیا کہ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کی غلط سفارشات کے جواب میں ایک ملٹری کمیشن قائم کیا جائے جو 1971ء کے سانحے کے سیاسی اور فوجی اسباب کا تعین کرے۔ جنرل رحیم نے اپنے بیان میں جسٹس حمود الرحمٰن جیسے محب وطن پاکستان کو بنگالی کہہ کر پھر اس ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے جو مشرقی پاکستان کے بھائیوں کو ناراض کرنے کا سبب بنی تھی۔

ترجمان نے کہا کہ جنرل رحیم نے میدان جنگ سے اپنے فرار کی ذمہ داری جنرل نیازی پر عائد کی ہے۔ اس کا جواب تو جنرل نیازی ہی دے سکتے ہیں لیکن بریگیڈیئر صدیق سالک نے اپنی کتاب ''میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا'' میں جنرل رحیم کے فرار کی جو شرمناک داستان بیان کی ہے جنرل رحیم کے خلاف اس سے زیادہ واضح شہادت اور کیا ہو سکتی ہے۔

ترجمان نے کہا کہ انہوں نے اس وقت صدر بھٹو کی اجازت کے بغیر اندرون سندھ لسانی ہنگامے روکنے کے لئے فوجی دستے متعین کئے تھے اس سے زیادہ غیر ذمہ دارانہ طرز عمل اور آئینی حکومت کی خلاف ورزی کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے۔ ترجمان نے کہا کہ اب وقت کا تقاضا ہے کہ حمود

الرحمٰن کمیشن رپورٹ مکمل طور پر شائع کی جائے۔ ترجمان نے کہا کہ 1971ء کے اس سانحے کے دوران تمام سیاسی اور فوجی امور فوجی جنرلوں کے کنٹرول میں تھے۔ ملک کی تقدیر کے تمام فیصلے وہی کر رہے تھے۔ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت سانحے کے ذمہ دار جرنیلوں اور ان کے حامی سیاست دانوں نے اس سانحے کی ذمہ داری ذوالفقار علی بھٹو اور پاکستان پیپلز پارٹی عائد کرنے کی کوشش کی ہے' لیکن تاریخی حقائق ان الزامات کو بار بار بے بنیاد ثابت کر رہے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو ملک کو اس ذلت اور سانحے سے بچانے کے لئے بار بار کوشش کر رہے تھے کہ شیخ مجیب الرحمان جنہیں صرف مشرقی پاکستان میں نمائندگی حاصل ہوئی تھی وہ اسمبلی کے اجلاس سے پہلے مذاکرات کے ذریعے آئین کے نکات پر اتفاق رائے حاصل کریں جو پاکستان کے تمام صوبوں کو قابل قبول ہو اور اسمبلی میں اپنی اکثریت کے ذریعے ایسا آئین نہ منظور کروائیں جس سے پاکستان کے چاروں صوبوں کے حقوق ختم کر دیئے جائیں۔ اسٹیٹ بنک تمام محفوظ دفاتر بنکوں کے صدر دفاتر اور املاک کے تمام اثاثے ڈھاکہ منتقل کر دیئے جاتے اس کے بعد بنگلہ دیش کے قیام کا اعلان کر دیا جاتا۔ اس صورت حال کو روکنے کے لئے بھٹو نے اسمبلی سے باہر مذاکرات پر زور دیا تھا لیکن دوسرے سیاستدانوں نے نہ صرف بھٹو دشمنی میں پاکستان کے مفاد کی پرواہ نہیں کی اور مجیب الرحمان کو ان مذاکرات میں شمولیت سے روکا جس کا نتیجہ المناک حالات کی صورت ہونے کے باوجود پاکستان نے شملہ معاہدہ میں باوقار طریقے سے اپنے 5 ہزار مربع میل کا علاقہ واپس لیا۔ 90 ہزار جنگی قیدیوں کو باعزت طریقے سے واپس لایا گیا۔ بنگلہ دیش کو 110 پاکستانی فوجیوں پر مقدمہ چلانے سے روکا اور پاکستان کے مشرق وسطیٰ اور دوسرے مسلم ممالک سے روابط استوار کئے۔ بھٹو کے یہ کارنامے پاکستان کی تاریخ کے سنہرے باب ہیں۔ انہوں نے پاکستان کے موقف پر کبھی سودے بازی نہیں کی اور نہ کبھی میدان سے فرار اختیار کیا۔ 1977ء میں بعض جرنیلوں نے انہیں ملک سے چلے جانے کا مشورہ دیا تھا لیکن انہوں نے اصولوں کی خاطر زندگی کے آخری سانس تک غیر قانونی' غیر آئینی حکومت کی مزاحمت کی۔ ترجمان نے کہا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کو یہ فخر ہے کہ اس نے ایک شکست خوردہ فوج کے حوصلے بحال کئے۔ انہیں ایشیاء کی بہترین جنگی مشین بنایا ان کا پیشہ وارانہ وقار اتنا بلند کیا کہ مشرق وسطیٰ کے کئی ممالک سے بڑی تعداد میں نوجوان فوجی تربیت حاصل کرنے کے لئے پاکستان آنے لگے۔ ترجمان نے کہا کہ قوم کو چاہئے کہ تاریخ سے

سبق حاصل کریں۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے اور یہ پاکستانی قوم کی وسیع القلبی ہے کہ اس نے میدان جنگ سے بھاگ جانے والے اور ہتھیار ڈالنے والے جنرلوں کو بھی عزت دی۔ اگر جنرل رحیم کے الزام کے مطابق اخبارات اور الیکٹرونک میڈیا ان جنرلوں کے اصل کردار کو عوام کے سامنے لے آئے تو ان جنرلوں پر پاکستان کی سرزمین تنگ ہو جاتی۔ قوم کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کرنے والے ان جرنیلوں کو چاہئے کہ قوم سے معافی مانگیں اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں۔

اسی روز نوائے وقت لاہور نے خبر دی۔

پیپلز پارٹی کے مرکزی جنرل سیکرٹری شیخ رفیق احمد نے سانحۂ مشرقی پاکستان کے سلسلہ میں حمود الرحمٰن کمیشن کی جانب سے تیار کی گئی رپورٹ کو من وعن شائع کرنے کے مطالبات کی حمایت کی ہے اور کہا ہے کہ سابق وزیر اعظم مرحوم ذوالفقار علی بھٹو نے اس وقت کے حالات کے تحت مسلح افواج کے اس وقت کے سربراہ جنرل ٹکا خان کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے یہ رپورٹ شائع نہیں کی تھی' لیکن یہ رپورٹ من وعن شائع ہونے سے مرحوم بھٹو کے موقف اور ان کی سیاست کو مزید تقویت حاصل ہوگی۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے آج شام اپنی اقامت گاہ پر ایک پریس کانفرنس سے خطاب کے دوران کیا۔ وفاقی وزیر مسٹر اعجاز الحق نے اس بیان پر کہ مرحوم بھٹو نے مسٹر حمود الرحمٰن کو اپنی رپورٹ میں صرف فوج کو مورد الزام ٹھہرانے کی ہدایت کی تھی۔ شیخ رفیق احمد کے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ جنرل کے بیٹے کی حیثیت سے سیاست میں آنے والے یہ صاحب جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتے ہیں انہیں ابھی سیاست کی تربیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ مرحوم بھٹو نے حمود الرحمٰن کمیشن تشکیل دیتے وقت اس کمیشن کے کام اور دائرہ کار کے بارے میں ایک ریفرنس بھی تیار کرایا تھا جو اس وقت تمام اخبارات میں شائع ہوا۔ اس ریفرنس کے مطالعہ سے ہی معلوم ہو سکتا ہے کہ حمود الرحمٰن کمیشن کا دائرہ کار کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ حمود الرحمٰن کمیشن اکیلے مسٹر جسٹس حمود الرحمٰن پر مشتمل نہیں تھا اور وہ کمیشن مکمل طور پر آزاد اور خود مختار تھا۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے ایوری کوسٹ کے شہر آبی جان میں منعقدہ ایک بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کے لئے مسٹر حمود الرحمٰن کے ساتھ سفر کیا اور قیام کے دوران انہوں نے پانچ روز اکٹھے گزارے۔ اس موقع پر انہوں نے مسٹر جسٹس حمود الرحمٰن سے ان کی رپورٹ کے بارے بعض

استفسارات کئے تھے جس پر مسٹر جسٹس حمود الرحمٰن نے انہیں بتایا کہ سانحۂ مشرقی پاکستان کے اسباب کے جائزہ کے دوران انہیں ایسا کرنے کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا جس سے پاکستان توڑنے کے عمل میں فوری طور پر سیاسی لیڈروں پر الزام ثابت ہوتا ہے۔ مسٹر حمود الرحمٰن نے انہیں یہ بھی بتایا کہ سابق صدر جنرل یحییٰ خان اس کے روبرو پیش ہوئے تھے اور انہوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی تھی جو ایران کی دو ہزار سالہ تقریبات کے موقع پر روس کے اس وقت کے صدر پر پانی سے بھرا ہوا جگ انڈیلنے کے معاملہ میں ان سے منسوب تھا۔ مسٹر حمود الرحمٰن نے یہ بھی بتایا کہ ان کے استفسار پر جنرل یحییٰ خان نے موقف اختیار کیا تھا کہ روسی صدر نے پاکستان کے بارے میں نازیبا گفتگو کی تھی جس کے باعث انہوں نے روسی صدر پر پانی سے بھرا ہوا جگ پھینکا اور اگر روسی صدر کسی دوسرے موقع پر ایسے الفاظ استعمال کرتے تو وہ پھر ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے۔ شیخ رفیق احمد نے کہا کہ جنرل یحییٰ خان کے اس طرز عمل کے باعث ہی پاکستان کے بارے میں روس کی رائے تبدیل ہوئی تھی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ روسی صدر پر پانی کا جگ پھینکنے کا متذکرہ واقعہ درست ہونے کی صورت میں آیا جنرل یحییٰ خان کی حب الوطنی ثابت نہیں ہوئی۔ انہوں نے جنرل یحییٰ کا متذکرہ طرز عمل سفارتی آداب کے قطعی منافی تھا اور حب الوطنی کے تقاضوں کے تحت بھی اس نوعیت کا طرز عمل نامناسب تھا۔

میجر جنرل تجمل حسین جو مرحوم مشرقی پاکستان میں غیرت ایمانی کی زندہ مثال بنے اور انہوں نے ''ہلی'' میں وہ جان توڑ معرکہ لڑا جو پھر عالمی عسکری تاریخ کا درخشندہ باب بن گیا نے روزنامہ ''جنگ'' کو اپنے بیان میں کہا۔

میجر جنرل (ریٹائرڈ) تجمل حسین نے کہا کہ سقوط ڈھاکہ کے ذمہ دار کئی جرنیلوں کے نام ابھی صیغہ راز میں ہیں اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے پیچھے کوئی فوری سیاسی عوامل نہیں تھے۔ گزشتہ روز ''جنگ'' کے ساتھ ملاقات میں انہوں نے کہا کہ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کا جو حصہ منظر عام پر آیا ہے۔ اس کے اصلی یا جعلی ہونے کے بارے میں تو کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتا البتہ اس میں جن چھ جرنیلوں کو سقوط ڈھاکہ کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے کوئی عجب نہیں کہ ان میں سے اکثر پر مقدمات چلنے چاہئیں تھے۔ ''بلکہ مشرقی و مغربی پاکستان دونوں میں سے کچھ نام ایسے جرنیلوں کے رہ بھی گئے ہیں جن کا ٹرائل ہونا چاہئے تھا'' انہوں نے کہا میں نے ہمیشہ یہ کہا ہے کہ پاکستانی فوج

بھارت کی دوگنا فوج کو کسی وقت اور کسی میدان میں شکست دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ 65ء کی جنگ میں ہندوستان کو شکست دینے میں ناکامی اور 71ء میں مشرقی و مغربی پاکستان میں ہماری شکست کی بنیادی وجہ یہ نہ تھی کہ ہماری فوج بھارتی فوجوں کے مقابلہ میں کمزور تھی بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس کی قیادت نااہل جرنیلوں کے ہاتھ میں تھی جو میدان جنگ میں فوج کے ساتھ آگے رہ کر لڑنے کے بجائے پیچھے محفوظ پناہ گاہوں میں رہ کر لڑنا چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مشہور جنرل فلر کی کہاوت کے مطابق ''جو کمانڈر پیچھے محفوظ ''بنکرز'' میں رہ کر لڑائی لڑتے ہیں وہ جنگ پر اس سے زیادہ اثر انداز نہیں ہوسکتے جتنا کہ کوئی قبر میں رہ کے ہوسکتا ہے۔'' جنرل تجمل نے کہا کہ اگر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے سیاسی اسباب جاننا مقصود ہوں تو اس کی تحقیقات 1947ء سے شروع کرنا ہوں گی کیونکہ اس کے پس پردہ کوئی فوری نوعیت کے سیاسی عوامل کارفرما نہیں تھے بلکہ مشرقی پاکستان کے لوگوں کی محرومیاں تھیں جو قیام پاکستان کے بعد روز بروز بڑھتی چلی گئیں۔

جہاں تک سقوط ڈھاکہ کا تعلق ہے کہ 71ء کی جنگ میں مشرقی پاکستان میں ہماری شکست مکمل فوجی شکست تھی جس سے ہمیں اپنے سینئر افسروں اور جرنیلوں کی وجہ سے دوچار ہونا پڑا۔ اس بات کی تائید کہ وہاں ہماری فوج اور اس کے پاس موجود اسلحہ مزید چھ ماہ تک لڑائی کے لئے کافی تھا' بھارتی کمانڈر لچھمن سنگھ نے اپنی کتاب ''انڈین سورڈز سٹرائیک ان ایسٹ پاکستان'' میں اس جملے میں کی ہے کہ ''ہلی کے محاذ پر پاکستانی فوج نے خود کو ایک قابل فوج ثابت کیا۔'' انہوں نے کہا کہ یہ تمام حقائق انہوں نے اپنی کتاب ''دی سٹوری آف مائی سٹرگل'' میں تفصیل سے درج کئے ہیں جو عنقریب جنگ پبلشرز کے زیراہتمام چھپ کر منظر عام پر آ رہی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں جنرل تجمل نے کہا کہ ''پیپلز آرمی'' کا تصور ہمارے لئے بالکل قابل عمل اور ضروری ہے۔ پوری قوم کو چین اور ایران کی طرز پر مسلح کیا جانا چاہئے تاکہ وہ جنگ کی صورت میں ہندوستان کو باآسانی شکست دے سکے البتہ اس کے ساتھ ساتھ پروفیشنل آرمی بھی لازمی ہے۔ انہوں نے کہا آج سے بیشتر تو ''عوامی فوج'' کے تصور کو اس لئے نظر انداز کیا جاتا رہا کہ حکمران سمجھتے تھے کہ اگر عوام کے پاس ہتھیار آ جائیں تو حکومت کو خطرہ ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ ہر مارشل لاء کا پہلا حکم یہ ہوتا تھا کہ ''ہتھیار تھانے میں جمع کراؤ'' کیونکہ انہیں مسلح افراد سے خطرہ تھا چونکہ آج سے پیشتر تو بھٹو دور سمیت ملک میں زیادہ تر آمریت رہی اس لئے حکومت عوام مسلح نہیں کرنا چاہتی اب چونکہ ملک میں

جمہوریت آ گئی ہے اس لئے ''انہیں'' عوام سے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہئے لہٰذا پوری قوم کو مسلح کیا جائے۔ ایک دوسرے سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ایٹم بم کو محض دھمکی کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ عملاً استعمال نہیں ہوسکتا اس لئے کہ بھارت کے پاس بھی ایٹم بم ہے لہٰذا ایک ملک ایٹم بم استعمال کرے گا تو دوسرا بھی کرے گا۔ اسی وجہ سے آج تک روس اور امریکہ نے بھی ایٹم بم استعمال نہیں کیا۔ لہٰذا پاکستان کو پھر بھی اتنی فوج ہی رکھنا پڑے گی۔

ایک اور سوال کے جواب میں جنرل تجمل نے کہا کہ بے نظیر بھٹو کو چاہئے تھا کہ برسراقتدار آنے کے فوراً بعد ان تمام لوگوں پر مقدمات چلائے جاتے جنہوں نے مارشل لاء دور میں جمہوریت کو پامال کیا۔ سینکڑوں بے گناہ افراد کو پھانسی پر چڑھایا اور جیلوں میں رکھ کر کوڑے لگائے اور ملکی دولت کو بے دریغ لوٹ کر سنگ مرمر کے محلات بنائے اور اب برسراقتدار ہیں'' بے نظیر کو چاہئے تھا کہ ان کے خلاف مقدمے چلاتیں اب وہ اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتیں کہ اب مقدمات ان کے خلاف کھڑے ہو رہے ہیں۔ تاریخ بار بار ایسے مواقع فراہم نہیں کرتی۔''

13 اگست کے اخبارات ان سنسنی خیز سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئے کہ ''حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ بھارت پہنچ گئی'' ملاحظہ فرمایئے روزنامہ نوائے وقت 13 اگست 2000ء کی ایک اہم رپورٹ یہ رپورٹ نئی دہلی کے اخبار کے نمائندے افتخار گیلانی نے روانہ کی تھی۔

''حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ بھارت پہنچ گئی ہے اور بھارتی جریدے ''انڈیا ٹوڈے'' نے اصلی رپورٹ ہونے کے دعوے کے ساتھ اس کے کچھ حصے شائع کئے ہیں یہ رپورٹ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے سانحے کے حوالے سے ہے۔ جریدے کا کہنا ہے کہ اس نے عبوری رپورٹ اپنی انٹرنیٹ ویب سائٹ پر دے دی ہے جو www.INDIA.TODAY.COM پر دیکھی جا سکتی ہے۔ کمیشن نے اپنی عبوری رپورٹ جولائی 72ء جب کہ مکمل رپورٹ 23 اکتوبر 74ء کو پیش کی تھی۔ جریدہ کے مطابق کمیشن نے جنرل ٹکا خان' جنرل یعقوب علی خان اور راؤ فرمان علی کو الزامات سے بری کر دیا جبکہ جنرل یحییٰ خان' عبدالحمید خان' اے اے کے نیازی' گل حسن' میجر جنرل عمر' مٹھہ' ایم رحیم خان' محمد جمشید' عابد زاہد اور بریگیڈیئر جہانزیب ارباب پر کھلا مقدمہ چلانے اور سزا دینے کی سفارش کی گئی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے اختیارات کے غلط استعمال' تشدد' بد اخلاقی اور بزدلی کا مظاہرہ کیا۔ ان کو سزا دینے سے ہی قوم مطمئن ہو گی جبکہ

71ء کی جنگ میں انہوں نے جس شرمناک کردار کا مظاہرہ کیا اس کا اعادہ نہ ہو۔ کمیشن نے بنگلہ دیش کے اس سرکاری دعوے کو مسترد کر دیا کہ تیس لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ یہ دعویٰ گپ بازی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا جبکہ 9 اور 10 دسمبر کی رات بنگالی دانشوروں کے قتل کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملا۔ کمیشن کے گورنر مشرقی پاکستان کے سیاسی مشیر میجر جنرل راؤ فرمان علی کو تمام الزامات سے بری قرار دے دیا جبکہ شیخ مجیب الرحمٰن نے انہیں جنگی مجرم قرار دیا تھا۔ جنرل نیازی پر فنڈز کے غلط استعمال اور بھارتی فوج کے ساتھ خفیہ بات چیت کے الزامات کو مسترد کر دیا گیا ہے تاہم جنرل نیازی کو شکست کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے ان کے کورٹ مارشل کی سفارش کی ہے۔ جنرل نیازی کے لئے انتہائی سخت الفاظ استعمال کرتے ہوئے جسٹس حمود الرحمٰن نے کہا کہ وہ اپنی جنسی بے راہ روی اور مشرقی پاکستان سے پان مغربی پاکستان سمگل کرنے کے لئے بدنام ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنے ماتحتوں کا اعتماد حاصل اور احترام حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ وہ قیادت اور عزم کی خوبیوں سے محروم تھا جبکہ اپنی کمان میں افسروں اور جوانوں میں ڈسپلن اور اخلاقی معیار کے فقدان کے سلسلے میں حوصلہ افزائی کی۔ جی او سی سیالکوٹ اور مارشل ایڈمنسٹریٹر لاہور کے طور پر ان کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے رپورٹ میں ان کے گلبرگ لاہور میں قحبہ خانہ چلانے والی سعیدہ بخاری سے ان کے تعلق کا ذکر کیا ہے۔ یہ قحبہ خانہ سینوریٹا ہوم کے نام پر چلایا جاتا تھا۔ اسی طرح سیالکوٹ میں ایک قحبہ خانہ کی مالک ثمینہ فردوس سے بھی ان کا تعلق بتایا گیا ہے۔ کمیشن نے کہا ہے کہ دس گیارہ دسمبر کی رات کو جبکہ بھارتی فوج پاکستانی پوزیشنوں پر گولہ باری کر رہی تھی۔ بریگیڈیئر ہدایت اللہ نے مقبول پور سیکٹر میں اپنے مورچے میں کچھ عورتوں کی دعوت کی۔ رپورٹ میں جنرل یحییٰ خان، جنرل عبدالحمید خان اور میجر جنرل خداداد خان کی ذاتی بدکرداری اور شراب نوشی کی بھی تحقیقات کے لئے کہا گیا ہے۔ بظاہر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ان افسروں کے اخلاقی انحطاط کی وجہ سے ان میں فیصلوں کا فقدان، بزدلی اور پیشہ ورانہ نااہلی پیدا ہوئی۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ فوج کی مداخلت کے بعد مشرقی پاکستان میں حالات کافی حد تک معمول پر آ گئے تھے لیکن اس عرصے کو سیاسی مذاکرات کے لئے استعمال نہیں کیا گیا اور مشرقی پاکستان کے منتخب نمائندوں سے بات نہیں کی گئی۔ اس کے برعکس بے مقصد اور دھوکہ دینے والے حربے استعمال کئے گئے۔ یہ قیمتی مہینے ضائع کر دیئے گئے اور اسی دوران بھارت نے مکتی باہنی کو تربیت دے کر پاکستانی علاقے

پر گوریلا حملے کرنا شروع کر دیئے۔ رپورٹ میں جو سفارشات پیش کی گئیں اُن کے بارے میں کمیشن نے لکھا ہے کہ تازہ ترین شہادتوں کی بنیاد پر ان سفارشات کو مزید بہتر کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے لکھا کہ انہیں یقین ہے کہ اس کمیشن کی تشکیل کے مقاصد کو اس وقت ہی مکمل طور پر حقیقت پسندانہ قرار دیا جا سکے گا جب حکومت پیش کردہ سفارشات پر جلد اور مناسب کاروائی کرے۔ اگرچہ ان سفارشات میں بہت سی ایسی چیزوں کا اعادہ کیا گیا ہے جو قبل ازیں مین رپورٹ میں پیش کر دی گئی ہیں تاہم ہم سمجھتے ہیں کہ ریفرنس اور ایکشن کی سہولت کے پیش نظر ان کو یکجا کرنا ضروری ہے ان سفارشات کی تفصیلات اور اسباب مین رپورٹ میں موجود ان کے متعلقہ باب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ان میں سے بعض سفارشات پر پہلے ہی عمل ہو چکا ہے لیکن انہیں حتمی سمری میں بعض وجوہ کی بنیاد پر شامل نہیں کیا گیا۔ کمیشن نے لکھا ہے کہ اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ ان تمام سینئر آرمی کمانڈر پر مقدمہ چلایا جائے جو پاکستان کی شکست اور بے عزتی کا باعث بنے کہ انہوں نے آئین سے روگردانی کی، مجرمانہ سازش سے سیاسی قوت میں مداخلت کی۔ اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں میں غفلت برتی۔ طبعی اور دشمن کے مقابلے کے لئے وسائل کے باوجود ایسے شرمناک رویہ جو کہ 1971ء کی جنگ کے دوران سامنے آیا، کو روکنا ضروری ہے ہم اس ضمن میں درج ذیل ٹرائلز کی بلا تاخیر منظوری دیتے ہیں۔ یہ کہ جنرل یحییٰ خان، جنرل عبدالحمید خان، لیفٹیننٹ جنرل ایس ایم پیرزادہ، لیفٹیننٹ جنرل گل حسن، میجر جنرل عمر اور میجر جنرل مٹھا کا سرعام ٹرائل ہونا چاہئے کہ انہوں نے مجرمانہ سازش کی پارٹی بنے اور فیلڈ مارشل محمد ایوب خان سے غیر قانونی طور پر اقتدار چھیننے کے لئے طاقت کا استعمال کیا۔ مزید یہ کہ انہوں نے اپنے مشترکہ مقصد کی خاطر 1970ء کے انتخابات میں سیاسی جماعتوں پر دھمکیوں، رشوت اور دوسرے ذرائع سے اثر انداز ہونے کی کوشش کی تاکہ ان کی مرضی کے انتخابی نتائج حاصل ہو سکیں۔ بعد ازاں بعض سیاسی جماعتوں اور منتخب ارکان قومی اسمبلی کو 3 مارچ 1971ء کو ڈھاکہ میں بلائے گئے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت سے باز رکھا۔ ان سب نے مل جل کر مشرقی پاکستان میں ایسی صورتحال پیدا کر دی جو وہاں سول نافرمانی، عوامی لیگ کی طرف سے مسلح تصادم کا موجب بنی جس کے نتیجے میں ہماری فوج کو مشرقی پاکستان میں سرنڈر ہونا پڑا اور پاکستان کو تحلیل اسلحہ کرنا پڑا۔ یہ کہ مذکورہ بالا تمام افسروں کا مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں جنگ کے دوران مجرمانہ

غفلت برتنے پر بھی ٹرائل ہونا چاہیے۔ یہ کہ لیفٹیننٹ جنرل ارشاد احمد خان سابق کمانڈر کور 1 کا
مجرمانہ غفلت اور جان بوجھ کر تحصیل شکر گڑھ کے 5 سو دیہات دشمن کے آگے سرنڈر کرنے پر ٹرائل
کیا جائے۔ یہ کہ میجر جنرل عابد زاہد سابق جی او سی 15 ڈویژن جان بوجھ کر اور شرمناک طریقے
سے پکھلیاں ضلع سیالکوٹ کے 98 دیہات سرنڈر کرنے کا موجب بنے۔ ان کی اس حرکت سے
مرالہ ہیڈ ورکس کو بھی خطرہ لاحق ہوا کیونکہ بھارتی فوج نے اس سے صرف 15 سو گز کے فاصلے پر
گئی تھی۔ اس ضمن میں انہوں نے جی ایچ کیو کو بھی اندھیرے میں رکھا۔ اس مجرمانہ غفلت پر ان
ٹرائل کیا جائے۔ یہ کہ میجر جنرل بی ایم مصطفیٰ سابق جی او سی 18 ڈویژن کے حملہ کے پلان کے
نتیجہ میں راجستھان میں بھارتی پوزیشن رام گڑھ سے بھارتی فوج نے پاکستان کو نقصان پہنچایا
یہ کہ لیفٹیننٹ جنرل اے اے کے نیازی سابق کمانڈر مشرقی کمانڈ کا 15 الزامات کے تحت کورٹ
مارشل کیا جائے جو ان کی پیشہ وارانہ اور فوجی ذمہ داریوں سے متعلق ہیں اور ان کا تعلق مشرقی
پاکستان کے دفاع سے ہے جہاں مزاحمت کے وسائل ہونے کے باوجود انہوں نے شرمناک
طریقے سے سرنڈر کیا۔ یہ کہ میجر جنرل محمد جمشید سابق جی او سی 36 (ایڈہاک) ڈویژن ڈھاکہ کا
الزامات کے تحت کورٹ مارشل کیا جائے۔ انہوں نے ڈھاکہ کی حفاظت کی منصوبہ بندی میں
مجرمانہ غفلت برتی۔ یہ کہ میجر جنرل رحیم خان سابق جی او سی 39 (ایڈہاک) ڈویژن کا چاند پور
مشرقی پاکستان میں پیشہ وارانہ اور مجرمانہ غفلت برتنے پر کورٹ مارشل کیا جائے۔ یہ کہ بریگیڈیئر
جی ایم باقر صدیقی سابق جی او سی مشرقی کمانڈ ڈھاکہ کا 6 الزامات کے تحت کورٹ مارشل
جائے۔ یہ کہ بریگیڈیئر محمد اسلم نیازی سابق کمانڈر 53 بریگیڈ 39 ایڈہاک ڈویژن مشرقی پاکستان
کا 6 الزامات کے تحت کورٹ مارشل کیا جائے۔ حمود الرحمن کمیشن نے لکھا ہے کہ اعلیٰ سطح کی عدالت
کمیشن قائم کیا جائے جو مارچ سے دسمبر 1971ء تک پاکستانی فوج کی اپنی عوام پر ظالمانہ
کارروائیوں کی تحقیقات کرے اور اس کے ذمہ داروں کا ٹرائل کرے۔ رپورٹ میں د
انکوائریوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ جنرل یحییٰ خان کے خلاف ذاتی غیر اخلاقی حرکات
شراب نوشی جیسے الزامات کی تحقیقات کے علاوہ جنرل عبدالحمید خان اور میجر جنرل خداداد خان
مناسب تحقیقات کی جائیں کیونکہ یہ دونوں اس ضمن میں بنیادی شہادتیں ہیں۔ اس طرح مارشل
لاء ایڈمنسٹریٹر ملتان میجر جنرل جہانزیب جو کہ اس وقت بریگیڈیئر تھے کا ایک پی سی ایس افسر

جو کہ اس وقت میونسپل کارپوریشن ملتان کے چیئرمین تھے اور جن کے خلاف کرپشن کے الزامات کی
تحقیقات ہو رہی تھی ایک لاکھ روپیہ رشوت لینے کے الزامات کی تحقیقات کی جائے کیونکہ اس
افسر نے بعد میں خودکشی کر لی تھی اور اس کے پاس ایک خط موجود تھا۔ بریگیڈیئر حیات اللہ کے
خلاف الزامات کی انکوائری بھی بہت ضروری ہے کیونکہ 11 اور 12 دسمبر 71ء کی شب جنگ کے
دوران جب بھارت کے گولے اس کی فوج پر گر رہے تھے تو اس کے بنکر میں عورتیں موجود تھیں۔
رپورٹ میں لکھا گیا ہے کہ کمیشن اختیارات کے تحت بریگیڈیئر کی سطح سے نیچے کے افسروں کی
تحقیقات نہیں کر سکتا تاہم ہمارے نوٹس میں بعض ایسے کیسز بھی آئے ہیں کہ جن میں نچلی سطح کے
افسر بھی اپنی ذمہ داریوں میں غفلت کے مرتکب پائے گئے ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ حکومت
مسلح افواج کے تمام افسران سے 10 برسوں کے دوران بنائے گئے منقولہ و غیر منقولہ اثاثوں کے
ڈیکلریشن جمع کرانے کے لئے کہے۔ اس کے علاوہ ان افسران سے اس عرصے کے دوران اپنے
رشتہ داروں اور لواحقین کے نام پر حاصل کردہ اثاثوں کے ڈیکلریشن بھی جمع کرنے کے لئے کہا
جائے اگر جائزہ کے دوران پتہ چل جائے کہ اثاثے نامعلوم ذرائع سے ہٹ کر بنائے گئے ہیں تو
ان کے خلاف مناسب اقدام کئے جائیں۔ حکومت آرمڈ سروسز اخلاقیات ایسے طریقے سے وضع
کرے تاکہ اخلاقی اقدار پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہ ہو۔ اسکے علاوہ ترقی کے سلسلے میں اخلاقی کردار کو بھی
اہمیت دی جائے۔ فوجی میسز اور فنکشنوں میں الکحل والے مشروبات کے استعمال پر پابندی عائد کر
دی جائے۔ جنسی اور اخلاقیات سے گری دیگر حرکات کا نوٹس لیا جائے۔ سروس کے قواعد وضوابط
کے حوالے سے انٹر سروسز کی سٹڈی کی جائے اور افسران جے سی اوز اور سروسز کے دیگر رینکس کو
حاصل سہولیات کا پتہ چلایا جائے۔ تاکہ اس سلسلے میں جونیئر افسران میں پایا جانا والا عدم اطمینان
دور کیا جا سکے۔ جی ایچ کیو میجر جنرل افتخار خان جنجوعہ کی سربراہی میں ڈسپلن کمیٹی کی رپورٹ پر غور
کرے، بحریہ اور فضائیہ اپنی سروسز کے مسائل پر اپنی کمیٹیاں قائم کریں۔ پاک بحریہ کی ترقی اور
بہتری کے لئے اس کی ضروریات پر فوری توجہ دی جائے۔ پاک بحریہ کے پاس میزائل بوٹس سے
تحفظ کے لئے طیارے ہونے چاہئیں۔ بحریہ کے لئے کراچی سے دور الگ بندرگاہ بنانے کی بھی
اشد ضرورت ہے۔ فضائیہ کی بہتری کے لئے سفارش کی گئی کہ پاکستان کے پاس ایسے مقامات پر
جدید ہوائی اڈے ہونے چاہئیں جہاں سے یہ مواصلات کی اہم لائن کے ساتھ ساتھ صنعت کے

بڑے بڑے مراکز کو بہتر تحفظ فراہم کرسکیں۔ پیشگی اطلاع دینے والے سسٹم کو بھی بہتر بنانے کی ضرورت پر زور دیا گیا تینوں سروسز کے ہیڈکوارٹرز وزارت دفاع کے ساتھ ایک مقام پر ہوں کابینہ کی دفاعی کمیٹی کو دوبارہ سرگرم کیا جائے اور اس کے باقاعدہ اجلاس یقینی بنائے جائیں۔ سفارشات میں کہا گیا کہ ڈیفنس منسٹرز کمیٹی بھی ہونی چاہئے۔ کمیٹی کی صدارت وزیر دفاع کریں اور دفاع کے سیکرٹری کے علاوہ تینوں سروسز کے چیف اس کے رکن ہوں۔ قومی سکیورٹی کونسل کے حوالے سے یہ کہا گیا کہ اسے ختم کر دینا چاہئے۔ میجر جنرل فرمان علی نے مشرقی پاکستان کے گورنر کی ہدایات پر عمل کیا جنہیں پاکستان کے صدر نے مشرقی پاکستان میں سمجھوتے کے لئے بعض تجاویز کا اختیار دیا تھا۔ عبوری رپورٹ میں رائے دی گئی ہے کہ مشرقی پاکستان میں فوج کی شکست محض فوجی پہلوؤں کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اس کی سیاسی، بین الاقوامی اور اخلاقی وجوہات بھی ہیں۔ 47ء سے 71ء تک کے عرصہ کا تجزیہ کرتے ہوئے جس میں دو مارشل لاء لگے رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے جذباتی طور پر دور ہوتا گیا۔ اصل رپورٹ میں دو بڑی جماعتوں عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے کردار کا ذکر کیا گیا ہے، جنہوں نے ایسی صورتحال پیدا کر دی کہ ڈھاکہ میں 25 مارچ 71ء کو قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرنا پڑا۔ رپورٹ میں یحییٰ خان کی مجیب الرحمان سے بات چیت اور مغربی پاکستان کے رہنماؤں کی بات چیت کا ذکر ہے۔ اگرچہ رسمی طور پر مذاکرات کو ناکام قرار نہیں دیا گیا تاہم یحییٰ خان خفیہ طور پر ڈھاکہ سے چلے گئے اور فوجی کارروائی کی ہدایت کر گئے۔ رپورٹ کے مطابق یحییٰ خان نے 69ء میں حالات معمول پر لانے اور جمہوری عمل بحال کرنے کے لئے مارشل لاء نہیں لگایا تھا۔ ان کا مقصد اپنی ذات کے لئے اقتدار کا حصول تھا جس کا علم ان کے ساتھیوں کو بھی نہیں تھا۔ مشرقی پاکستان کی انتظامیہ سے متعلق فوجی اور سول حکام نے اس رائے کا اظہار کیا کہ فوجی کارروائی سیاسی سمجھوتے کا متبادل نہیں تھا۔ یہ امن و امان کی بحالی کے بعد ہی ممکن تھا۔ بہت سے گواہوں کا کہنا ہے کہ سیاسی سمجھوتے کا بہترین وقت مئی اور ستمبر 71ء کا درمیانی عرصہ تھا۔ کیونکہ اس دوران حالات کافی حد تک معمول پر آ چکے تھے لیکن مشرقی پاکستان کے منتخب نمائندوں سے کسی قسم کے مذاکرات نہیں کئے گئے۔ فوجی کارروائی کے دوران ضرورت سے زیادہ فورس استعمال کی گئی جس سے مشرقی پاکستانیوں کی ہمدردیاں ختم ہو گئیں۔ فوج کی تعیناتی کے لئے بھی مناسب انتظامات نہیں کئے گئے تھے۔ جس سے لوٹ مار کے

لئے حوصلہ افزائی ہوئی۔ قابل احترام لوگوں کے ساتھ سلوک سے بھی حالات بدتر ہوئے۔ ہندوؤں کے ساتھ سلوک کی بنا پر وہ بڑی تعداد میں بھارت نقل مکانی کر گئے۔ یحییٰ خان نے جلد سیاسی سمجھوتے کے لئے اقدامات نہیں کئے لہٰذا 71ء میں عام معافی غیر مؤثر ثابت ہوئی۔ منتخب نمائندے بھارت کے ہاتھوں یرغمال بنے ہوئے تھے اور اس نے انہیں واپسی کی اجازت نہیں دی۔ اس دوران ضمنی انتخابات بھی لاحاصل ثابت ہوئے۔ جبکہ امیدواروں کا انتخاب فوج نے کیا تھا۔ ڈاکٹر مالک کے بطور گورنر اور ان کی کابینہ بھی بے اثر رہی کیونکہ انہیں عوام کا اعتماد حاصل نہیں تھا اور مکمل اقتدار مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل نیازی کے ہاتھ میں تھا اور مشرقی پاکستانیوں کا یہ شک پختہ ہو گیا کہ یحییٰ خان اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل نہیں کرنا چاہتا۔ دوسری طرف بھارتی خطرے کے پیش نظر تمام دوست ممالک نے انہیں سیاسی سمجھوتے کا مشورہ دیا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ مشرقی پاکستان میں فوج کے اقدامات کے تباہ کن نتائج برآمد ہوئے۔ فوج شروع سے ہی ہاری ہوئی جنگ لڑ رہی تھی۔ عالمی سطح پر بھارتی پراپیگنڈہ اتنا کامیاب تھا کہ صورتحال کو قابو میں لانے کی کوششوں کا فائدہ نہیں ہوا۔ اگست 71ء میں بھارت روس معاہدے سے صورتحال مزید خراب ہو گئی۔ ایران، چین اور امریکہ سمیت تمام دوست ممالک نے یحییٰ خان کو بتا دیا تھا کہ بھارتی حملے کی صورت میں وہ پاکستان کی کوئی عملی مدد نہیں کر سکیں گے۔ لیکن بین الاقوامی صورتحال کو سمجھا ہی نہیں گیا چنانچہ غلطیوں کے تباہ کن نتائج برآمد ہوئے۔ سلامتی کونسل میں پہلی روسی قرارداد قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ رپورٹ میں جنرل فرمان کے سکیورٹی جنرل کے نام پیغام کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جس میں سیاسی سمجھوتے کے لئے بعض تجاویز دی گئی تھیں۔ اگر جنرل یحییٰ خان بطور کمانڈر انچیف صورتحال کو 16 دسمبر 71ء سے آگے لے جاتے تو ممکن تھا کہ سلامتی کونسل جنگ بندی کرا دیتی۔ جہاں تک فوجی پہلو کا تعلق ہے 71ء کی تباہ کن صورتحال میں سب سے بڑا کردار زمینی فوج کا تھا۔ فوج کے ہائی کمان نے نئے پہلوؤں کا تفصیل سے جائزہ نہیں لیا تھا۔ بھارت روس سمجھوتے کے پیش نظر فوجی تیاریوں اور مسلح افواج کی اہلیت میں فرق کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ لیفٹیننٹ جنرل اے کے نیازی کی حیثیت کے بارے میں بھی تضاد ہے کہ آیا وہ ایک تھیٹر کمانڈر تھا یا کہ محض ایک کور کمانڈر تھا مشرقی پاکستان میں فضائیہ اور بحریہ براہ راست اپنی کمان کے ماتحت تھیں تمام حالات کے باوجود وہ 3 دسمبر 71 کے بعد جب جنگ مغربی پاکستان میں بھی بھڑک چکی تھی تو وہ ہر

لحاظ سے آزاد کور کمانڈر بن چکے تھے اس کے بعد ان کی تبدیلی کا امکان نہیں تھا ان کے آخری اقدام یعنی ہتھیار ڈالنے کے عمل کو اسی تناظر میں لینا چاہئے۔ جہاں تک مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان سے کرنے کا سوال ہے یہ کام کرنا تھا تو 21 نومبر 1971ء کو کر دیتے جب بھارتی فوجیں ننگی جارحیت کرتے ہوئے مشرقی پاکستان میں داخل ہوئیں بدقسمتی سے مغربی محاذ کھولنے میں تاخیر اور اس پر مستزاد یہ کہ جوابی کاروائی کے لئے نیم دلانہ اقدامات نے بھی پاکستان کو نقصان پہنچایا۔ ڈھاکہ اور دوسرے شہروں میں قلعہ بندیاں تعمیر کر کے کم از کم 30 دن تک لڑا جا سکتا تھا اس صورت میں ہر شہر کی کمان اپنے فیصلے خود کرتی۔ جنرل نیازی فوج کو کسی ایسے علاقے میں اکٹھا کر کے بچا سکتے تھے جہاں قدرتی رکاوٹیں بے شمار پائی جاتی ہوں جنرل نیازی سے متعلق یہ وہم المیہ ہے کہ بھارتی فوج کے بڑے پیمانے پر جمع ہونے کے باوجود اس سے کوئی بڑی جنگ نہیں لڑی جائے گی۔ جنرل نیازی اپنی بات کو اس دلیل کیساتھ ثابت کرتے ہیں کہ انہیں آٹھ مزید بٹالینز دینے کا وعدہ کیا تھا جو پورا نہ ہوا اگر یہ آٹھ بٹالین مل جاتیں تو وہ مؤثر انداز سے دفاع کر سکتے تھے لیکن ہم ان کی اس بات سے متفق نہیں۔ انہیں جو مشن دیا گیا تھا اس کے تحت انہیں چپے چپے کا دفاع کرنا چاہئے تھا۔ ہم جنرل نیازی کی اس بات کو بھی نہیں مانتے کہ مشرقی کمان کو جو مشن دیا گیا تھا اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تھی اور جی ایچ کیو نے انہیں واضح پیغام دیا تھا کہ علاقہ کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی اور فوج کو صرف دفاعی اہمیت کے علاقوں کے لئے وقت گزاری کے لئے لڑنا چاہئے۔ شواہد یہ بتاتے ہیں کہ پلاننگ ہی ناقص اور ناامیدی پر مبنی بنائی گئی تھی اور ڈھاکہ کے دفاع کا منصوبہ سرے سے بنا ہی نہیں تھا۔ جب دشمن نے فرید پور کھلنا داؤ کنڈی اور چاند پور سے ڈھاکہ کی طرف پیشقدمی شروع کی تو پھر انہوں نے فوج کو پیچھے ہٹا کر ڈھاکہ کے دفاع کا سوچنا شروع کیا' لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی اور دریائے جمنا کو عبور کرانے کے لئے جو کشتیاں تھیں وہ مکتی باہنی لے گئی تھی اور اس علاقے میں گاڑیوں کی نقل وحمل بھی ناممکن ہو چکی تھی۔ لڑائی شروع ہونے کے چوتھے روز ہی ہم نے بڑی قلعہ بندیاں جیسور' جھانیڈا' ون برہمن باریا بغیر لڑائی کے ہی چھوڑ دیں۔ اگلے دن گھیرا پڑنے سے کومیلا کی قلعہ بندی بھی الگ تھلگ ہو کر رہ گئی۔ 9 دسمبر 1971ء کو ایک ڈویژن کے کمانڈر نے اپنے ہیڈ کوارٹر سمیت انتہائی اہم علاقہ خالی کر دیا اور اپنی فارمیشن پیچھے لے آیا۔ اسی دن مزید قلعہ بندیاں کشتیا اور لکشمن پور بھی خالی کر دیں۔ آخری قلعہ بندی میں بیمار اور

زخمی فوجیوں کو بھی وہیں چھوڑ دیا گیا۔ 10 دسمبر 1971ء کو ہلی جہاں 16 دن تک بڑی جوانمردی سے لڑائی لڑی گئی بھی خالی کر دی گئی۔ میمن سنگھ سے آنے والے بریگیڈیئر کو بھارتی چھاتہ برداروں نے گھیر لیا تو بریگیڈیئر کمانڈر کو کچھ فوجیوں سمیت قیدی بنا لیا گیا اور آخر 16 دسمبر 1971ء کا سانحہ پیش آ گیا۔ اس روز جنرل نیازی کے پاس ڈھاکہ کے گرد فوج جمع کرنے میں ایک ہفتہ لگتا اور مزید ایک ہفتہ ڈھاکہ کے دفاع کو توڑنے کے لئے درکار ہوتا۔ اگر وہ آخر دم تک لڑتے ہوئے شہید ہو جاتے تو وہ تاریخ میں ہیرو کہلاتے لیکن حالات بتاتے ہیں کہ وہ 7 دسمبر کو ہی حوصلہ کھو چکے تھے۔ سب سے المناک پہلو ان کا ہتھیار ڈالنے کا انداز تھا جو انہوں نے بھارت اور مکتی باہنی کی مشترکہ کمان کے سامنے ڈالے۔ بھارتی جنرل اروڑا کا ہوائی اڈے پر استقبال کیا اور انہیں گارڈ آف آنر پیش کیا اور پھر ریس کورس گراؤنڈ میں ہتھیار ڈالنے کی عوامی تقریب میں بھی شرکت کی' جو پاکستان اور مسلح افواج دونوں کے لئے شرمناک بات تھی۔ یہ دراصل جنرل نیازی کے مورال کی موت تھی اس لحاظ سے اسکی ناکامی کی ذمہ داری مشرقی کمان پر ڈالی جاتی ہے مگر جی ایچ کیو کو بھی بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ کیمونیکیشن آخری وقت تک قائم تھا۔ اس لئے جی ایچ کیو کے ساتھ دوسرے سینئر افسروں میجر جنرل ایم رحیم خان' میجر جنرل محمد جمشید اور کچھ بریگیڈیئروں کی مذمت ہی نہیں کرتے بلکہ تمام فوجی افسر جن کی جنگ سے تھوڑی دیر قبل یا بہت پہلے تقرری کی گئی تھی سب اس کے ذمہ دار ہیں۔ آخر میں یہ بات کہنا پسند کریں گے کہ چند اعلیٰ افسران کے سوا افسروں اور جوانوں کی بڑی تعداد نے یہ فیصلہ ڈسپلن کے تحت کیا حالانکہ ان افسروں اور جوانوں کی بڑی تعداد آخری دم تک لڑنا چاہتی تھی۔ ان کی بہادری کو دشمن نے بھی خراج تحسین پیش کیا۔ پیشہ ورانہ طور پر اس ساری کہانی کے ذمہ دار چند سینئر کمانڈر ہیں۔ ہمیں یہ بھی پتہ چلا ہے کہ کمانڈر ایسٹرن کمان اور ان کے چیف آف سٹاف بریگیڈیئر باقر صدیقی نے ہتھیار تباہ کرنے کے عمل پر جان بوجھ کر عملدرآمد نہ کیا جس سے پاکستان کا بہت سا اسلحہ اور گولا بارود بھارت کے ہاتھ لگ گیا۔

(اس رپورٹ کا مکمل انگریزی متن کتاب کے آخری حصے میں دیا جا رہا ہے)

ہماری بدبختی کی انتہا ہے کہ ملک کو دولخت کرنے والے سانحے کے حوالے سے گزشتہ 29 سال سے ہماری حکومتوں کے منہ پر تالا لگا ہے لیکن غیر ملکی ذرائع ابلاغ سے ہمیں یہ رپورٹ پڑھنے

کو ملی۔

دشمن اور پھر بھارت جیسا دشمن کب قابل اعتبار ہے۔ یہ رپورٹ وہاں تک کیسے پہنچی۔ ان حالات میں کیوں شائع ہوئی اور اس میں سچ کتنا ہے ملاوٹ کتنی؟ کیا دشمن کے حوالے سے آنے والا سچ قابل اعتبار ہے یا نہیں۔

حقیقت پر اس وقت تک پردہ پڑا رہے گا جب تک حقائق سے پردہ اٹھانے کے ذمہ داروں نے اس مسئلے کی سنگینی کا احساس نہ کیا۔

میں نے اس کتاب میں المیہ مشرقی پاکستان کے حوالے سے لکھی گئی بہت سی غیر ملکی مصنفین اور ماہرین کی تحریروں کو جہاں یکجا کیا ہے وہاں پاکستان کے قابل احترام اور درد دل رکھنے والے سیاسی اور فوجی ماہرین کی آراء بھی جمع کی ہیں۔

مجھے امید ہے ان تحریروں کا مطالعہ اس المیے کے اسباب جاننے میں آپ کی معاونت کرے گا۔ اور پاکستان کی مختصر تاریخ جاننے والوں کے لئے یہ کتاب ہمیشہ ایک ریفرنس کا کام دے گی۔ میں اس کوشش میں کس حد تک کامیاب رہا ہوں اس کا فیصلہ آپ نے ہی کرنا ہے۔

خدا کرے وہ دن بھی آئے جب ہم اس سانحے کے حقیقی اسباب سے پردہ اٹھائیں اور قوم شرمناک انجام سے دوچار کرنے والے غداروں کو کیفر کردار کو پہنچتا دیکھیں۔

کتاب کے آخری حصے میں کچھ نایاب تصاویر بھی شامل ہیں۔ یہ تصاویر میرے پاس تاریخ کی امانت تھیں جو میں اپنی قوم کے ان دردمندوں کو لوٹا رہا ہوں جو اپنے ماضی کی کوتاہیوں سے سبق سیکھ کر مستقبل کو روشن کرنے کے آرزومند ہیں کیونکہ بقول اقبال

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

طارق اسمٰعیل ساگر

ستمبر 2000ء لاہور

حادثے کی کہانی ——— حادثات کی زبانی

"بین الاقوامی مطالعاتی ادارہ برائے جنگی حکمت عملی" کے لئے رابرٹ جیکسن نے SOUTH ASIAN CRISIS "جنوبی ایشیا کا بحران" لکھی تھی۔ جس میں بھارت پاکستان اور بنگلہ دیش کے حالات سے بحث کی گئی ہے۔ بلا شبہ فاضل مصنف نے بڑی محنت اور جانفشانی سے بہت اہم حقائق جمع کئے اور انہیں صفحہ قرطاس پر بکھیرا۔ البتہ مفروضے قائم کرنے میں اس نے جا بجا ٹھوکر کھائی کیونکہ بھارتی مداخلت سے شروع ہونے والا بھیانک عمل تو ابھی جاری ہے اور 15 اگست 75ء کو بنگلہ دیش میں آنے والے انقلاب نے اس مفروضے کا بطلان بھی پیش کر دیا۔ رابرٹ جیکسن آل سولز کالج کا فیلو اور رسالہ "دی راؤنڈ ٹیبل" (دولت مشترکہ کا رسالہ برائے بین الاقوامی امور) کا مدیر بھی رہا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ المیہ سقوط ڈھاکہ کی مختلف کڑیوں سے واقفیت حاصل کرنے میں بہت معاون ثابت ہوا ہے۔ ڈھکے چھپے واقعات کے کئی گوشے نمایاں ہو چکے ہیں اور اسرار کی تہوں میں لپٹے بہت سے حقائق بے نقاب ہوئے ہیں۔

اس کتاب کا بنیادی مقصد جنوبی ایشیا کی حالیہ تاریخ میں نو ماہ پر پھیلے ہوئے حادثے کی کہانی کا بیان ہے' اس سلسلے میں نوفیلڈ فاؤنڈیشن کا شکر گزار ہوں جن کی مالی امداد کے سبب مارچ' اپریل 1972ء میں بھارت' پاکستان اور بنگلہ دیش کا دورہ کر سکا۔ جنگ کے بیان پر جو حصہ مشتمل ہے اس کے دو ماخذ ہیں ایک تو ذاتی معلومات جو میں نے پاکستان بھارت اور بنگلہ دیش میں مختلف اصحاب سے ملاقاتوں کے بعد حاصل کیں اور دوسرے بھارت کی تین کتب یعنی بھارتی وزارت دفاع کی سالانہ رپورٹ 72-1971ء دلیپ مکرجی کی تصنیف یحییٰ خان کی آخری جنگ اور میجر جنرل ڈی کے پالٹ کی دی لائٹنگ کمپین' اس کتاب کی تیاری میں بے شمار اخبارات و رسائل کے علاوہ میں نے جن کتب سے استفادہ کیا ان میں سید شریف الدین پیرزادہ کی تصنیف دی فاؤنڈیشنز آف پاکستان رش بروک ولیم کی دی ایسٹ پاکستان ٹریجیڈی' کلیم صدیقی کی کنفلکٹ کرائسس اینڈ واران پاکستان جے ای نانک کی انڈیا' ایشیا' چائنا اینڈ بنگلہ دیش' کے سیرانیم کی بنگلہ دیش اینڈ

انڈیاز سکیورٹی اے ایچ کاروار کی پیپلز کمٹمنٹ' قاضی احمد کمال کی شیخ مجیب الرحمٰن اینڈ برتھ آف بنگلہ دیش حکومت پاکستان کا "وائٹ پیپر آن دی کرائسس ان ایسٹ پاکستان" مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی دی گریٹ ٹریجیڈی اور ڈیوڈ لوشاک کی تصنیف پاکستان کرائسس بھی شامل ہیں۔

1919ء اور پھر 1935ء میں حق رائے دہی میں توسیع کے بعد بنگالی مسلمانوں کے متوسط طبقے کو حکومت کے ایوانوں تک رسائی حاصل ہوئی 1937ء کے انتخابات میں بنگالی مسلمانوں کی نمائندگی دو جماعتوں نے کی' ایک مولوی فضل الحق کی کرشک پرجا پارٹی اور دوسرے مسلم لیگ' جس کی قیادت بنگال میں خواجہ ناظم الدین کر رہے تھے 1937ء سے 1941ء تک بنگال میں مسلمانوں کی مخلوط حکومت رہی' مولوی فضل الحق نے آل انڈیا مسلم لیگ کی پالیسی کی حمایت کی یقین دہانی کرائی' تو مسلم لیگ نے ان کی صوبائی وزارت کی پشت پناہی کی مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور میں بنگال کے مولوی فضل الحق نے مارچ 1940ء میں قرارداد پاکستان پیش کی تھی۔

اس کی عبارت میں قدرے ابہام تھا۔

دسمبر 1941ء میں انہیں مسلم لیگ سے خارج کر دیا گیا لیکن موصوف 1943ء تک وزیر اعلیٰ رہے کیونکہ مسلم لیگ سے اخراج کے بعد ہندو جاگیرداروں اور تاجروں نے ان کی حمایت شروع کر دی تھی۔ 1943ء میں بنگال میں زبردست قحط پڑا جس میں بیس لاکھ انسان لقمہ اجل بنے۔ اسی اثناء میں مسلم لیگ کو بنگال میں زبردست مقبولیت اور اثر ورسوخ حاصل ہو گیا۔ نومبر 1945ء کے انتخابات میں لیگ نے سارے ملک میں مسلمانوں کے ووٹ حاصل کئے اور مارچ 1946ء میں جب بنگال میں صوبائی انتخابات منعقد ہوئے تو لیگ نے 96 فیصد مسلم نشستیں حاصل کر لیں اور صوبائی اور قومی وفاداریوں کی چپقلش کا خاتمہ ہو گیا۔

ہندوستان کے مسلمانوں کے مذہبی اور ثقافتی تشخص کے اظہار کے نتیجے میں تصور پاکستان نے جنم لیا تھا' بنگال کے رہنے والے جناب حسین شہید سہروردی نے اپریل 1946ء میں وہی کردار ادا کیا جو 1940ء میں مولوی فضل الحق نے کیا تھا۔ اس سال دلی میں مسلم لیگ کے منتخب شدہ ارکان کا کنونشن ہوا جس میں جناب سہروردی نے ایک قرارداد پیش کی جو غیر مبہم تھی۔ اس میں پاکستان کی ایک آزاد اور خودمختار ریاست کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ قرارداد کے مطابق یہ ریاست شمال مشرق میں بنگال اور آسام اور شمال مغرب میں صوبہ سرحد' سندھ' پنجاب اور بلوچستان کے علاقوں

پر مشتمل تھی۔ قیام پاکستان کے بعد جوں ہی قتل وغارت گری اور افراتفری کا خاتمہ ہوا تو ایک ایسے دستور کی تلاش شروع ہوئی جو سب کے لئے قابل قبول ہو۔ انگریزی راج نے دو چیزیں ورثے میں چھوڑی تھیں۔ ایک تو وائسرائے کے تحت مضبوط مرکزی حکومت جس کا ڈھانچہ 1919ء اور 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں موجود تھا اور یہ ایکٹ عارضی طور پر پاکستان میں نافذ تھے۔ دوسرے پارلیمانی جمہوریت کی روایت جو 1935ء کے ایکٹ کے تحت صوبوں میں موجود تھی ان صوبوں میں بنگال سیاسی لحاظ سے زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ مضبوط مراکز اور صوبوں (پارلیمانی جمہوریت کے دونوں ورثوں) کی آپس کی کشمکش کو حل کرنا بھی ایک مسئلہ تھا اب ایک اور مسئلہ پیدا ہو گیا اور وہ یہ کہ پاکستان کی نئی مملکت میں ان اسلامی تصورات کی تشریح کی جائے جن پر دو قومی نظریئے کی بنیادیں استوار تھیں۔

یہ مسئلہ فلسفہ سیاست کی موشگافی کا نہ تھا۔!!!

پاکستان کے دونوں بازوؤں کے دستوری تعلقات میں اسے نہایت اہمیت حاصل تھی' اگرچہ مشرقی پاکستان میں مسلم آبادی کی کثرت تھی' مگر وہاں بیس فیصد لوگ غیر مسلم تھے اور اگر خالصتاً مسلمانوں کی آبادی کو پیش نظر رکھا جائے تو مغربی بازو کو اکثریت حاصل تھی۔ وائسرائے اور مسلم لیگ کے مابین 1905ء میں شملہ سمجھوتے کے تحت قرار پایا تھا کہ مسلمانوں کو جداگانہ حق انتخاب دیا جائے گا۔ اگر پاکستان میں جداگانہ طریق انتخاب کو رائج رکھا جاتا' تو بنگالی مسلمان اقلیت میں تبدیل ہو جاتے' جداگانہ طریق انتخاب سے انحراف کی صورت میں بنگالیوں کو مستقلاً اکثریت حاصل رہتی اور اس اکثریت کے لئے دونوں حصوں کی یکساں نمائندگی پر اتفاق کر لیا گیا۔ یہ حل 1956ء کے دستور میں موجود تھا۔ اس کا ایک پہلو یہ تھا کہ ایک ہی قوم میں مساوی حیثیت کے دو حقدار گروہ موجود ہیں۔ دوسرا پہلو یہ تھا کہ یکساں نمائندگی کے اصول پر عمل درآمد کے لئے مغربی بازو کے چار صوبوں اور دس ریاستوں پر مشتمل مغربی پاکستان کے صوبے کی تشکیل عمل میں لانا پڑی جس سے مغربی بازو میں پنجاب کو غالب پوزیشن حاصل ہو گئی۔

1949ء کے بعد مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کو زوال آ گیا۔ صوبائی مفادات کو عزیز رکھنے والے سیاستدان پھر میدان جنگ میں کود پڑے' نئی نسل کی مدد سے انہوں نے نئی جماعتیں بنا لیں۔ ان لوگوں میں ایک بہت ہی اہم شخصیت شامل تھی ہمارا مطلب شیخ مجیب الرحمان سے ہے جو

جناب حسین شہید سہروردی کی عوامی لیگ کا جنرل سیکرٹری تھا۔ بنگالی قومیت کی نشو ونما پر زبان کے مسئلے میں پیش آنے والے 1952ء کے فسادات پر بڑا اثر ڈالا۔ جوں ہی خواجہ ناظم الدین نے قائداعظم کے فرمان پر لبیک کہتے ہوئے اعلان کیا کہ اردو پاکستان کی واحد قومی زبان ہوگی فسادات کا آغاز شروع ہوگیا۔ دو سال بعد صوبائی انتخابات ہوئے تو مسلم لیگ کی قوت نقش بر آب ثابت ہوئی اور فتح نے متحدہ محاذ کے قدم چومے یہاں یہ تذکرہ بے جانہ ہوگا کہ 1954ء تک پاکستان دستور سے محروم تھا۔

مارچ 1954ء کے انتخابات کے بعد متحدہ محاذ میں مزید پھوٹ پڑ گئی۔ فضل الحق وزیر اعلیٰ بنے تو تھوڑے عرصے بعد انہوں نے کلکتہ جا کر مشرقی اور مغربی بنگال کے اتحاد کے سلسلے میر جذباتی تقریر کر ڈالی۔ مرکز نے فی الفور اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے صوبائی کابینہ کو برطرف کر کے گورنر راج نافذ کر دیا۔ پاکستان کی تاریخ کا یہ اولین عظیم دستوری بحران تھا جو 1947ء کی قائم شدہ دستور ساز اسمبلی کی تحلیل پر منتج ہوا۔ فوجی حکومت کے قیام کی دھمکی دے کر مختلف حلقہ ہائے فکر کے نمائندوں پر مشتمل کابینہ بنائی گئی جس کے بعد دستور کی تشکیل کے لئے ماہرین پر مشتمل ایک کمیشن کا اعلان کر دیا گیا۔

وزیر قانون جناب حسین شہید سہروردی اس کمیشن کے چیئرمین تھے۔ اس کمیشن نے ون یونٹ اور مساوی نمائندگی کی بنیاد پر 1956ء کے دستور کی عمارت تعمیر کی مشرقی پاکستان کے سیاسی قائدین نے اس دستور کو قبول کر لیا۔ سہروردی مرحوم کے دست راست شیخ مجیب نے دستور کے مسئلے پر اپنے قائد کا بھرپور ساتھ دیا' مگر مجوزہ اقدامات کے تحت انتخابات ہی منعقد نہ ہوئے۔ 1956ء کے بعد مرکز میں سازشوں نے مزید تقویت پکڑ لی۔ اکتوبر 1958ء میں سکندر مرزا نے دستور پر بیک جنبش قلم خط تنسیخ کھینچ ڈالا۔ ایوب خان نے اسے بیک بینی و دو گوش ایوان صدر سے باہر نکال پھینکا اور اس طرح فوج نے عنان اقتدار سنبھال لی۔ 1962ء میں ایوب خان نے نیا دستور بنایا۔ صدارتی طرز حکومت میں دونوں بازوؤں کے بی ڈی ممبروں کو انتخابی اختیارات مساوی نمائندگی کی بنیاد پر دیئے گئے۔ مشرقی پاکستانیوں کے احساس محرومی کا کوئی مداوا نہ کیا گیا۔ قومی اور صوبائی اسمبلیاں مغربی پاکستان میں واقع صدر کی انتظامیہ کے ماتحت ہو کر بے وقعت ہو گئیں۔ عشرہ ترقی کے دوران میں دونوں بازوؤں کے سماجی اور سیاسی اختلافات معیشت کے فرق

کی صورت میں ابھرے مشرقی پاکستان کے لوگ اپنے علاقے کے اندرونی نوآبادی تصور کرنے لگے۔

یہاں یہ عرض کرنا بے جانہ ہوگا کہ مشرقی پاکستان کا علاقہ کئی صدیوں سے پسماندگی کا شکار ہو رہا ہے' یہ تجارت کی شاہراہ سے دور واقع ہے' یہاں قدرتی ذخائر کا فقدان ہے' آبادی میں نہایت تیزی سے اضافہ ہوتا جا رہا ہے' 1947ء سے پیشتر سالہا سال تک یہ علاقہ معیشت کے اعتبار سے کلکتے میں مقیم جاگیرداروں کی پشت پناہ رہا۔ 1947ء کے بعد سلہٹ کے گرد چائے کے باغات انگریز کمپنیوں اور کلکتہ کی ہندو فرموں کے زیر تصرف رہے مشرقی پاکستان کے کارخانوں میں استعمال ہونے والی اشیا وسیع پیمانے پر مغربی بنگال میں تیار ہوتی تھیں۔

مشرقی بنگال میں پیدا ہونے والی پٹ سن مغربی بنگال کے کارخانوں سے گزر کر برآمد ہوتی تھی۔ آزادی کے بعد اور بالخصوص ایوب خان کے عہد میں ہونے والی تیز رفتار معاشی ترقی کے بعد مشرقی پاکستان کا انحصار مغربی بنگال پر نہ رہا۔ اب مغربی پاکستان دوسرے بازو کی ضروریات پوری کرنے لگا۔ مغربی پاکستان نے معاشی میدان میں لیڈر اور منتظم پیدا کئے مون سون کی بہتات' دریاؤں کی کثرت' ذرائع نقل و حمل کی قلت اور انتظامی کمرشل ڈھانچے کی کمزوری' یہ وہ وجوہات تھیں جن کی بناء پر مشرقی پاکستان ترقی سے محروم رہا۔ مغربی پاکستان کی آب و ہوا خشک ہے۔ یہ علاقہ موقع پر واقع ہے' مشرق وسطیٰ اور جنوب ایشیاء کا نقطہ اتصال ہے۔ اگست 1947ء کے بعد بھارت سے آنے والے مہاجرین نے مغربی پاکستان کو اپنی مہارت' تجربے اور وسائل سے مالا مال کر دیا تھا' لہٰذا مشرقی پاکستان کے مقابلے پر مغربی پاکستان نے نہایت سرعت سے ترقی کی۔

مختلف وجوہات کی بناء پر جو بے وزن نہیں مغربی علاقے کو معاشی منصوبہ بندی اور ترقیاتی کاموں میں اہمیت بھی دی گئی۔ 60-1959ء میں مغربی پاکستان کی فی کس آمدنی مشرقی پاکستان کی نسبت 32 فیصد زیادہ تھی۔ آئندہ عشرے کے دوران مغربی پاکستان میں سالانہ ترقی کی شرح 6.2 فی صد تھی جب کہ مشرقی پاکستان میں یہ شرح 4.2 سے زائد نہ رہی۔ چنانچہ 70-1969ء میں مشرقی پاکستان کی نسبت مغربی پاکستان کی فی کس آمدنی 61 فیصد زائد ہو گئی تھی۔ مشرقی پاکستان کے لوگ اس صورت حال کو صحیح تناظر میں دیکھنے پر آمادہ نہ تھے۔ دراصل یہ ان غیر موافق حالات کا ناگریز نتیجہ تھا۔ جن سے مشرقی پاکستان دوچار تھا۔

وہ کہتے تھے کہ ملکی اور غیر ملکی سرمائے کا ارتکاز مغربی پاکستان میں ہو رہا ہے۔ جب کہ مشر
پاکستان کے حصے میں 55-1950ء میں سرمایہ کاری 20 فی صد تھی اور 1965ء تا 1970ء میں
شرح صرف 36 فیصد ہوئی۔ وہ الزام لگاتے تھے کہ چوں کہ اقتصادی انتظامات تمام تر مرکز
حکومت کے اختیار میں ہیں۔ مشرقی پاکستان کا حاصل کردہ زرمبادلہ بھی مغربی پاکستان میں خر
ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں ان کا کہنا تھا کہ مشرقی پاکستان کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ مہنگے داموں ما
مغربی پاکستان سے ہی خریدے' انہیں یہی مال سستے داموں کسی اور جگہ سے خریدنے کا اختیار نہیں
مشرقی پاکستانیوں کو ایک شکایت یہ بھی تھی کہ بیوروکریسی اور فوج کے اعلیٰ عہدوں پر مغر
پاکستانیوں کا بھاری غلبہ ہے۔

علاقائی اور لسانی معاملات کے علاوہ اب انہوں نے مشرقی پاکستان کی اقتصادی محرومی کے
مداوے کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ وہ حالات جب 1966ء میں شیخ مجیب الرحمان کی عوامی لیگ
نے چھ نکاتی منشور مرتب کیا' اس کا مقصد مشرقی پاکستان کے لئے اقتصادی اور سیاسی خودمختار
حاصل کرنا تھی۔ مرکز کے پاس فقط خارجہ اور دفاع کے امور رہ جاتے اور اسے اقتصادی کنٹرول
تجارت' ٹیکس اور غیر ملکی امداد سے کوئی سروکار نہ ہوتا۔

عشرۂ ترقی کے آخر میں مشرقی اور مغربی پاکستان کا ہر شخص سیاسی معاملات میں بزعم خ
بقراط بن بیٹھا تھا۔ 1965ء کی کے بعد صدر ایوب کی حکومت قدرے کمزور پڑ گئی تھی۔ جنا
ذوالفقار علی بھٹو اور انکی پارٹی نے اس کمزوری کا فائدہ اٹھایا معاہدہ تاشقند کے بعد جناب بھٹو
وزارت خارجہ سے استعفیٰ دے دیا۔ عوام کے لئے سماجی انصاف اور بھارت سے مسلسل مقابلہ کے
موضوعات کو اپنا کر اپنی پوزیشن کو مستحکم کیا۔ بالآخر 1968ء میں جانشینی کا بحران پیدا ہوا۔ صد
ایوب اچانک بیمار پڑ گئے مغربی پاکستان میں طلباء کے ہنگامے اور عام مظاہرے شروع ہو گئے مسٹ
بھٹو کے ارادت مندوں میں اضافہ ہوا ہنگامے مشرقی پاکستان میں بھی پھیل گئے۔

شیخ مجیب کے خلاف اگرتلا سازش کیس کے خاتمے کی تحریک شروع کی تھی۔ 1969ء کے
آغاز میں ایوب خان نے گول میز کانفرنس بلائی جس میں مجیب نے بھی شرکت کی مگر کانفرنس ناکا
ہو گئی حالات اس حد تک دگرگوں ہو گئے کہ 26 مارچ 1969 کو ایوب خان نے اقتدار جنرل یحی
خان کے سپرد کر دیا اور اس طرح پاکستان میں گردش ایام اکتوبر 1958ء کی طرف لوٹ گئی جب

لی بار مارشل لا نافذ ہوا تھا۔

ایوب خان کے جانشین نے 1956ء کے دستور کو رد کرتے ہوئے 1947ء کی سی صورت
ل کر دی یعنی نئی دستور ساز اسمبلی منتخب ہو' منتخب نمائندے دستور بنائیں اور پھر اقتدار ان کے سپرد
ر دیا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ آزاد انتخابات کے بعد عوامی نمائندے تصور پاکستان سے سرمو
راف نہ کریں گے اسی چیز کو اس نے لیگل فریم ورک آرڈر مجریہ 28 مارچ 1970ء میں پیش نظر
ھا۔ اگرچہ مذکورہ آرڈر کی شرائط کو سب نے تسلیم کیا تاہم یہ ظاہر تھا کہ اس کی شقوں پر متفقہ
ملدرآمد میں مشکل پیش آئے گی بشرطیکہ انتخابات کے واضح نتائج برآمد ہوں۔ غیر واضح نتائج کی
ورت میں سیاسی پیش رفت کا حق اور طاقت کا توازن مارشل لاء حکام کے ہاتھ میں رہنا تھا شاید
شل لا حکام نے کچھ ایسی صورت حال کا اندازہ لگایا تھا۔ مگر یہ امید نقش برآب ثابت ہوئی۔ دفعتاً
رقی پاکستان کو قیامت خیز طوفان نے آلیا۔

یہ حادثہ نومبر 1970ء میں پیش آیا۔ اس وقت انتخابی مہم قریب الاختتام تھی اس حادثے کے
ران میں انتظامیہ نے سخت نااہلی کا ثبوت دیا مغربی پاکستان کی طرف سے بھی گرمجوشی کا مظاہرہ
ہوا اور ان حالات میں شیخ مجیب کا پروپیگنڈا لوگوں کے ذہنوں میں سرایت کر گیا۔ عین آخری
ہے میں مولانا بھاشانی کی نیشنل عوامی پارٹی نے انتخابات سے کنارہ کشی کر کے عوامی لیگ کو حد درجہ
تقویت پہنچائی۔

ان حالات میں شیخ مجیب کی عوامی لیگ کو بے نظیر کامیابی حاصل ہوئی۔ اس نے قومی اسمبلی
ل 313 نشستوں میں سے 127 نشستیں جیت لیں۔ مغربی پاکستان میں اسے ایک بھی نشست
لی مگر مشرقی پاکستان میں دو سیٹوں کے علاوہ تمام پر عوامی لیگ کا قبضہ ہو گیا۔ مسٹر بھٹو کی پیپلز پارٹی
نے مغربی بازو میں 58 نشستیں جن کا زیادہ تر تعلق پنجاب اور سندھ سے تھا حاصل کیں۔ حق بالغ
اے دہی کی بنیاد پر پاکستان میں منعقد ہونے والے پہلے عام انتخابات میں اسلام پسندوں کو سخت
ریمت کا سامنا کرنا پڑا۔

انہیں مشرقی پاکستان میں سات فیصد سے بھی کم ووٹ ملے۔ مسٹر بھٹو کی کامیابی سے یہ ظاہر
وا کہ لوگ معاشرے میں اصلاحات کے طالب ہیں۔ مغرب کی علاقائی جماعتوں بالخصوص غفان
لی خان کی نیشنل عوامی پارٹی کو اپنے گھر یعنی صوبہ سرحد اور بلوچستان میں بھی خاطر خواہ کامیابی

حاصل نہ ہوئی۔ اس کے مقابلے میں مشرقی پاکستان میں علاقائیت کے ساتھ ساتھ معاشر
اصلاحات کی تمنا کا اظہار بھی ہوا۔ عوامی لیگ کے چھ نکات چار سال قبل اپنائے گئے تھے اور ا
انتخابات سے قبل یہ تاثر تھا کہ قومی اسمبلی میں شیخ مجیب انہیں الہامی تقدس نہ دیتے ہوئے ان
جہاں تک تفصیلات کا تعلق ہے گفت وشنید پر آمادہ ہو جائیں گے کیونکہ ان پر سختی سے عمل درآ
سے بلا شبہ ایک اور فقط ایک نتیجہ برآمد ہوتا اور وہ مغرب سے مشرق کی علیحدگی کہا جاتا ہے۔
انتخابات میں عوامی لیگ کو جو مکمل اکثریت حاصل ہوئی اس نے مجیب کی آزادی عمل کو محدود کر د
تھا۔

مشرقی پاکستان میں انتخابات کے ذریعہ منظور شدہ عوامی لیگ کے پروگرام سے انحراف کے
خلاف عوامی لیگ اور بنگالی حلقوں میں سخت مزاحمت تھی' اس معاملے میں طلباء پیش پیش تھے اور و
شیخ مجیب کا بہت بڑا سیاسی سہارا تھا اس غیر تحریری اور بے آواز معاہدے کو بھی پیش نظر رکھنا ضرور
تھا جو مضبوط مرکز کے قیام کے خلاف مشرقی پاکستان کی عوامی لیگ اور ولی خان نیشنل عوامی پار
کے علاوہ مغربی پاکستان کی دیگر صوبائی جماعتوں میں ہو چکا تھا اس معاہدہ کی بنیاد ہی پر عوامی لیگ
پاکستان گیر تحریک چلا سکتی تھی۔ اس پیچیدہ سیاسی صورت حال میں فوج اور مارشل لاء انتظامیہ
غالب قوت حاصل تھی۔

فوجی حکومت کا سیاسی نظام بہت زیادہ مرکزیت پسند تھا اور 1929ء ہی سے یحییٰ خان نے
ایک دوسرے کی دست نگر سول اور فوجی طاقت کے وسیع نظام میں سربراہ کی حیثیت سے اپ
پوزیشن کو مضبوط بنالیا تھا' اس سے قبل پاکستان میں اختیارات کی اس طرح ہمہ گیر پیوستگی نہ تھی اس
کی ذات طاقت کا سرچشمہ تھی اس نے 1968ء سے کمانڈر انچیف کی وردی پہن رکھی تھی۔

مارچ 1969ء میں اس نے چیف لاء ایڈمنسٹریٹر کی ٹوپی اوڑھ لی اور صدر پاکستان کی کرسی پ
قبضہ کرلیا۔ ہاتھ میں فوج افواج کے سپریم کمانڈر کا ڈنڈا پکڑ کر امور خارجہ کا قلمدان وزارت اپنی میز
پر سجالیا اور دفاع کی تلوار اپنی میان میں اڑس لی فوجی اور غیر فوجی انتظامیہ کا متوازی نظام اسکے
پرنسپل سٹاف افسر جنرل پیرزادہ کے ذریعے اس کے آگے سجدہ ریز تھا تاہم یہ سیاسی اور انتظا
ڈھانچے وحدت فکر سے عاری تھے' اسکے باوجود کہا جاتا ہے۔ اس کے اختیارات لامحدود نہ تھے او
یہ لامحدودیت انتظامیہ کے مختلف عناصر کی باہمی رقابتوں میں منعکس ہوتی تھی جن میں سے بعض

وصلہ افزائی بلا شبہ جان بوجھ کر کی جاتی تھی تاکہ یحییٰ خان کے ہاتھ مضبوط رہیں۔

جنرل پیرزادہ کے سٹاف آفس کا تو نیشنل سکیورٹی کونسل کی صورت میں موجود تھا جو میجر
ل عمر کے ماتحت تھی اور وہ دو حریف خبر رساں اداروں کا سربراہ تھا ان میں سے ایک ادارہ یعنی
جنس بیورو ایک غیر فوجی کے ماتحت تھا اور دوسرا ادارہ یعنی انٹر سروسز انٹیلی جنس میجر جنرل اکبر
ماتحت تھا۔

ان دونوں خبر رساں اداروں کے سربراہوں کو صدر تک بلا واسطہ رسائی حاصل تھی صوبائی سطح
ی اس طرح کا مسابقتی نظام رائج تھا۔ فوجی گورنر اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر ایک دوسرے کے
ف بنا دیئے گئے تھے اور ان دونوں کو بھی صدر تک براہ راست رسائی حاصل تھی' یہ سیاسی نظام
ل 1969ء سے دسمبر 1971ء تک رائج رہا اور اس کا مقصد نہ انتظامی سہولت تھا نہ فوجی کار
دگی کو جلا بخشنا بلکہ اس کا مطمع نظر رائج کنندہ کی ذات کو سیاسی حفاظت مہیا کرنا تھا' سیاسی
امات کرنے کیلئے صدر کو اس نظام سے بڑی قوت حاصل ہوئی لیکن اس کے ساتھ ہی طاقت
ارتکاز نے فوج کے اعلیٰ افسران کو خاصا اثر و رسوخ بخشا ان سے خیالات کے تین چشمے
ٹے۔

یحییٰ خان نے درمیانی راستہ اختیار کر رکھا تھا۔ وہ شاید اب بھی چاہتا تھا کہ اقتدار شیخ مجیب کو
ل کردے یہ انتقال ایسے انتظام کے تحت ہو کہ خود اسے صدارت کے عہدے پر رہنے دیا جائے
نوج کی طاقت اور پوزیشن کے لئے خاص اہتمام کرلیا جائے۔ مشرقی پاکستان کے گورنر ایڈمرل
ن کی پالیسی بھی یہی تھی۔ اور اس نے شیخ مجیب کا اعتماد حاصل کرلیا تھا۔ دائیں طرف بعض لوگ
،۔ یہ لوگ شیخ مجیب کے علیحدگی پسند رجحانات کے سخت خلاف تھے اور وہ مسٹر بھٹو کے جمہوری
نلزم کو بھی ناپسند کرتے تھے یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ مشرقی پاکستان کے نومبر 1970ء کے
فان کے بعد ان لوگوں کے یہ کوشش کی تھی کہ انتخابات ہی نہ ہوں۔

یہ لوگ ان اقدامات کے مخالف تھے جن سے مرکز کی قوت' فوج کی طاقت اور نظریہ
ستان کو ضعف پہنچنے کا احتمال ہو کچھ لوگ بائیں طرف تھے یہ لوگ مسٹر بھٹو کی خطابت پر فدا تھے اور
تمام اقدامات کے مخالف تھے جن سے پاکستان کے مفادات کو گزند پہنچنے کا اندیشہ ہو دائیں
یں اور وسطی افکار کے جمگھٹے میں دائیں اور بائیں کا کلی میلان اس پر امر ہو گیا کہ مرکزی حکومت

اپنے اختیارات کی بحالی کے لئے سخت اقدامات کرے اور علیحدگی پسند بنگالیوں کو کوئی رعا
دی جائے۔

انتخابات کے بعد مرکز کے پاس اپنی طاقت کے اظہار کے لئے مواقع کی کمی نہ تھی
مجیب کی پارلیمانی اکثریت کی کوئی اہمیت نہ تھی جب تک صدر اپنے استحقاق کو بروئے کا
ہوئے قومی اسمبلی کا اجلاس طلب نہ کرے' مسٹر بھٹو نے مطالبہ کیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس
کرنے سے پہلے دستوری خاکے پر اتفاق رائے ہونا چاہیے۔ مجیب کو قومی اسمبلی میں ا
حاصل تھی جس کے بل پر وہ چھ نکات کی بنیاد پر دستور سازی کر سکتا تھا مگر مجوزہ اتفاق را
صورت میں اسے چھ نکاتی منشور سے پسپائی اختیار کرنا پڑتی اس سلسلے میں عوامی لیگ نے
کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ رویہ اسے ناگریز طور پر تضاد کی سمت لے جا رہا تھا عوامی لیگ یہ
کر رہی تھی کہ وہ جمہوری طریقے پر منتخب شدہ اکثریتی پارٹی ہونے کی حیثیت سے پاکستا
لئے مرکز سے قطعاً عاری دستور کو نافذ کرنے کا حق رکھتی ہے۔

جنوری 1971ء میں یحییٰ ڈھاکہ گیا۔ ممکن ہے کہ وہ اس تلاش میں نکلا ہو کہ فوج کے
اور خود اپنے مستقبل کے بارے میں مجیب سے کوئی سمجھوتہ ہو جائے چھ نکات سے متعلق یحییٰ
نظر مبہم رہا۔ مگر وہ اس خیال سے اتفاق رکھتا تھا کہ جب تک دونوں بڑی جماعتوں میں دس
متعلق کوئی پیش رفت نہ ہو جائے اسمبلی کا اجلاس منعقد نہ ہو۔ واپسی پر یحییٰ نے مجیب کو مس
وزیر اعظم کہا۔ جنوری کے آخری ایام میں مسٹر بھٹو خود شیخ مجیب سے ملے' مگر شیخ نے ان کی
مانی' اب تک اسمبلی کے اجلاس کے لئے کسی تاریخ کا تعین نہ ہوا تھا۔ مغربی پاکستان میں'
اور صدر کے درمیان کئی بار گفت وشنید کے بعد 13 فروری کو اعلان ہوا کہ اسمبلی کا اجلاس 3
ہو گا مگر مسٹر بھٹو نے فی الفور اعلان کر دیا کہ ان کی پارٹی اجلاس میں نہ جائے گی جب تک د
خاکے پر اتفاق رائے ہے سلسلے میں پیشگی گفتگو کے لئے مجیب رضامند نہ ہو۔

فروری کے آخری دنوں میں مشرقی پاکستان کی طرف رازداری کے ساتھ فوجی کمک
کا آغاز ہو گیا 28 فروری کو مسٹر بھٹو نے اپنے حامیوں سے کہا کہ وہ مغربی پاکستان کے ارکا
کو ڈھاکہ نہ جانے دیں اور ساتھ ہی انہوں نے مغربی پاکستان میں ہڑتال کی دھمکی د۔
انہوں نے مطالبہ کیا کہ اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کیا جائے یا دستور سازی کے لئے ایک سو بی

قید اڑا دی جائے۔ یکم مارچ 1971ء کو ایک نئے عمل کا آغاز ہوا۔ اس روز ریڈیو پاکستان سے
خان کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کیا جاتا ہے
کے ساتھ ہی ایڈمرل احسن کو مشرقی پاکستان کی گورنری سے الگ کر کے میجر جنرل یعقوب کو
ورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنا دیا گیا۔ مشرقی پاکستان کے کئی مقامات پر سول نافرمانی کے
اہرے ہوئے اور جلوس نکالے گئے ڈھاکہ اور دوسرے شہروں میں گولی چل گئی' 3 مارچ سے
ب نے ہڑتالوں کا سلسلہ شروع کروا دیا۔

3 مارچ ہی کو شیخ مجیب نے صدر کی طلب کردہ گول میز کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا۔
لان کیا گیا کہ 7 مارچ کو ڈھاکہ کے ریس کورس گراؤنڈ میں مجیب ایک جلسہ میں تقریر کرے گا۔
م قیاس یہی تھا کہ اس جلسے میں شیخ مجیب بنگلہ دیش کی آزادی کا اعلان کر دے گا۔ جلسے سے ایک
ز قبل یحییٰ خان نے اعلان کیا کہ اس نے 25 مارچ کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے کا فیصلہ کر
ہے۔ یہ امکان بعید از قیاس نہیں کہ بنگالیوں سے سمجھوتے کی طرف مائل عناصر کا وزن اسلام
باد میں محسوس کیا گیا ہو۔

دوسری طرف یہ بھی ممکن ہے کہ مشرقی پاکستان میں لاقانونیت کی صورت میں جو شدید ردعمل
اس کا پیشگی اندازہ نہ کیا گیا ہو۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ مشرقی پاکستان کے حکام نے مشورہ دیا
کہ وہ ابھی عوامی لیگ کے خلاف طاقت آزمائی کے لئے پوری طرح تیار نہیں ہوئے۔ عوامی لیگ
ی قیادت نفسیاتی اور مادی طور پر نہ تیار تھی اور نہ آمادہ کہ وہ سول نافرمانی کے پروگرام کو یک طرفہ
علان آزادی کی منزل تک لے جائے۔

25 مارچ کے مجوزہ اجلاس میں شرکت کے لئے مجیب نے (4) چار شرائط پیش کیں جن کے
تیجہ میں دستور کے مصدق اور ثالث کے طور پر یحییٰ کی پوزیشن چیلنج ہو گئی اس کی یہ شرط کہ ''عوام
کے منتخب نمائندوں کو فی الفور اقتدار منتقل کر دیا جائے'' باضابطہ مطالبے کی حامل نہ تھی اور اس پر گفتگو
کے لئے خاصی گنجائش موجود تھی' اس میں یہ کنایہ پوشیدہ تھا کہ صدر لیگل فریم ورک آرڈر کے تحت
مبلی کی طلبی' دستور کی تصدیق اور اسمبلی پر ایک سو بیس یوم کی پابندی کے حقوق سے دستبردار ہو
جائے۔

9 مارچ کو اعلان کیا گیا کہ اسمبلی کے اجلاس کی تیاری کے سلسلے میں یحییٰ خان جلد مشرقی
اکستان جائے گا ہوائی جہازوں کے ذریعے ڈھاکہ میں فوجی کمک کا سلسلہ رواں رہا۔ بنگالیوں'

بہاریوں اور مغربی پاکستانیوں کے درمیان فسادات کا سلسلہ بھی جاری تھا مظاہرین پر گولیا
چلتی رہیں۔ یحییٰ سے ملاقات کے بعد پنجاب میں عوامی لیگ کے صدر محمد خورشید، شیخ مجیہ
ملاقات کے لئے عازم ڈھاکہ ہوئے۔ عوامی لیگ کی بعض ہدایت پر عمل کرنے والوں کے
بھاری جرمانوں کی سزاؤں کے احکامات مارشل لاء حکام کی طرف سے جاری ہوئے اور جب
مارچ کو صدر ڈھاکہ پہنچا تو عوامی لیگ کی طرف سے لوگوں کے لئے مزید پینتیس ہدایات کے
نے اس کا خیر مقدم کیا۔

کنفرنٹیشن (مقابلہ) کے اس ماحول میں مذاکرات کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ یہ
سا معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ خاں کی جانب سے ان مذاکرات میں نیک نیتی سے حصہ لیا گیا ہو
بات بھی خارج از امکان نہیں کہ یحییٰ بذات خود یہ آس لگائے بیٹھا ہو کہ مجیب سے قابل ا
سمجھوتہ ہو جائے گا۔ دوسری طرف یہ حال تھا کہ کچھ نکات سے کم پر مجیب کسی سمجھوتے پر تیا
کیونکہ عوامی لیگ کے ایک گروہ کی طرف سے اس پر خاصا دباؤ پڑ رہا تھا، اس مرحلے پر واضح
کہ یحییٰ خاں عوامی لیگ میں پھوٹ ڈال کر اپنا مقصد حل کرنا چاہتا ہے یا بنگالی علیحدگی پسندوا
خلاف فوجی کاروائی کی مکمل تیاری کے لئے وقت حاصل کرنے کا خواہش مند ہے۔

ان پیچیدہ اور حد درجہ مفصل مذاکرات میں آٹھ یوم صرف ہو گئے۔ ان مذاکرات کے
موضوعات یہ تھے (الف) ان انتظامات کی نوعیت جن کے تحت قومی اسمبلی کے اجلاس کا ا
اس سے قبل انتقال اقتدار ممکن ہے (ب) دستور کے پہلوؤں پر جن کا چھ نکات احاطہ کئے ہیں
لیگ کی پوزیشن کی مکمل تشریح (ج) اجلاس کے انعقاد کے موقع پر اسمبلی کی ہیئت، اب یہاں
سوال یہ تھا کہ اسمبلی کا متحدہ اجلاس ہو گا یا مغربی پاکستان کے ارکان دو الگ اجلا
کریں گے۔

یہ نازک مسئلہ جس نے بالآخر مذاکرات کے اختتام کے لئے حکومت کو جواز مہیا کیا
بھٹو نے یحییٰ خان کے قیام ڈھاکہ کے دوران میں اٹھایا۔ مسٹر بھٹو نے کراچی میں ایک تقریر
ہوئے کہا کہ اگر مجیب کی طرف سے عائد کردہ چوتھی شرط کے مطابق دستور کی تشکیل سے
انتقال اقتدار ہونا ہو تو اقتدار کی منتقلی دونوں بازوؤں کی اکثریتی پارٹیوں کو بیک وقت عمل م
جا ہئے 22 مارچ کو عوامی لیگ نے یہ بات تسلیم کر لی کہ اقتدار دونوں بازوؤں کی اکثریتی جما

کو منتقل کر دیا جائے۔ اس نے عوامی لیگ کو علیحدگی پسندی کے رجحانات کا ثبوت مہیا کر دیا۔

پہلے چند یوم زیادہ تر اس مسئلے پر مذاکرات ہوتے رہے کہ اسمبلی کے اجلاس سے قبل اقتدار
کیونکر اکثریتی جماعت کے سپرد کیا جائے۔ صدر کی طرف سے یہ دلیل دی جاتی رہی تھی کہ اس
طرح تو قانونی خلا پیدا ہو جائے گا کیونکہ اس انتقال اقتدار سے اسمبلی کی قانونی جانشینی اور مارشل
لاء کے ان اختیارات جن کے تحت انتخابات ہوئے اور اسمبلی کا قیام عمل میں آیا کے خاتمے میں
رخنہ پڑ جائے گا۔ اس موضوع پر خاصی بحث ہوتی رہی اور بالآخر جب یحییٰ نے اس بات کا اظہار
کیا کہ صدارتی اعلان کے ذریعے فوری انتقام اقتدار کا فارمولا اسے قابل قبول ہے تو عوامی لیگ
میں حیرت کی بجائے مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

22 مارچ کو اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ قومی اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کر دیا جائے تاکہ مذکورہ
صدارتی اعلان کی تیاری میں یحییٰ خاں کو کچھ وقت مل سکے، عوامی لیگ کے تیار کردہ مسودہ اعلان
میں یہ تجویز شامل تھی کہ آغاز ہی سے قومی اسمبلی کے دو الگ اجلاس ہوں، ایک مشرقی پاکستان کی
دستوری کمیٹی کا اور دوسرا مغربی پاکستان کی دستوری کمیٹی کا جیسا کہ پاکستان کے قرطاس ابیض میں
نشاندہی کی گئی ہے یہ تجویز اس پہلی تجویز سے مختلف تھی جس پر اتفاق ہو چکا تھا اور جس کے تحت قومی
اسمبلی کا متحدہ اجلاس ہونے کے بعد اسے دونوں بازوؤں کے ارکان میں مشتمل دو کمیٹیوں میں تقسیم
ہو جانا تھا۔ عوامی لیگ کی زیر بحث تجویز سے متعلق بعد میں حکام نے کہا کہ "یہ علیحدگی کے دستوری
فارمولے کے مترادف تھی۔"

اس دوران میں 23 مارچ کا دن آن پہنچا جو 1947ء سے دونوں بازوؤں میں یوم پاکستان
کے طور پر منایا جاتا رہا ہے۔ بنگلہ دیش کے انتہا پسندوں نے مشرقی پاکستان کے بازاروں میں
مظاہرے کئے، جگہ جگہ بنگلہ دیش کے جھنڈے لگائے اور علی الاعلان یوم پاکستان کو "یوم آزادی"
کہا۔ رائفلوں کے ساتھ پریڈ کرتی ہوئی عوامی لیگ کی خواتین کے جیش کی تصاویر اتاری گئیں۔ قومی
اسمبلی میں مغربی پاکستان کی اقلیتی پارٹیوں کے قائدین نے عوامی لیگ کے قائدین کو اس بات پر
آمادہ کرنے کی کہ وہ متحدہ اسمبلی کے تصور کو پھر سے تسلیم کر لیں آخری کوشش کی اور اسے مسٹر بھٹو
کے مقابلے میں اپنے تعاون کا یقین دلایا مگر مجیب ٹس سے مس نہ ہوا، 22 مارچ کو انہوں نے بستر
لپیٹنے شروع کئے۔ ڈھاکہ میں سارا دن یحییٰ کے مددگار عملے اور عوامی لیگ کے نمائندوں کے

درمیان مسودہ بیان پر بحث ہوتی رہی ادھر یکم مارچ سے فسادات کی بھڑکائی ہوئی آگ میں "ر
جلتا رہا۔

25 مارچ بعد دوپہر چھاؤنی اور شہر کے قلب کے درمیان کئی رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں تھیں
اسی روز شام کو سیاسی کنفیوژن یک دم ختم ہو گیا اور وہ یوں کہ صدر یحییٰ مغربی پاکستان کی طرف پر
کر دیا گیا۔ ڈھاکہ کے سیاسی حلقوں میں یحییٰ کی روانگی کی کسی کو بھی توقع نہ تھی اس روانگی کا
پیشگی اعلان بھی نہ ہوا تھا۔ اس روز شام کے وقت پینتیس غیر ملکی صحافی ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں
کر لئے گئے۔ انہیں باہر نکلنے کی آزادی نہ تھی۔ یہ لوگ 27 مارچ کو مشرقی پاکستان سے نکال
کئے گئے۔ حکومت کے مخالف اخبارات کے دفاتر پر 25 مارچ کی شام کو قبضہ کر لیا گیا۔ عوامی لی
کے حامیوں کے گھروں پر چھاپے مارے گئے۔ بیشتر بنگالی لیڈر پہلے ہی روپوش ہو چکے تھ
رات کو ایک بجے شیخ مجیب دھان منڈی میں اپنے گھر سے گرفتار ہوا۔ کئی گھنٹے بعد فوج نے وہ بہ
سی روکاوٹیں جو شہر کے پرانے علاقوں میں تھیں دور کر دیں بہت سے شہری بھی لقمہ اجل بنے۔

26 مارچ کو یحییٰ نے ریڈیو پر تقریر کی اور اس وقت عوامی لیگ پر مسلح بغاوت کے منصو
کوئی الزام نہ لگایا یہ پہلی بار 6 مئی 1971ء کو لگایا گیا۔ نشری تقریر کے دوران مجیب کا یہ جرم ض
بتایا گیا کہ وہ "بلا خوف سزا ہر قدم اٹھانے کے لئے" قانونی بنیاد تعمیر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
مارچ کو میجر ضیاء نے چٹاگانگ میں ایک نشریئے کے دوران میں اعلان آزادی پڑھا۔ آزا
کے آغاز میں شمال کی طرف پسپائی کے وقت اس کے فوجیوں نے بعض اہم پل اڑا دیئے۔
مارچ کے بعد دو ہفتوں تک بھارتی اخبارات میں بنگالیوں کی کامیابیوں کے ڈھول پیٹے گئے۔

بھارت میں انتخابات ختم ہوئے فقط چند روز ہی ہوئے تھے وزیر خارجہ سورن سنگھ نے
مارچ کو بھارتی ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے حکومت کی تشویش کا اظہار کیا جب اندرا گاندھی
مشرقی پاکستان میں مداخلت کا دباؤ پڑا تو 27 مارچ کو راجیہ سبھا میں تقریر کرتے ہوئے اس نے
ایک غلط لفظ یا ایک غلط قدم سے ہم سب کی خواہشات کے عین برعکس نتیجہ نکل سکتا ہے۔ 31 ما
کو بھارتی پارلیمان کے دونوں ایوانوں نے اتفاق رائے سے ایک قرارداد منظور کی جس کا لہجہ
تھا۔ اس قرارداد کے مطابق مشرقی بنگال کا "بھیانک المیہ" اس لئے پیش آیا کہ حکومت پاکستا
نے مشرقی بنگال کے قانونی طور پر منتخب شدہ ارکان کو اقتدار منتقل کرنے سے انکار کر دیا۔ ا

میں کہا گیا تھا کہ مشرقی بنگال کے ساڑھے سات کروڑ لوگوں کی تاریخی بیداری فتح سے ہمکنار ہو گی
اور ایوان کی جانب سے یقین دلایا گیا تھا کہ ان کی جدوجہد اور قربانیاں بھارت کے عوام کی مکمل
ہمدردی اور تائید حاصل کریں گی۔ 10 اپریل کو بنگلہ دیش کی آزادی کا اعلان کر دیا گیا مگر جس
عارضی حکومت کے قیام کی بھارت نے سرپرستی کی اس کو اس نے باضابطہ طور پر تسلیم نہ کیا۔

28 مارچ کو روسی حکومت کا ردعمل یوں ظاہر ہوا کہ اس روز روسی قونصل جنرل نے یحییٰ سے
کراچی میں ملاقات کی اور دریافت کیا کہ حکومت پاکستان کے مشرقی پاکستان میں ارادے کیا
ہیں۔ 2 اپریل کو ماسکو کے اخبارات نے یحییٰ کے نام پر صدر پڈگورنی کا ایک خط یکطرفہ طور پر
شائع کر دیا۔ صدر پڈگورنی نے یحییٰ سے "فوری اپیل" کی تھی کہ "مشرقی پاکستان کی آبادی کے
خلاف ظلم و ستم اور قتل و غارت گری کے خاتمے کے لئے بعجلت تمام اقدامات کئے جائیں۔" اس
اپیل کے جواب میں یحییٰ نے غیر لچکدارانہ رویہ اختیار کیا۔ پڈگورنی نے انسانی حقوق کے اعلان کا
حوالہ دیا تھا۔ اس میں یہ رمز پوشیدہ تھی کہ اقوام متحدہ میں روس شاید بھارت کی امداد کرے۔ یحییٰ نے
لکھا "اگر کوئی طاقت دوسرے ملکوں کے داخلی معاملات میں کسی تیسرے ملک کی مداخلت کی
حمایت کرے یا چشم پوشی سے کام لے تو اس طرح اقوام متحدہ کے چارٹر اور بنڈونگ کانفرنس کے
اصولوں کی مخالفت کی مرتکب ہوگی۔"

اپریل کے آخر میں کوسیجن نے یحییٰ کو نہایت شائستہ خط لکھا جسے بغرض اشاعت جاری
نہ کیا گیا یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ پاکستان اور روس کے درمیان بھرپور تعاون کے خواہشمند
ہیں۔ انہوں نے پاکستان کی دلجوئی کی خاطر معاشی میدان میں کئی اقدامات کئے۔ یحییٰ خان کے
خط کے جواب میں 13 اپریل 1971ء کو چو این لائی نے یحییٰ کو لکھا "آپ اور پاکستان کے کئی
قائدین نے وحدت پاکستان کے تحفظ اور اسے شکست و ریخت سے بچانے کے لئے خاصا سودمند
کام کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ اور پاکستان کے دیگر قائدین کے باہمی مشوروں اور اقدامات
سے حالات یقیناً معمول پر آ جائیں گے۔ ہمارے خیال میں پاکستان کی وحدت اور مشرقی و مغربی
پاکستان کے عوام کا اتحاد پاکستان کی قوت اور خوشحالی کے لئے بنیادی ضمانت کا درجہ رکھتے ہیں......
ہم عرصے سے نوٹ کر رہے ہیں کہ آپ کے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر کے
بھارتی حکومت آپ کے مسائل کو الجھانے کی کوشش کر رہی ہے حکومت چین کے نزدیک اس وقت

پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے"۔

بڑی طاقتوں میں سب سے پہلے برطانیہ نے 27 مارچ کو اپنے ردعمل کا اظہار کیا تھا۔
پاکستانی موقف کے قریب تر تھا۔ 28 مارچ کو انڈونیشیا اور ایران اور 3 اپریل کو ترکی اور ملائیشیا۔
پاکستانی موقف کی حمایت میں اظہار رائے کیا۔ جون کے آخر میں بائیس اسلامی ممالک کی کانفرنس
منعقدہ جدہ میں "پاکستان کی قومی یک جہتی اور جغرافیائی وحدت" کا اظہار کر کے پاکستان کا سا
دیا گیا۔ امریکہ کا اولین ردعمل یہ تھا کہ پاکستان انسانی ہمدردی کو پیش نظر رکھتے ہوئے بین الاقوا
ادارے کی طرف سے امداد قبول کر لے۔ جس سے پاکستان کے "اندرونی معاملے" کی دلیل متا
نہ ہوگی۔ چند یوم کے بعد 7 اپریل کو امریکی وزارت خارجہ کے نمائندے نے کہا "ہمارے نزدیک
اب بھی یہ امر اہم ہے کہ پرامن حل کے ذریعے کشمکش کے خاتمے کے لئے ہر ممکن قدم اٹھایا جائے
وائٹ ہاؤس کو سب سے زیادہ تشویش اس امر پر تھی کہ مشرقی پاکستان میں خانہ جنگی کی سی صورتحا
پھیل کر بین الاقوامی بحران میں تبدیل نہ ہو جائے کہ اس سے ایشیاء میں طاقت کا توازن متا
ہو گا۔

اس اثناء میں اپریل 1971ء کے وسط تک مشرقی پاکستان کے بحران میں اولین اور بڑا
فیصلہ کن تبدیل ہو چکی تھی 18 اپریل کو پاکستانی فوج نے برہمن باریہ اور اکھنور پر قبضہ کر لیا اور ک
میں چروانگہ کے مقام کو اپنے قبضے میں لے لیا جسے نام نہاد بنگلہ دیش کا عارضی دارالحکومت کہا
تھا۔ سیاسی سطح پر اکثر حکومتیں اس رائے کا اظہار کر چکی تھیں کہ مشرقی پاکستان میں پیدا شدہ صور
حال پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے۔ ان حالات میں بھارتی حکومت کو بامر مجبوری دفاعی اند
اختیار کرنا پڑا۔ اب تو بھارتی سرزمین میں مقیم مشرقی پاکستانیوں کے باہمی اختلافات سامنے آ
لگے تھے۔ بھارت میں یہ کہا جا رہا تھا کہ بھارت کا قومی مفاد اسی میں ہے کہ پاکستان دولخ
ہو جائے۔

اپریل کے آغاز میں بھارت کی سرزمین پر باغیوں کو تربیت دینے کے بعد مسلح کیا گیا
بنگلہ دیش کی عارضی حکومت کی بھارت نے ہر طرح سے مدد کی تاکہ مشرقی پاکستان میں گور
کاروائی کی جائے۔ اسی دوران میں بھارت نے پاکستان کے ساتھ طویل مقابلے کی تیاری
لئے منصوبہ بندی شروع کر دی اسے یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کا انجام دونوں کے درمیا

بری جنگ کی صورت میں نکلے گا۔ بحران کے پہلے دور میں بھارت کی کوششیں اس امر پر مرکوز
ہیں کہ پاکستان کے خلاف عالمی رائے عامہ کو ہموار کیا جائے اور پاکستان پر عالمی رائے عامہ کا
باؤ ڈالا جائے چنانچہ بھارت نے پاک بھارت تعلقات کی ہر ہر خرابی کو ڈرامائی رنگ دینے کی
بھرپور کوشش کی اور دونوں ممالک کے درمیان طویل چپقلش کو تیز تر کرنے کا کوئی موقع ضائع نہ
جانے دیا۔

1947ء کے مقابلے پر پہلے پانچ ہفتوں کے دوران میں بھارت میں داخل ہونے والے
مشرقی پاکستان کے باشندوں کی تعداد بہت کم تھی' اپریل کے تیسرے ہفتے کے بعد ان لوگوں کی
تعداد میں ڈرامائی اضافہ ہونا شروع ہوا اور اس کی وجہ بھارت کی پالیسی تھی۔ سفارتی محاذ پر بھارت
نے اس انخلاء سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ اس انخلا کے مسئلے پر عالمی سطح پر تشویش کا اظہار ہونے
لگا۔ پاکستان کے خلاف اور بھارت کے حق میں فضا ہموار ہونے لگی۔ انخلا کے تسلسل کے باعث
بھارت کے اس دعوے کو بڑی تقویت ملی کو خواہ مشرقی پاکستان کا بحران پاکستان کا اندرونی معاملہ
کیوں نہ ہو انخلا سے بھارت کے اندرونی معاملات پر گہرا اثر پڑا ہے۔ اپریل کے آخر میں روس
نے پاکستان کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ اس کی رو سے روس کو پاکستانی چمڑے کی برآمدگی دوگنی ہو
گئی' اس ہفتے کے بعد اعلان ہوا کہ روس نے بالآخر اس منصوبے کی منظوری دے دی جس کے تحت
کراچی کے قریب اسٹیل مل لگانی مطلوب تھی حالانکہ اگست 1970ء میں روس نے اس منصوبے کو
ناقابل عمل تصور کرتے ہوئے نامنظور کر دیا تھا۔ امریکی حکومت نے اعلان کیا کہ وہ موجودہ ترقیاتی
منصوبوں پر تعاون جاری رکھے گی مگر مستقبل کی ترقیاتی امداد کا دارومدار عالمی ادارے کے ذریعے
مشرقی پاکستان میں امدادی کاموں کی نگرانی پر پاکستان کی رضامندی پر ہوگا۔

امریکیوں سے صلاح مشورے کے بعد 11 مئی کو برطانیہ نے بھی کچھ اسی قسم کے خیالات
کا اظہار کیا اور کہا کہ امدادی کاموں کی نگرانی کے لئے اقوام متحدہ ہی مناسب ترین ادارہ ہے۔ مسٹر
آرچیبالڈ بلڈ امریکی قونصل جنرل مقیم ڈھاکہ اور مسٹر فرینک سارجنٹ' برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر
مشرقی پاکستان میں پاکستان کی پالیسی پر کھلم کھلا تنقید کیا کرتے تھے۔ ان دونوں کو جون میں ان کی
حکومتوں نے واپس بلوالیا۔

پاکستان نے آخر کار مئی میں مشرقی پاکستان میں اقوام متحدہ کے امدادی عملے کی موجودگی

قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ساتھ ہی یہ فیصلہ کیا گیا کہ بھارت میں مقیم مشرقی پاکستانیوں کی وا
کے لئے مناسب اقدامات کئے جائیں اور بین الاقوامی تعلقات میں تناؤ ختم کر کے صورت حا
معمول پر لایا جائے۔

یہ پالیسی امریکی خواہش کے عین مطابق تھی چنانچہ 28 مارچ کو صدر نکسن نے یحیٰی کو خط
جس میں مشرقی پاکستان میں سیاسی سمجھوتے کی فضا پیدا کرنے کے سلسلے میں اس کی نئی پالیسی
حوصلہ افزائی کی گئی تھی۔ اسی روز نکسن نے مسز گاندھی کو تحریر کیا "ہم حکومت پاکستان سے پر ا
سیاسی سمجھوتے کی اہمیت پر گفت وشنید کر رہے ہیں تا کہ نہ صرف بھارت کی طرف لوگوں کا انخلا
ہو بلکہ بھارت کی سرزمین پر موجود مشرقی پاکستانی اپنے گھروں کو لوٹ آئیں .... ایشی
میں ایک بڑی طاقت کی حیثیت میں بھارت پر اس علاقے میں امن واستحکام قائم رکھنے کی ذ
داری عائد ہوتی ہے۔"

وسط مئی تا وسط جون پاکستان میں اور پاکستان سے باہر بھرپور سیاسی کوششیں کی گئیں تا
لوگ واپس آنا شروع ہو جائیں اور مشرقی پاکستان میں سیاسی سمجھوتہ عمل میں آ جائے 10 جون
لیفٹیننٹ جنرل ٹکا خان نے مہاجرین کی واپسی کے لئے صدر یحیٰی کی اپیل کو دہرایا انہوں نے ا
تمام لوگوں کے عام معافی کا اعلان کیا جو اپنے گھروں سے بھاگ کر بھارت میں پناہ گزین ہو
تھے اور جن میں سیاسی قائدین' سیاسی کارکن' مسلح افواج کے ارکان غرض تمام لوگ شامل تھے۔ ا
اثنا میں مسٹر بھٹو کے اس مطالبے کی کہ فوج اقتدار منتقل کر دے۔ "کیونکہ بیوروکریسی کے لئے سیا
بحران پر قابو پانا ممکن نہیں۔" فوجی لیڈر شپ اور اقلیتی پارٹیوں نے مخالفت کی' ان کی دلیل یہ تھی
اقتدار دونوں بازوؤں میں بیک وقت منتقل ہونا چاہئے بصورت دیگر یہ سمجھا جائے گا کہ مغر
پاکستان نے مشرقی بازو کو نو آبادی بنا رکھا ہے۔ دوسری طرف مشرقی پاکستان میں دائیں باز
جماعتوں (مسلم لیگ' جماعت اسلامی' نظام اسلام' پی ڈی اے نے اعلان کیا کہ وہ یحیٰی کے 4
مئی کے اعلان کردہ ضمنی انتخابات کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ شائد اس طرح مشرقی پاکستا
میں آخر کار دائیں بازو کی جماعتوں کو اکثریت حاصل ہو جاتی۔

جون کے آغاز میں جناب حسین شہید سہروردی کی دختر بیگم اختر سلیمان ڈھاکہ گئیں
انہوں نے عوامی لیگ سے متعلق مشرقی پاکستان میں مقیم قومی اسمبلی کے ارکان سے صلاح

شورے کئے بعد ازاں یہ کہا گیا کہ عوامی لیگ کے ایک سو نو ارکان قومی وصوبائی اسمبلی نے نظریہ
پاکستان کی تائید اور جداگانہ انتخابات کی دوبارہ ترویج کی حمایت کے بیان پر دستخط کئے ہیں۔ 12
جون کو بیگم صاحبہ نے ڈھاکہ ریڈیو سے ایک نشری تقریر میں عوام کو جنرل ٹکا خان کے عفو عامہ کے
اعلان سے فائدہ اٹھانے کی تلقین کی اور 17 جون کو انہوں نے راولپنڈی میں اخباری رپورٹروں کو
بتایا کہ میرے خیال میں مسٹر بھٹو کے مطالبہ اقتدار کے انتظام پر عمل درآمد کا ابھی وقت نہیں۔

اگلے روز جناب نور الامین نے اعلان کیا کہ مشرقی پاکستان کے مسئلہ کے سیاسی حل کے لئے
عوامی لیگ کے ارکان قومی اسمبلی کے بجائے ماہرین کی جماعت دستور تیار کرے گی اور تشکیل
دستور کے بعد صدر اسے نافذ کر دے گا۔ اس نئی تجویز کا مقصد یہ تھا کہ ایک طرف فوجی حکومت اور
دوسری طرف دائیں بازو کی جماعتوں اور متحدہ پاکستان پر یقین رکھنے والے عوامی لیگی ارکان اسمبلی
کے درمیان تعاون اور اشتراک عمل کی فضا پیدا ہو جائے۔ مسٹر بھٹو کے انتقال اقتدار کے مطالبے
کے متعلق اس نے کہا کہ پہلے حالات تو معمول پر آلیں اس کا اندازہ تھا کہ آئندہ چار پانچ ماہ میں
حالات معمول پر آ جائیں گے اگرچہ اس نے عوامی لیگ کی قیادت پر سخت تنقید کی مگر شیخ مجیب کے
مستقبل کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ جہاں تک خارجی معاملات کا تعلق ہے جون کے آخر میں ایسا
معلوم ہوتا تھا جیسے پاکستان نے توازن دوبارہ پالیا ہو۔

وسط اپریل تک پاکستانی فوج کے سابق افسر کرنل اے جی عثمانی کی قیادت میں بھارت نے
فوجی ڈھانچہ کھڑا کر دیا۔ کرنل عثمانی بنگلہ دیش کی کابینہ کا رکن بھی تھا اور مکتی فوج کا کمانڈر بھی مشرقی
پاکستان کی فوجی اور نیم فوجی تنظیموں سے تعلق رکھنے والے یونٹ اس مکتی فوج میں شامل تھے علاوہ
ازیں پناہ گزین نوجوانوں کی اچھی خاصی تعداد کو تربیت کے بعد کرنل عثمانی کو کمان میں دے دیا گیا
تھا۔ ہدایات' اسلحہ اور دیگر سہولتیں بھارت کی باقاعدہ فوج اور بارڈر سکیورٹی فورسز کی طرف سے مہیا
کی جا رہی تھیں۔

اگرچہ پناہ گزین سیاسی افراد اور جماعتوں میں اختلافات موجود تھے مگر بھارت پر مکمل
انحصار انہیں اکٹھا رکھے تھا ان مختلف عناصر میں تاج الدین احمد کا گروپ مضبوط ترین تھا۔ ذاتی
مخاصمتوں اور گہرے نظریاتی اختلافات کے باعث اہم امور پر اتفاق رائے عنقا تھا۔ وسط مئی کے
بعد یحیٰی خان کی سلسلہ جنبانی اور اس کے ساتھ ہی امریکیوں کے اشاروں کے جواب پر اختلافات

شدت اختیار کر گئے' اس اختلاف کی وجہ یہ خوف بھی تھا کہ شاید شیخ مجیب پر اختلافات شدت ا
کر گئے' اس اختلاف کی وجہ یہ خوف بھی تھا کہ شاید شیخ مجیب کو ٹھکانے لگا دیا گیا ہو یا شاید و
حیات ہو اور صدر یحییٰ سے تعاون پر آمادہ ہو جائے اور اس صورت میں بھارتی سرزمین پر بنگل
کی تحریک کا مستقبل تاریک ہوگا۔

یہ وہ صورت حال تھی جس میں عوامی لیگ کے قائدین کو بازوؤں کی طرف سے سخت
درپیش تھا۔ جس میں مولانا بھاشانی کی نیشنل عوامی پارٹی نیپ کا منظر گروپ اور دیگر کمیو
جماعتیں شامل تھیں' موخر الذکر لوگوں کو یقین تھا کہ گوریلا کاروائیاں پھیل کر کسانوں کی بغاوت
مدغم ہو جائیں گی اور بائیں بازو کی انقلابی جماعتیں عوامی لیگ کے بورژوائی دستور پسندوں
ہاتھ سے قیادت چھین لیں گی دوسری طرف عوامی لیگ کا دعویٰ تھا کہ عارضی حکومت کی تشک
اختیار صرف اسی کو ہے کیونکہ اسے عام انتخابات میں کامیابی حاصل ہوئی تھی غیر عوامی لیگی عن
جلاوطن حکومت میں شامل نہ کیا گیا حتیٰ کہ مکتی فوج کی تشکیل کے وقت شروع میں بائیں با
جماعتوں کے والنٹیر چن چن کر نکال دیئے گئے۔

اگرچہ بیگم اختر سلیمان کی اپیل کے جواب میں بعض عوامی لیگی ارکان اسمبلی نے جوا
دست تعاون دراز کیا تھا مگر بھارتی سرزمین میں موجود ارکان کی اکثریت پر پاکستانی حکام کی
جنبانی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اگرچہ بھارتی حکومت سرکاری سطح پر تاج الدین کی عارضی حکومت کو
کرنے سے انکار کرتی رہی مگر ساتھ ہی بھارتی حکام دو طرف کوشش میں لگے رہے' ایک
گزینوں کی حوصلہ افزائی کی جائے تا کہ یحییٰ خاں کی دعوت اور واپسی اور عفو عامہ پر لبیک
جائے اور دوسرے غیر عوامی لیگی عناصر کو جلاوطن حکومت کی قیادت تسلیم کرنے پر مجبور نہ کیا جا۔

جون کے آغاز میں تاج الدین احمد نے انٹرویو کے دوران میں کہا'' پاکستان کے چ
میں کسی تصفیے کی گنجائش نہیں۔ بنگلہ دیش خود مختار اور آزاد ہے اور ہم ہر قیمت پر اسکے الگ اور
تشخص کو برقرار رکھیں گے۔'' 29 جون کو بنگلہ دیش کے وزیر داخلہ اے ایچ ایم قمر الزمان۔
''بنگلہ دیش آزاد قوم ہے اور شیخ مجیب الرحمان اس کا صدر ہے۔ اگر بنگلہ دیش کے مسئلے پر گفت
کسی کو استحقاق حاصل ہے تو وہ عوام کے منتخب کردہ نمائندے ہیں یعنی شیخ مجیب کی حکومت۔''
اسی دوران میں بھارتی مسلح افواج نے بنگالیوں کی فوجی مدد کے لئے کام کا آغاز کرد

اری سطح پر بھارتی حکام عالمی رائے عامہ اور بڑی طاقتوں کی مداخلت پر اپنے انحصار کا اظہار
تے رہے تاہم دو ماہ یعنی مئی اور جون کے عرصے میں اقوام متحدہ کے متعلق بھارتی اور پاکستانی
یے میں انقلابی تبدیلی پیدا ہوئی۔ شروع میں بھارت بین الاقوامی مداخلت کے لئے کوشاں
پاکستان اس کے خلاف تھا مگر جون کے بعد دونوں نے الٹی زقند لگائی پاکستان نے ہمدرد خارجی
قتوں اور اداروں کی مشرقی پاکستان میں موجودگی کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشش کی جبکہ بھارت
نے اس ''مداخلت'' کے خلاف زیادہ سے زیادہ زور لگایا۔

جولائی کے آغاز میں مشرقی پاکستان کے بحران کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ مون سون کے
غاز پر مکتی باہنی نے مسلح مداخلت کا آغاز کر دیا اور بھارت میں مقیم مشرقی پاکستانیوں کی اپنے
ھروں کی واپسی کے سلسلے میں یحییٰ خان کی کوششیں ناکامی سے ہمکنار ہو گئیں' 6 جولائی کو ڈاکٹر
ری کسنجر دلی پہنچے۔ انہوں نے بتایا کہ پاکستان کو اسلحے کی ترسیل کا تسلسل افسروں کی غلطی کی وجہ
ے قائم ہے' بھارت میں اس وقت عام خیال یہ تھا کہ ڈاکٹر کسنجر کے دورے کا مقصد عوامی لیگ اور
یٰی خان میں تصفیہ کرانا ہے۔

9 جولائی کو کہا گیا کہ ڈاکٹر کسنجر کے پیٹ میں درد ہے اور یہ افواہ اڑی کہ دراصل ڈاکٹر کسنجر
شیخ مجیب کے قانونی مشیر ڈاکٹر مال حسین (جو شیخ مجیب کے ہمراہ قید تھا) سے خفیہ مذاکرات کر کے
اسے تصفیے کی طرف مائل کر رہے ہیں۔ اصل حقیقت یہ تھی کہ ڈاکٹر کسنجر خفیہ مذاکرات ضرور کر رہے
تھے مگر یہ مذاکرات ڈاکٹر کمال حسین کے ساتھ نہیں بلکہ پیکنگ میں چینی وزیر اعظم کے ساتھ ہو
رہے ہیں۔

15 جولائی کو صدر نکسن نے اعلان کیا کہ وہ مئی 1972ء سے پیشتر کسی دن چین جائیں گے'
اس سے بھارت میں کھلبلی مچ گئی کہ پاکستان کے دو عظیم دوستوں یعنی چین اور امریکہ کے درمیان
مفاہمت تو مشرقی پاکستان پر بھارتی حملے کی راہ میں مزاحم ہو کر فیصلہ کن کردار ادا کرے گی' اس کے
ساتھ ہی یحییٰ خان نے پیش قدمی کی 12 جولائی کو اس نے اعلان کیا کہ وہ مسز اندرا گاندھی سے کسی
جگہ اور کسی بھی وقت ملاقات کے لئے تیار ہے اور یہ کہ وہ مشرقی پاکستان میں مہاجرین کی واپسی
کے لئے قائم کردہ مراکز میں اقوام متحدہ کے نمائندوں کو خوش آمدید کہے گا' تاہم جیسا کہ اس نے
میکسول کو انٹرویو (فنانشل ٹائمز 18 جولائی) دیتے ہوئے بتایا مسز گاندھی نے انکار کر دیا۔ انٹرویو

کے دوران یحییٰ خاں نے کہا کہ اگر مشرقی پاکستان کے کسی علاقے پر قبضہ کر کے اسے باغیوا
بیس بنایا گیا تو ''دنیا کو آگاہ کر دیجئے میں عام جنگ کا اعلان کر دوں گا''۔

اقوام متحدہ کی طرف سے 19 جولائی کو اعلان کیا گیا کہ مسٹر جان کیلی ریفیوجی ہائی کمشہ
حیثیت سے ڈھاکہ میں مقرر کر دئے گئے ہیں اسی روز اوتھان نے دونوں حکومتوں کو یاداشت ر
کی جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ دونوں ممالک کی سرحدوں پر اقوام متحدہ کے ریفیوجی ہائی کمشنر
نمائندے تعینات کئے جائیں اس تجویز کو پاکستان امریکہ اور برطانیہ کی حکومتوں نے سراہا۔ مگ
ہفتے بعد 3 اگست کو بھارتی وزیر خارجہ نے اس تجویز کو یہ کہتے ہوئے نامنظور کر دیا کہ ضرور
''عوام کے منتخب نمائندوں سے قابل قبول سیاسی حل'' کی ہے۔ 24 اگست کو اوتھان نے ڈھا
میں پال مارک ہنری کو اپنا نمائندہ نامزد کر دیا۔

دونوں حکومتوں کو یاداشت کی ترسیل کے ایک یوم بعد یعنی 20 جولائی کو اوتھان نے ا
قدم اور اٹھایا اس نے سلامتی کونسل کے صدر ارکان کو یاداشت پیش کی۔ جس میں مشرقی پاکستان
خطرناک صورت حال کا بیان کر کے سفارش کی گئی کہ سرحدوں پر اقوام متحدہ کے ریفیوجی ہائی ک
کے نمائندے مقرر ہونے چاہئیں بھارت پر ان تجاویز کے مضمرات واضح ہوئے اس طر
بھارت پر بڑی طاقتوں کا دباؤ پڑنے اور مشرقی پاکستان میں گوریلا کارروائیوں کے خاتمے کا خطر
ساتھ ہی چین اور امریکہ کے مابین ڈرامائی تعلقات بھی بھارت پر اثر انداز ہوئے۔ اب وہ ا
نتیجے پر پہنچا کہ پاکستان کو دولخت کرنے کی مشرقی پاکستان میں کاروائی کسی بڑی طاقت کی حمای
کے بغیر ناممکن ہوگی اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ سلامتی کونسل' میں کوئی مدد نہ ملی تو اس کا حریف' اقوام مت
کی امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

سورن سنگھ کے دورہ روس کے موقع پر 8 جون کو ایک مشترکہ اعلامیہ جاری ہوا تھا جس
روس نے بھارت سے اس حد تک اتفاق کیا تھا کہ ''مشرقی پاکستان میں ایسے حالات پیدا
جائیں کہ پناہ گزین اپنے گھروں کو لوٹ جائیں' انہیں تحفظ ذات کی ضمانت دی جائے اور ان
لئے پرامن زندگی گزارنے اور کام کرنے کے مواقع پیدا کئے جائیں'' مگر روس نے بھارت
اس خیال کی تائید نہ کی کہ سیاسی سمجھوتے کو اہمیت دی جائے۔

جون کے آخر میں مسٹر کوسیجن نے پاکستانی سفیر کو یقین دہانی کرائی کہ روس

یک مشرقی پاکستان کا مسئلہ پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے۔ جولائی میں مغربی طاقتوں نے
ستان کو اقتصادی امداد معطل کرنے کی فرداً فرداً تحریک کی مگر روسی امداد جاری رہی۔ یہاں تک کہ
رت کو یہ یقین دلانے میں کہ پاکستان کی فوجی امداد گزشتہ ایک سال سے بند ہے روسی حکام کو
سی دشواری پیش آئی۔

15 جولائی کو صدر نکسن کے اعلان کے بعد صورت حال یکسر بدل گئی۔ محسوس کیا گیا کہ اب
ن اور امریکہ کو اسلام آباد میں پہلے کی نسبت بہت زیادہ اثر ورسوخ حاصل ہو جائے گا چنانچہ
196 ء میں برزنیف کے پیش کردہ ایشیا کی اجتماعی سلامتی کے منصوبے کے فائل پر سے گرد جھاڑ
گئی۔ 8 اگست کو گرومیکو بھارت پہنچے اور دوسرے روز اہم ترین منصوبے پر دونوں ممالک کے
خط ہو گئے' اسکا نام تھا معاہدہ مابین بھارت و روس برائے امن' دوستی اور تعاون! معاہدے پر با
ابطہ دستخط ہونے کے بعد دونوں ملکوں کے مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا۔

مفصل گفتگو کے بعد طرفین نے اس یقین کا اعادہ کیا کہ مسئلے کا کوئی فوجی حل ممکن نہیں اور یہ
روری سمجھا کہ مشرقی پاکستان میں سیاسی حل کے حصول اور پناہ گزینوں کی واپسی کے لئے پرامن
الات پیدا کرنے کے لئے فوری اقدامات کئے جانے چاہئیں'' بعد میں کہا گیا کہ معاہدہ کا مسودہ
ستمبر 1969 ء سے تیار پڑا تھا! ہمیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ برزنیف کی دراز میں سے 1971 ء میں
س نے اس مسودہ کو نکالا اور جھاڑ پونچھ کر صاف کیا تاہم مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا کہ بھارتی حکام
ی دعوت پر مسٹر گرومیکو دلی پہنچے ہیں۔ خواہ کسی نے پہل کی ہو مگر یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ
عاہدہ کی تیاری اور تکمیل میں غیر معمولی عجلت سے کام لیا گیا۔ دستخط ہونے کے 24 گھنٹے کے اندر
ندر ماسکو سے اس کی توثیق بھی ہو گئی لطف کی بات یہ ہے کہ جس روز اس معاہدے پر دستخط ہوئے
ی روز اسلام آباد سے اعلان جاری ہوا کہ ''پاکستان کے خلاف جنگ کرنے'' کے الزام میں فوجی
دالت اور بند کمرے میں شیخ مجیب پر مقدمہ چلایا جائے گا۔ مشترکہ اعلامیہ میں یہ بھی کہا گیا کہ
'معاہدہ کسی کے خلاف نہیں ہے۔'' اگست کے بعد روس نے ہر ایسی تجویز کی مخالفت کی جس سے
قوام متحدہ کی مداخلت کا پہلو نکلتا ہو اور جس سے یہ ممکن ہو سکتا ہو کہ یحییٰ خان ایسا سیاسی حل ڈھونڈ
نکالے جو بھارت کو ناقابل قبول ہو۔

11 اگست کو اقوام متحدہ میں پاکستانی نمائندے جناب آغا شاہی نے سلامتی کونسل کے صدر

کی تجویز پیش کی کہ تناؤ دور کرنے کے لئے کونسل کی ایک جماعت پاکستان اور بھارت کی سرحد
کا دورہ کرے' اس کے فوراً بعد یہ انکشاف کیا گیا کہ پاکستان کے سیکرٹری امور خارجہ کا دورہ
ملتوی ہوگیا ہے' کہا جاتا ہے کہ 17 اگست کو یحییٰ خان اور روسی سفیر متعینہ پاکستان مسٹر اے۔ا
روڈیونوف کی تند و تیز میٹنگ ہوئی۔

20 اگست کو پتہ چلا کہ اقوام متحدہ میں روسی نمائندے نے سیکرٹری جنرل کو مطلع کیا کہ ا
ملک مشرقی پاکستان کے مسئلہ پر بحث کے لئے سلامتی کونسل کے اجلاس کی طلبی کے خلاف۔
18 اگست کو جب بھارت نے دوسری مرتبہ اس خیال کو رد کیا کہ اقوام متحدہ کے مبصر یا کونسل
جماعت دونوں ممالک کی سرحدوں کا معائنہ کرے تو بھارت کا یہ عمل ایسے بین الاقوامی ماحول
وقوع پذیر ہوا جو اس ماحول سے یکسر مختلف تھا جس میں دو ہفتے بھارت نے او تھان کی تجو
مخالفت کی تھی۔

اب بھارتی سرپرستی میں لڑنے والی مکتی فوج کی کاروائیوں میں بھی شدت پیدا ہوگئی
فیصلہ ہو چکا تھا کہ مکتی فوج کے بجائے اب اسے مکتی باہنی کہا جائے کیونکہ اس میں فضائیہ اور بحر
بھی اضافہ ہو چکا تھا۔ اگست کے دوسرے ہفتے سے سپلائی لے جانے والے بحری جہازوں پر
شروع ہوگئے۔ 23 اگست کو چٹاگانگ کی بندرگاہ پر سرنگیں لگا کر دو جہاز ڈبو دیئے گئے۔ اگلے
دنوں میں اس طرح کی بحری کاروائیوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی۔ بحری راستے سے مش
پاکستان کو ساز و سامان اور فوجیوں کی آمد اور مشرقی پاکستان کے اندرونی علاقوں میں خشکی اور
کے نقل و حمل کے خلاف تخریبی کاروائیوں میں اضافہ ہوا۔ اگست کے آخر میں تو نوبت یہاں
پہنچی کہ مکتی باہنی کے "نمائندے" وارننگ دے رہے تھے کہ اقوام متحدہ کے کارندوں نے اگر ا
کاروائیوں میں مداخلت کی تو ان کے مرنے جینے کی کوئی پرواہ نہ کی جائے گی۔ مغربی ممالک
پاکستانی مشنوں کے بنگالی افسر ساتھ چھوڑ رہے تھے اور غیر ممالک میں پروپیگنڈے کے لئے
اقدامات کئے گئے تھے۔ 27 اگست کو لندن میں ایک مشن اور 30 اگست کو دلی میں ایک دفتر
ہی اسلحہ اور دولت کے بہاؤ میں اضافہ ہوگیا۔

اگست کے آخر میں بھارتی وزارت خارجہ کے پالیسی پلاننگ ڈائریکٹوریٹ کے چیئر
ڈی۔ پی دھر نے مشرقی پاکستان کے قائدین سے سلسلہ وار ملاقاتیں کیں۔ 30 اگست کو ان

یتے ہوئے اس نے کہا کہ مشرقی پاکستان کے سیاسی حل کے متعلق بھارت کی عمومی کمٹمنٹ اب
مل آزادی کی اس قرارداد سے مخصوص ہوگئی ہے۔ جو مشرقی پاکستان کے منتخب شدہ ارکان نے
ظور کی تھی۔ قومی اسمبلی کے ایک سو دس اور صوبائی اسمبلی کے دو سو ممبران نے یحییٰ خان کی سیاسی
ش قدمی کے جواب میں جولائی میں "آخر تک جنگ کا حلف" اٹھایا تھا۔

3 ستمبر کو مشرقی پاکستان میں ڈاکٹر مالک اور جنرل نیازی کا تقرر عمل میں آیا۔ 5 ستمبر کو ان
ام شہریوں اور فوجیوں کو جن پر مشرقی پاکستان میں یکم مارچ سے قانون شکنی کا الزام تھا معاف
رنے کا اعلان ہوا مگر ان میں وہ لوگ شامل نہ تھے جن پر فوجداری مقدمے بن چکے تھے۔

8 ستمبر کو اقوام متحدہ کے 26 ویں اجلاس کے لئے پاکستانی وفد کا اعلان ہوا۔ اس وفد کی
یادت مشرقی پاکستان کے سیاسی لیڈر جناب محمود علی کے سپرد کی گئی۔ 18 ستمبر کو ڈاکٹر مالک کی
کابینہ نے حلف اٹھایا۔ اس میں عوامی لیگ کے دو سابق ارکان کے علاوہ پی ڈی پی جماعت
سلامی اور کونسل مسلم لیگ کے ارکان شامل تھے۔

20 ستمبر کو الیکشن کمشنر نے اعلان کیا مشرقی پاکستان میں 79 خالی نشستوں کے انتخابات 25
ومبر اور 9 دسمبر کے درمیاں ہوں گے مگر دو روز بعد خبر آئی کہ یہ انتخابات اکیس یوم کے لئے ملتوی
ہوگئے ہیں اور اب 12 اور 23 دسمبر کے درمیان ہوں گے۔

اگرچہ روسی' مشرقی پاکستان میں اقوام متحدہ کی مداخلت کی منظوری دینے کو نہ تیار تھے تاہم
انہیں امریکی حکومت کے اس بارے میں اتفاق تھا کہ برصغیر میں جنگ نہ ہونی چاہئے۔ ان دنوں
یہ خیال تھا کہ صدر نکسن کا 1972ء میں دورہ روس دونوں ملکوں کے مابین "دور گفتگو" کو استحکام بخشے
گا۔ برصغیر میں جنگ چھڑ جانے سے خطرہ تھا کہ ان عظیم طاقتوں کے تعلقات پر برا اثر پڑے۔ ابھی
تاریخ کا تعین نہ ہوا تھا تاہم امریکیوں کی خواہش تھی کہ یہ دورہ صدر نکسن کے پیکنگ کے دورے
کے بعد ہونا چاہئے۔

یہ وجوہات تھیں جن کی بنا پر روسی بھارت کو پاکستان پر کھلم کھلا حملہ کرنے سے روک رہے
تھے۔ اور بھارت پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ یحییٰ خان اور بنگالی لیڈروں کے درمیان مذاکرات پر
کوئی خاص شرط عائد نہ کرے۔ روسیوں کا نقطہ نظر تھا کہ بھارت کو بنگلہ دیش کی آزادی کی شرط
ترک کرنی چاہئے۔ ادھر امریکہ نے اپنے طور پر پاکستان کو اس بات پر مائل کرنے کی کوشش کی کہ

وہ بنگالیوں سے ارتباط و صلح کی طرف قدم بڑھائے۔

28 اور 29 ستمبر کو مسز گاندھی کے دورہ ماسکو کے بعد جو مشترکہ اعلامیہ جاری ہوا وہ بھارت
کے نزدیک قطعی غیر اطمینان بخش تھا۔ اس اعلامیے پر اختلافات میں ڈرامائی عنصر اس بات نے پیدا
کیا کہ انگریزی عبارت میں شروع سے آخر تک 'مشرقی بنگال' تحریر تھا جب کہ روسی عبارت میں
مشرقی پاکستان کا ذکر تھا! ٹائمز آف انڈیا میں 9 اور 10 اکتوبر کو خبروں کے ذریعے اور 11 اکتوبر
ادارتی نوٹ میں روسی پالیسی پر تنقید کی گئی۔ ہوسکتا ہے روسیوں نے اندرون خانہ بھارتی حکومت
بتا دیا ہو کہ امریکیوں کو وہ اس طرز عمل سے کچھ اور تاثر دینا چاہتے ہیں۔ تاہم ڈپلومیسی کے میدان
میں روس کی کوششوں کی توجیہ کرتے ہوئے بھارتیوں کو اندازہ لگایا کہ جیسے روس' بھارت معاہدے
میں پوشیدہ حکمت عملی ناکام ہوگئی ہو۔

8 اکتوبر کو سردار سورن سنگھ نے اعلان کیا کہ آزادی ہی بھارت کے نزدیک مسئلے کا واحد حل
نہیں ہے اور یہ کہ بھارت تین ممکن حلوں میں سے کسی ایک پر اصرار نہیں کرتا۔ حل یہ تھے (1) بنگلہ
دیش کی آزادی (2) پاکستان کے اندر رہتے ہوئے مشرقی پاکستان کی خودمختاری اور (3) مشرقی
پاکستان کی ری انٹیگریشن ...... یعنی پہلے کی طرح مشرقی پاکستان کا پاکستان میں ادغام۔ بھارتی
موقف کا ہمیشہ ہی سے اس بات پر انحصار رہا ہے کہ سیاسی حل منتخب نمائندوں کے لئے قابل قبول
ہونا چاہیے۔'' سردار صاحب نے کہا۔

ظاہر ہے بھارت نے یہ پوزیشن روسی حلیف کے سخت دباؤ کے تحت طوعاً و کرہاً اختیار کی
تھی۔ 12 اکتوبر کو صدر نکسن کے روسی دورے کی قطعی توثیق کا اعلان ہوا اور اب شاید روسیوں کے
لئے چوکسی میں تخفیف کرنا آسان ہوگیا۔

12 اکتوبر کو یحییٰ نے قوم سے خطاب کیا۔ اس سے دو روز قبل روسی اخبار پراودا نے مجیب پر
مقدمہ چلانے کے فیصلے کو سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے مقدمے کو ''انتقامی کاروائی بتوسط
عدالت'' کا نام دیا اور کہا ''خود پاکستان کی تاریخ کا تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ سیاسی وجوہات کی بناء پر
جور و جبر کاروائی ملکی مسائل کے تعمیری حل پر منتج نہیں ہوئی''۔ 12 اکتوبر کے خطاب میں یحییٰ نے
روسیوں کو بالواسطہ جواب دیا۔ اس نے مجیب کا ذکر تو نہ کیا تاہم مشرقی پاکستان میں ضمنی انتخابات
کے انعقاد اور دسمبر میں قومی اسمبلی کے اجلاس کے متعلق اپنی تجاویز کو دہرایا۔ ان حالات میں ظاہر ہے

وہ عوامی لیگ کے جلاوطنوں یا شیخ مجیب سے مذاکرات کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ایک سانس
اس نے 28 ستمبر کی کوسیجن کی تقریر کا خیر مقدم کیا اور دوسری سانس میں ارشاد فرمایا۔
زیر اعظم کوسیجن نے اس متعدد مثبت اقدامات کا ذکر نہیں کیا جو میں نے عوام کے منتخب
ندوں کو اقتدار منتقل کرنے کے لئے کئے ہیں۔''
شیخ مجیب یا عوامی لیگ کی شرکت کے بغیر قومی اسمبلی کو انتقال اقتدار کے منصوبے سے
اف نہ کرنے کے متعلق یحییٰ کا فیصلہ روس کی مصالحانہ کوششوں کو ٹھکرانے کے مترادف تھا۔ یحییٰ
فیصلے نے بھارت کو ایسا موقع دیا جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے روسی دباؤ کے تحت
ل کردہ پوزیشن یکدم تبدیل کرلی۔

14 اکتوبر کو مسز گاندھی نے بتایا کہ سورن سنگھ سے منسوب اعلان کہ بھارت ''پاکستان کے
م ورک میں'' مشرقی پاکستان کے حل کو قبول کرلے گا غلط تحریر (مس کوٹ)...... ہوگیا تھا۔ 13
ذبر کو عبدالمنعم خاں کے قتل کے بعد سیاسی قتل شروع ہوگئے۔

سلطنت ایران کے ڈھائی ہزار سالہ جشن کے موقع پر 15 اکتوبر کو یحییٰ کی صدر پڈگورنی سے
قات ہوئی۔ پاکستانی پریس میں کہا گیا کہ یحییٰ نے پاکستانی افواج کی سرحدوں سے واپسی کی
یز کو دہراتے ہوئے مطالبہ کیا کہ بھارت کو مشرقی پاکستان کی سرحد سے اپنی فوجیں ہٹا لینی
ہئیں۔ اور ''دیگر معاندانہ کاروائیوں کے علاوہ انفلٹریٹرز (تخریب کاروں) کی ترسیل'' بند کرنی
ہے۔ پانچ یوم بعد روسی حکومت نے یحییٰ کو ایران میں دیئے گئے مشورے کا اعادہ کر کے اسے
م کردیا۔

20 اکتوبر کو کوسیجن نے کہا کہ ایران کی ملاقات کے دوران صدر پڈگورنی نے تاکید کی
ا کہ مشرقی پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کے اقدامات کئے جانے چاہئیں جن میں شیخ مجیب
ا رہائی بھی شامل ہو۔ ستمبر میں بھارتی فوج نے مشرقی پاکستان کی سرحد پر بھی اگلی پوزیشنیں
نبھال لی تھیں۔ اور اب یہ ہوا کہ بھارت کی فوج نے مغربی پاکستان کی سرحد پر بھی اگلی پوزیشنیں
نبھال لیں۔

17 اکتوبر کو یحییٰ نے فوجوں کی واپسی کی تجویز کا پھر ذکر کیا۔ دو روز بعد مسز گاندھی نے اس
ویز کو رد کردیا۔

17 اکتوبر کو اسلام آباد میں کہا گیا کہ بھارتی توپخانے نے میڈیم گنوں سے مشرقی پاک کے سرحدی گاؤں پر گولہ باری شروع کر دی ہے جبکہ اس سے پیشتر وہ فیلڈ گنوں اور مارٹرز شیلنگ کیا کرتے تھے۔

تیزی سے بگڑتے ہوئے پاک' بھارت تعلقات کے پس منظر میں 20 اکتوبر کو س سرگرمیوں کا آخری دور شروع ہوا۔ فوجوں کی واپسی کے سلسلے میں یحییٰ کی 12 اکتوبر کی تجو روشنی میں اوتھان نے یحییٰ اور مسز گاندھی کو ایک سی یاداشت بھیجی جس میں ''برصغیر میں جنگ خطرے کے پیش نظر اقوام متحدہ اور اس کے جملہ ذرائع'' ان کی خدمت کے لئے وقف کر۔ پیش کش کی گئی۔ انہی دنوں مسز گاندھی کو مغربی ممالک کے اکیس یومیہ دورے پر روانہ ہونا دورے کے آغاز سے دو یوم قبل 22 اکتوبر کو روس کے نائب وزیر خارجہ' نکولائی فریوبن کی قیا میں ایک وفد بھارت پہنچا اور کہا گیا کہ یہ وفد سالانہ معمول کے مطابق دوطرفہ گفتگو کے آیا ہے۔ صلاح مشورے کے باوجود روسی وفد اور بھارتی حکام نے اوتھان کی تجویز کا کوئی ج نہ دیا۔

اس کے بجائے 27 اکتوبر کو ایک مشترکہ اعلامیہ جاری ہوا جس میں کہا گیا کہ روس بھ معاہدے کی شق 9 کے تحت دونوں حکومتوں میں مشورے ہوئے۔ مذکورہ شق میں تحریر ہے ک کسی فریق پر حملہ کا خطرہ موجود ہو تو آپس میں مشورہ ہونا چاہیے۔ 28 اکتوبر کو ویانا میں مسز گ نے کہا کہ سرحدوں سے فوج کی واپسی کی نگرانی کے ضمن میں بھارتی سرزمین پر اقوام متحد مبصرین کے تعیناتی کی اجازت نہ دی جائے گی۔ امریکہ میں مسز گاندھی کا سہ روزہ قیام ر نومبر کو مسز گاندھی کی واپسی کے موقع پر یہ غلط اندازہ لگایا گیا کہ ایک دوسرے کی پوزیشنو ادراک کے سلسلے میں مسٹر نکسن اور مسز گاندھی میں بہتر مفاہمت کی راہیں نکل آئی ہیں۔

8 نومبر کو اعلان جاری ہوا کہ حکومت پاکستان کی رضامندی سے پاکستان کو امریکی ا برآمد کے بقایا لائسنس معطل کئے جا رہے ہیں۔ امریکیوں نے بعد میں بتایا کہ مسز گاندھی سے کے بعد انہوں نے قیاس کیا تھا کہ بھارتیوں نے ضبط و اعتدال کی اہمیت تسلیم کرتے ہوئے ب مان لی تھی کہ امریکہ مشرقی پاکستان اور یحییٰ میں گفت و شنید کے ذریعے تلاش حل کی ایک اور کر دیکھے۔ مگر اسی روز یعنی 8 نومبر کو پیرس پہنچنے پر مسز گاندھی نے کہا۔

''آج کے حالات میں بنگلہ دیش کی آزادی ناگریز ہو گئی ہے۔''

امریکی کوششوں کے باوجود مسز گاندھی کے طرز فکر میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ بھارت واپسی پر 13 نومبر کو اندرا نے لوک سبھا کو بتایا کہ اب صورت حال نہایت عجلت کی متقاضی ہے' اگر مسئلے کے سیاسی حل کا حصول منظور ہو تو شیخ مجیب کی رہائی لابدی ہے۔

بھارت کو کھلی جارحیت سے باز رکھنے کے لئے پاکستان نے دو اقدامات کئے۔ مغرب میں فوج نے جارحانہ حالت اختیار کی جبکہ مشرق میں دفاعی انتظامات کئے گئے۔ ادھر بھارت کے جنگجویانہ طرز میں شدت پیدا ہوئی' ادھر پاکستان نے بھارتی ہلوں کے خلاف اپنی پوزیشنوں کو مستحکم کرتے ہوئے مشرق میں فوج کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔ جونہی نومبر کے دن بیتنے لگے' دونوں فوجوں کے مابین تند و تیز جھڑپوں میں اضافہ ہونے لگا جن میں ٹینک اور طیارے استعمال ہوئے۔

10 نومبر کو سردار سورن سنگھ چنڈی گڑھ میں اعلان کر چکے تھے کہ بھارت سے کشمکش کے دوران میں پاکستان کی امداد کے لئے چینی مداخلت کے کوئی آثار نظر نہیں آتے' چنانچہ دسمبر میں جب کھلی جنگ چھڑی تو بھارت نے ہمالیہ کے فرنٹ سے اپنے ڈویژن لا کر مشرقی پاکستان کے حملے میں جھونک دیئے تھے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ جن دنوں مسز گاندھی واشنگٹن کے دورے پر تھیں' انہی دنوں مسٹر بھٹو چین کی حمایت حاصل کرنے میں ناکام ہوئے تھے۔ اب امریکہ اور دیگر مغربی طاقتوں نے از سر نو کوشش کی کہ عوامی لیگ کے ان معتدل عناصر کے ساتھ (جو اب بھی شیخ مجیب کو اپنا قائد تصور کرتے تھے) مل کر سیاسی حل نکالنے میں یحییٰ کو ترغیب دلائی جائے۔

عام جنگ کے دنوں میں جو 3 دسمبر کو چھڑی امریکہ کے ترجمانوں نے دعویٰ کیا تھا کہ مذکورہ کوششیں کامیابی کے قریب پہنچ چکی تھیں جب نومبر کے آخر میں مشرقی پاکستان کی سرحدوں پر بھارت کی اشتعال انگیزی میں اضافہ نے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔

25 مارچ سے لے کر بعد کے تمام عرصے تک بھارت کا یہ نقطہ نظر رہا کہ شیخ مجیب کی رہائی کے بغیر پاکستانی بحران کے سیاسی حل میں پیش قدمی ناممکنات میں سے ہے۔ 10 اکتوبر کے بعد روس کی شہ ملنے پر بھارت نے اصرار شروع کر دیا کہ صدر یحییٰ شیخ مجیب اور اس کے ان منتخب رفقاء کے ساتھ جن میں سے اکثر بھارت میں جلاوطنی اختیار کر کے بنگلہ دیش کی مکمل آزادی کا تہیہ کر چکے تھے گفتگو کرے۔

9 اگست کے بعد پاکستانی حکام نے اس بات کا بار بار اعادہ کیا کہ شیخ مجیب سے مذاکرات کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ امریکہ اور اس کے دوستوں کے سامنے یہ مسئلہ رہا کہ ان دو نقطہ ہائے نظر کے تفاوت کیسے دور کیا جائے۔ پہلے دور میں جب امریکہ نے یحییٰ خان کو سیاسی حل پر آمادہ کرنے کے لئے دباؤ ڈالا تو مئی اور جون میں عوامی لیگ کے بعض جلاوطن ارکان اور کلکتہ و دلی میں مقیم امریکی افسروں میں غیر رسمی رابطہ پیدا ہوا تھا مگر یحییٰ کے 28 جون کے بیان کے بعد یہ رابطہ ٹوٹ گیا۔

اکتوبر کے آخر میں خبر آئی کہ امریکی حکام نے قیام امن کی کوششوں کو تیز کر کے بنگلہ دیش حکومت کے قائدین سے غیر رسمی رابطہ پیدا کر لیا تھا۔ گو بنگلہ دیشی وزیر داخلہ مسٹر اے۔ ایچ۔ ایم۔ قمر الزمان نے اس کی تردید کی مگر یہ حقیقت ہے کہ نومبر میں مسز گاندھی کو باخبر رکھ کر امریکیوں نے پاکستانی حکام اور شیخ مجیب کے منظور کردہ عوامی لیگ کے ارکان میں مذاکرات کی کوشش کی تھی۔

امریکی منصوبہ کچھ اس طرح کا تھا کہ وہ صدر یحییٰ کی اجازت سے شیخ مجیب کے وکیل اے۔ کے بروہی سے مل کر انہیں ترغیب دلائیں کہ وہ ایسا چینل (وسیلہ) بننے پر آمادہ ہو جائیں جس کے ذریعے شیخ مجیب عوامی لیگ کے ان ارکان کی ''خصوصی نامزدگی'' کرے جو صدر یحییٰ سے مذاکرات میں حصہ لیں۔ اس منصوبے کی کامیابی کے لئے ضروری تھا کہ

(1) عوامی لیگی جلاوطنوں اور شیخ مجیب میں امریکیوں اور مسٹر بروہی کے ذریعے۔ رابطہ کرنے کے لئے یحییٰ کی منظوری حاصل کی جائے۔

(2) اس طرح رابطہ پیدا کرنے کے لئے شیخ مجیب اور مسٹر بروہی کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کوشش کی جائے۔

(3) بھارت میں مقیم عوامی لیگیوں کو ترغیب دلائی جائے کہ وہ مسٹر بروہی کو بطور ترجمان قبول کر لیں۔

(4) شیخ مجیب کی خصوصی نامزدگی کی بنا پر انہیں پاکستانیوں کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے پر آمادہ کیا جائے اور

(5) عوامی لیگ کے نامزد شدہ ارکان سے گفتگو کے لئے پاکستانی حکام کو راضی کیا جائے

یہ بات ابھی واضح نہیں ہوئی کہ ان ملاقاتوں میں امریکیوں کو کس حد تک کامیابی ہوئی تھی مسٹر کیٹنگ (امریکی سفیر متعینہ بھارت) کو جو رپورٹ ملی اس کے مطابق صدر یحییٰ مسٹر بروہی

امریکی سفیر متعینہ پاکستان مسٹر جوزف فارلینڈ کی ملاقات پر تو رضامند ہو گیا تھا مگر شرط یہ لگائی کہ ان ملاقات میں مقدمے اور اس کے طریق کار کے متعلق مسٹر فارلینڈ معلومات حاصل کرے گا' مگر چار روز بعد یعنی 2 دسمبر کو یحییٰ نے مسٹر فارلینڈ کو مطلع کیا کہ مسٹر بروہی کو اس ملاقات میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

زیر بحث مذاکرات کا ذکر کرتے ہوئے مسز گاندھی نے 15 دسمبر کو صدر نکسن کے نام ایک خط میں لکھا' 'سیاسی حل کی ضرورت کے سلسلے میں محض زبانی جمع خرچ (لپ سروس) سے کام لیا گیا۔ اس کے حصول کے لئے ایک بھی قابل ذکر قدم نہ اٹھایا گیا۔ یہ سرگوشی تک سننے میں نہ آئی کہ بیرونی ممالک کے کسی شخص نے مجیب الرحمان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہو۔ ہماری سنجیدہ گزارشات کہ شیخ مجیب الرحمان کو رہا کیا جائے یا نظر بندی کے دوران میں اس سے میل پیدا کیا جائے قابل عمل تصور نہ کی گئیں۔ اس ضمن میں یہ دلیل پیش ہوئی کہ امریکہ ایسی پالیسیوں پر اصرار نہیں کر سکتا جو صدر یحییٰ خان کی معزولی کی طرف گامزن ہوں۔ گو امریکہ نے یہ تسلیم کر لیا کہ اس صورت حال میں مجیب کو بطن البطون کی حیثیت حاصل ہے اور یہ کہ آخر کار پاکستان کو بلاشبہ مشرقی پاکستان کی زیادہ سے زیادہ خود مختاری پر رضامند ہونا پڑے گا مگر یحییٰ خان کی مشکلات اور حالات کی نزاکت کے اظہار میں دلائل پیش کئے گئے۔''

20 نومبر کے بعد جنگ کی طرف بڑی تیزی سے قدم بڑھائے گئے۔ 21 نومبر کو جیسور کے بالمقابل بورا سیکٹر میں اور 27 نومبر کو ہلی کے محاذ پر تند و تیز لڑائیاں شروع ہوئیں۔ بورا کے محاذ پر بھارتی ٹینک پاکستانی علاقے میں گھس آئے۔ بھارتی فضائیہ نے بھی لڑائی میں حصہ لیا کہا یہ گیا کہ مکتی باہنی کا تعاقب کرتی ہوئی پاکستانی فوج بھارتی علاقے میں داخل ہو گئی تھی۔

24 نومبر کو مسز گاندھی نے اس واقعہ پر پارلیمنٹ میں بیان دیا اور اسی شام بھارتی ترجمان نے کہا کہ بھارتی فوج کو ہدایت جاری کر دی گئی ہیں کہ ''پاکستانی حملے'' کی صورت میں وہ آئندہ پاکستان کی سرحدوں میں داخل ہو سکتی ہے۔ بھارتی بیان کے مطابق اس موقع پر بھارتی فوج پاکستان کے علاقے میں آٹھ میل تک گھس گئی تھی۔

یادداشتوں اور احتجاجات کے ایک سلسلے میں پاکستان نے دعویٰ کیا کہ یہ صورت حال مشرقی پاکستان پر بڑے بھارتی حملے کی غماز ہے۔ بھارتی اس بات سے انکار نہ کر سکے گا کہ سفارتی محاذ پر

روس ہی بھارتی پوزیشن کا محور تھا۔

12 اکتوبر کو جب یحییٰ نے اپنے نشریئے میں مجیب کی غیر مشروط رہائی سے بالواسطہ انکار کیا
بھارت کو روس نے کھلی چھٹی دے دی۔ اور اگلے دور کے لئے بھارت اور روس کی متفقہ حکمت عم
کے منصوبوں کی توثیق شاید مسٹر فریوبن (روسی نائب وزیر خارجہ) کے دورہ دلی کے دوران م
اکتوبر کے آخر میں ہوئی۔ دونوں ممالک کی سرکاری پوزیشن یہ تھی کہ انہیں مجیب' عوامی لیگ ا
صدر یحییٰ کے درمیان سمجھوتہ قابل قبول ہوگا۔

بھارتیوں نے متعدد بار کہا تھا کہ اس سمجھوتے کا نتیجہ بنگلہ دیش کی آزادی پر ہو سکتا ہے
روس نے یہ بات اپنے ذمے لے لی کہ عالمی نگرانی میں فوجوں کی واپسی برصغیر میں سیکرٹری جنرا
کے دورے اور پاکستانی سرحدوں پر اقوام متحدہ کے مبصروں کی تعیناتی سے متعلق پاکستانی تجاویز
مخالفت کر کے اقوام متحدہ کو مداخلت کا موقع نہ دیا جائے گا۔

برصغیر میں کشمکش کو وسعت پذیر ہونے سے روکنے کے لئے روس نے نومبر میں کوئی قدم
اٹھایا۔ اسلام آباد اور واشنگٹن کے درمیان طے شدہ اقوام متحدہ کے رول کو عمل پذیر ہونے ۔
روکنے کے لئے روسی اثر و رسوخ نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ بحران کے آخری مرحلے میں دا
سے قبل یعنی ما قبل آخر دور) پن الٹیمیٹ فیز)...... میں روس نے تسلسل کے ساتھ بھارت کی حمایہ
میں یہ موقف اختیار کیا کہ مشرقی پاکستان کے بحران میں بین الاقوامی کشمکش کے امکانات مو
نہیں اور بدیں وجہ یہ مسئلہ اقوام متحدہ کے دائرہ کار سے باہر ہے۔

جب جنگ شروع ہوئی تو اس نے سلامتی کونسل میں بھارت کے تحفظ کی خاطر اپنی ویٹو
چھتری پھیلا دی۔ 29 نومبر کو یحییٰ نے اوتھان کو تجویز پیش کی کہ سرحدی خلاف ورزیوں کی رپور
کے لئے اقوام متحدہ کے مبصر تعینات کئے جائیں۔ پہلے وہ دونوں ملکوں کی سرحدوں پر مبصروں
تقرر کا مطالبہ کرتا رہا اب اس نے یہ کہا کہ مشرقی پاکستان کی سرحد پر ان کی تعیناتی کی جائے
بھارت کو روسی امداد کے بل پر یقین تھا کہ یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکے گی کیونکہ عمل درآمد سے
سلامتی کونسل کی منظوری لازمی تھی۔ بھرپور جنگ سے قبل جب بحران آخری سٹیج کی طرف بڑھ
مغربی طاقتوں کی پالیسی میں اختلاف رائے پیدا ہونا شروع ہوا۔ گزشتہ ماہ میں ان طاقتوں
عوامی لیگ اور اسلام آباد میں گفتگو کے سلسلے میں امریکی کوششوں کی حمایت کی تھی۔

اب فرانس اور برطانیہ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ نئے انتخابات سے قبل مشرقی پاکستان کو
اقوام متحدہ کے کنٹرول میں لے لیا جائے۔ 24 نومبر کو امریکہ نے بھی چین کی طرح فوجوں کی
واپسی کے لئے پاکستان کی تجویز کی حمایت کرنی شروع کر دی۔ ایک ہفتے بعد یکم دسمبر کو امریکہ نے
یہ اعلان کر کے کہ بھارت کو اسلحے کی برآمد بند کر دی گئی ہے اور موجودہ لائسنس منسوخ ہو چکے ہیں۔
کنایتہً پاکستان کے الزام کی تائید کی کہ مشرقی پاکستان کی سرحد پر نازک صورتحال کی ذمہ داری
بھارت کی ہے۔ یکم دسمبر تک شطرنج کی بساط پر تمام مہرے جمع کر دیئے گئے تھے۔ بس اب بازی
شروع ہونے کو تھی۔

3 دسمبر 1971ء کی شب' جب بھارت اور پاکستان میں آخر کار عام جنگ چھڑی تو فریقین
میں بہت زیادہ تفاوت تھا۔ چین سے 1962ء کی سرحدی لڑائی کے بعد بھارت کی فوج میں بلحاظ
تعداد تربیت اور ساز و سامان میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا۔ روس اور مغربی طاقتوں کی مدد سے اس کی
اسلحہ ساز صنعت نے بے حد ترقی کر لی تھی چنانچہ جب 1965ء کی جنگ کے بعد بھارت
اور پاکستان کی فوجی امداد پر پابندی لگی تو بھارت زیادہ متاثر نہ ہوا۔ اس نے وسیع پیمانے پر روسی
اسلحہ حاصل کیا اور 1965ء کے بعد اس کی ترسیل جاری رہی۔ دوسری طرف چین کی خاصی
امداد کے باوجود پاکستان پر مغربی بالخصوص امریکی اسلحے کی بندش کے گہرے اثرات پڑ رہے تھے۔

مشرقی پاکستان میں دہشت پسندوں بالخصوص مکتی باہنی نے مشکلات پیدا کی تھیں۔ مغربی
پاکستان میں متعین بنگالیوں نے 1965ء کی طرح بھرپور حصہ نہ لیا' یہاں کی فضائیہ پر اس کا زیادہ
اثر پڑا۔ 1965ء میں ایوب خان نے برطانوی طرز کی پیروی میں جائنٹ چیفس آف سٹاف سسٹم
کے ذریعے باہمی اشتراک عمل پیدا کر دیا تھا' مگر 1971ء میں صورت حال مختلف تھی۔ سیاسی
تقاضوں کے تحت یحییٰ خان کو فوج کے کمانڈر انچیف کا عہدہ اپنے پاس رکھنا پڑا کہ اسی کی بنا پر وہ
صدر اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بنا تھا۔

علاوہ ازیں صدر ہونے کے ناطے وہ سپریم کمانڈر بھی بن گیا تھا۔ اس طرح فوجی کمان کا جو
نظام ابھرا اس میں بہت ہی زیادہ مرکزیت تھی۔ ساتھ ہی بری فوج کو غالب حیثیت حاصل تھی۔
چنانچہ مغرب میں آپریشنل کنٹرول کی تفصیلات طے کرنے اور جنگ کے متعلق ہدایات جاری
کرنے کا کام جی' ایچ' کیو راولپنڈی میں ہوتا تھا۔ یہاں صدر یحییٰ کو کمان کے تمام اختیارات

حاصل تھے۔

یحییٰ کا پرنسپل سٹاف افسر، جنرل پیرزادہ، آرمی چیف آف سٹاف، جنرل حمید خاں اور چیف آف جنرل سٹاف (جس کا تعلق بھی بری فوج سے تھا) جنرل گل حسن یحییٰ کی مدد کرتے تھے۔ ا مارشل رحیم خاں کی فضائیہ کا ہیڈ کوارٹر ان لوگوں سے تین سو میل دور پشاور میں تھا اور بحریہ کا صا دفتر تو اور بھی زیادہ دور کراچی میں تھا۔ مشرقی پاکستان میں جنرل نیازی کی مشرقی کمان کو کاغذ آزادی (تھیوریٹیکل انڈی پنڈنس)...... حاصل تھی (اور یہ یقینی معلوم ہوتا ہے کہ 3 دسمبر کو مغر میں محاذ کھولنے کے فیصلے سے مشرقی کمان کو آگاہ نہ کیا گیا تھا) مگر عملاً جیسا کہ واقعات نے ثابر کیا، مرکز کے علاوہ مشرقی پاکستان کے گورنر اور اس کے مشیر فوجی امور میجر جنرل راؤ فرمان علی خا سے روابط کے معاملے میں ''اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے'' کے مصداق جنرل نیازی کو جنرل نیازی کے اختیارات کی ماہیت اور حدود سے آگاہ نہ تھا۔

جہاں تک ان حربی احوال (سٹریٹیجک کنڈیشنز)...... کا تعلق ہے جن میں جنگ ہو پاکستان کو بھارت کے بہترین مقابلے پر اپنے بدترین کا سامنا تھا بھارتی فوج کی تنظیم کئی سالو سے اس مفروضے پر ہوئی تھی کہ اس کے سپرد دو محاذ ہوں گے (1) ہمالیہ میں چین کے خلاف (مغرب میں پاکستان کے خلاف۔

دوسری طرف، پاکستانی فوج کی تنظیم اس مفروضے پر کی گئی تھی کہ اسے مغربی سرحد پر بھار کے خلاف میدان سنبھالنا ہوگا۔ مگر اس پاک، بھارت جنگ میں یہ مفروضے غلط ثابت ہو پاکستان کو مجبوراً اپنی فوج کو مشرقی اور مغربی پاکستان کے دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ تیسرا (ہمالیہ میں چین اور بھارت کی جنگ) مختلف وجوہ کی بنا پر کھلنے سے بچ گیا۔ ان وجوہ کی تفصیل ہے۔

(1) بھارت اور روس ڈپلومیسی

(2) چین کا ضبط نفس

(3) ہمالیہ کے دروں میں موسمی اثرات (یعنی یخ بستگی)

(4) مغربی سرحدوں پر بھارت کی احتیاط

ایک اور محاذ کو جنگی اہمیت دینا قدرے دور از کار سی بات ہوگی۔ اس چوتھے محاذ کے کھا

امکان جنگ کے دوسرے ہفتے میں پیدا ہوا تھا، جب امریکہ نے ساتویں بحری بیڑے سے الگ کر کے انٹر پرائز...... کو خلیج بنگال میں بھیجا تھا۔ باوجود اس امر کے کہ مشرق میں مکتی باہنی کے خلاف جنرل نیازی نے دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر اکتفا کیا تھا باوجود پاکستان کی فوجی ڈپلومیٹک کمزوری کے اور باوجود مجموعی حربی منظر کے پیش کردہ خطرات کے اسلام آباد میں مقیم پاکستانی حکام نے شومئ قسمت سے یہ فیصلہ کیا کہ مغربی سرحد سے حملہ کیا جائے اور اس بدقسمت فیصلے نے بھارت کو ایسا نادر موقع فراہم کر دیا جس سے فائدہ اٹھا کر وہ مشرقی پاکستان کے خلاف اپنی تمام تر عسکری صلاحیتیں بروئے کار لے آیا۔

اس سوال پر بحث کہ پاکستان نے مغربی محاذ کیوں کھولا، دلچسپی سے خالی نہ ہوگی، اگر بھارتی چیلنج کو قبول نہ کیا جاتا تو بزدلی کا طعنہ سہنا پڑتا۔ علاوہ ازیں یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر چیلنج قبول نہ کیا گیا تو بھارت اور شیر ہو کر مشرقی پاکستان پر حملے کرے گا۔ یہ بھی ہے کہ صلح کی طرف مائل ہونے اور جنگ سے دامن کشی پر عمل درآمد کے سلسلے میں یحییٰ کی آزادی کو ''مشکل پسندوں'' (ہارڈ لائنرز) کے اثر و رسوخ نے محدود کر رکھا تھا۔

''واشنگٹن پوسٹ'' میں نومبر کے آخر میں جنرل فرمان علی کا ایک انٹرویو شائع ہوا تھا جس میں اختلاف رائے کا حوالہ تھا۔ اور یہ پیش گوئی کی گئی تھی کہ عام جنگ نہ ہوگی''۔ اگر صدر جنگ نہ چھیڑے تو یہ لیفٹیننٹ کرنل اور میجر جنگ میں کود نہیں سکتے۔'' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پاکستان کے طے شدہ دفاعی نظریئے کہ (مشرقی بازو کا دفاع مغرب سے کیا جائے گا) کے باعث حملے کا فیصلہ کیا گیا ہو۔ اس نظریئے پر 1965ء کی جنگ میں کامیابی سے عمل ہو چکا تھا اگر مزاحمت (ڈی ٹیرنس) کی پالیسی میں ناکامی ہو اور جنگ چھڑ جائے تو یہ فرض کر لیا گیا کہ مغربی سرحد پر پاکستانی قبضے میں بھارتی علاقہ مشرقی پاکستان میں بھارتی پیش قدمی کے عوض تبدیل کر لیا جائے گا چنانچہ اس حکمت عملی کے مطابق یحییٰ نے ستمبر اور اکتوبر میں فیصلہ کر لیا کہ مغربی سرحد پر پاکستان کے حملے کی دھمکی دے کر بھارت کو باز رکھا جائے اور مشرق میں پاکستان میں جنگ پھیلنے کو روکنے کے لئے ہمالیہ میں چینی حمایت کے امکان کو روبعمل لانے کے لئے سفارتی کوشش کی جائے۔

یہ قیاس کر کے شاید مشرقی پاکستان کا کماحقہ دفاع نہ ہو سکے گا اس کے نقصان کو یوں پورا کر لیا جائے گا کہ مغرب میں پاکستان کی سرحدوں میں توسیع کر دی جائے۔ بالخصوص کشمیر کا متنازعہ

علاقہ پاکستان میں شامل کرلیا جائے۔ یہ وہ ڈپلومیٹک حربہ بھی ہوسکتا ہے جس پر یحییٰ اکتوبر سے
پیرا تھا' یعنی مغرب میں جنگ کے خطرات کے مہیب سایوں کو پھیلا دیا جائے تاکہ اقوام متحدہ:
پیدا شدہ تعطل کا خاتمہ ہو' اور اقوام متحدہ اور بڑی طاقتیں برصغیر میں بھی بھرپور جنگ کے خطرے
ختم کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ وہ پالیسی معلوم ہوتی ہے جس کی طرف جنرل فرمان علی نے اشا
کیا تھا۔

اس نے واشنگٹن پوسٹ کو بتایا تھا "جب تمام دنیا جان جائے کہ تمام کھیل سیاسی ہے
میرے خیال میں وہ جنگ کی اجازت نہ دے گی"۔ چنانچہ نومبر میں یہ محسوس کیا گیا کہ مش
پاکستان کے ڈپلومیٹک دفاع کا انحصار مغرب میں فوجی اقدام پر ہے۔ ایسی جنگ (جو علاقہ حا
کرنے کے لئے لڑی جائے تاکہ یہ مقبوضہ علاقہ بعد کے مذاکرات میں تبادلے کے لئے استع
ہو) کی منطق کا تقاضا یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ علاقے پر قبضہ کرلیا جائے اور اس قبضے کے لئے
ایک سیکٹر کو مخصوص نہ کیا جائے۔ ایسی جنگ (جس کا مقصد کوئی علاقہ مستقل طور پر حاصل کرنا
اس امر کی متقاضی تھی کہ کشمیر کے حصول کے لئے پاکستان ایڑی چوٹی کا زور لگائے مگر وہ جنگ ج
کا مقصد ایک تنازعے کو بین الاقوامی حیثیت دینا ہو یہ بات اپنے دامن میں سمیٹے تھی کہ پاکستان
طرف سے ضبط اور اکراہ کا تاثر دیا جائے۔

اقوام متحدہ میں بھارت کو روسی ویٹو کی حفاظت حاصل تھی اور بھارت کی جنگی حکمت عملی ی
کہ مشرقی پاکستان میں پاکستان کو ناقابل مدافعت حالت پر پہنچانے کے لئے تیز اور فیصلہ کن
اختیار کیا جائے اور ساتھ ہی مغربی سرحد پر اپنا دفاع کیا جائے۔ مغربی پاکستان پر بڑا حملہ کر
کے لئے بھی بھارت نے یقیناً ہنگامی منصوبے (کنٹجنسی پلانز)...... بنا رکھے ہوں گے اور جنگ
دوران میں ان پر تفصیلی غور وفکر کیا ہوگا مگر ہمارے پاس اس بات کے شواہد نہیں کہ ان پر عمل در
کے لئے بھارتی قیادت کو کبھی بھی سنجیدہ خواہش رہی ہو کیونکہ اس پالیسی میں دو خطرات مضمر تھے۔

ایک تو چینی مداخلت کا شدید خطرہ تھا اور دوسرے اس صورت میں چین حمایت کی ڈور
حدود سے بڑھ جانے پر ٹوٹ جاتی۔ اس طرح جنگ کے آغاز سے دونوں فریقوں کی دو
محاذوں پر ہر دو جنگی حکمت ہائے عملی ایک دوسرے کا عکس تھیں۔ مغرب میں پاکستان نے جار
پوزیشن اختیار کی اور بھارت نے دفاعی۔ مشرق میں پاکستان کی حکمت عملی "دفاعی" تھی

ارت میں طویل مدت تک اور نہایت غور وفکر کے بعد حملے کی تیاری کی تھی۔

14 دسمبر کو امریکی وزارت خارجہ کے ترجمان نے اعلان کیا کہ "بھارت نے ایسی پالیسی
یار کی جس کی وجہ سے بحران نہ صرف دیدہ دانستہ زندہ رکھا گیا بلکہ اس میں شدت پیدا کی۔ اس
یسی کے نتیجے میں جھڑپوں کو جو وسعت ملی اس کی بیشتر ذمہ داری بھارت پر عائد ہوتی ہے۔ 6
بر کو اقوام متحدہ میں امریکی نمائندہ مسٹر جارج بش نے ٹیلی ویژن پر بتایا کہ بھارت "واضح
رحیت" کا مرتکب ہوا ہے۔

6 دسمبر کو بھارت کے لئے امریکی امداد بند کر دی گئی۔ اسی روز واشنگٹن میں جائنٹ چیفس
ف سٹاف کے سپیشل ایکشن گروپ کا اجلاس ہوا۔ اس اجلاس کے دوران میں ڈاکٹر کسنجر کے سوال
ے جواب میں جنرل ویسٹ مورلینڈ نے بتایا کہ مشرقی پاکستان زیادہ سے زیادہ تین ہفتے تک اپنا
اع کر سکتا ہے۔ 7 دسمبر کو ڈاکٹر ہنری کسنجر نے ایک پریس کانفرنس طلب کی۔ ڈاکٹر کسنجر کے بیان
ے اقتباسات ضمیمہ 13 کی صورت میں کتاب میں شامل ہیں۔

اس ضمیمے کے مندرجات اتنے دلچسپ اور اہم ہیں کہ مذکورہ ضمیمے کا متعلقہ متن آپ کے
حظے کیلئے پیش کر رہے ہیں۔

کچھ تبصرے ہوئے ہیں کہ بھارت کے معاملے میں حکومت کا رویہ معاندانہ ہے۔ یہ انتہائی
الزام ہے۔ بھارت عظیم ملک ہے۔ آزاد ممالک میں آبادی کے لحاظ سے یہ سب سے بڑا ملک
ہے۔ اس میں جمہوری حکومت ہے جنگ عظیم کے بعد امریکہ کی تمام حکومتوں کو اس بات کا احساس
ہے کہ انہیں بھارت کی تعمیر وترقی میں حصہ لینا چاہئے اور اس کے پیش نظر امریکی عوام نے دس
ین ڈالر عطا کئے ہیں' چنانچہ جب بھی ہم نے بھارت سے اختلاف کیا' جیسا کہ حالیہ ہفتوں میں
ا۔ ہمیں بصد رنج وغم ایسا کرنا پڑا۔ اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں حالات کو اس طرح آپ کے
امنے رکھوں جیسے ہم انہیں دیکھتے رہے ہیں۔

25 مارچ کی طرف واپس چلئے۔ یہ وہ دن ہے جب حکومت پاکستان نے مشرقی بنگال پر
جی حکومت نافذ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس عمل کو شروع کیا جس نے موجودہ مقام تک پہنچا دیا۔
ریکہ نے کبھی بھی اس خاص اقدام کی جس نے واقعات کا المناک سلسلہ شروع کر دیا' حمایت
یں کی۔ امریکہ نے تو ہمیشہ اس بات کو تسلیم کیا کہ بھارت کی طرف لوگوں کے انخلا نے بھارت

میں فرقہ وارانہ تنازعے کا خطرہ کھڑا کر دیا اور بھارت وہ ملک ہے جس پر فرقہ وارانہ فسادات
خطرہ ہمیشہ منڈلاتا رہتا ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ اس انخلا سے ایسے ملک کی معیشت دباؤ پڑا ہے جو ترقی پذیر ہے اور جر
کے ذرائع پہلے ہی محدود ہیں۔ امریکہ کی پوزیشن یہ رہی ہے کہ اس نے بیک وقت دو چیزوں
لئے کوشش کی۔ ایک یہ کہ انسانی مصائب کو کم کیا جائے اور پناہ گزینوں کی واپسی کا اہتمام ہو
دوسرے یہ کہ اس تنازے کا سیاسی حل نکالا جائے جس نے سب سے پہلے لوگوں کے انخلا کو جنم دیا۔

مارچ 1971ء میں جو کچھ ہوا' امریکہ نے اس پر چشم پوشی سے تو کام نہیں لیا' بلکہ امریکہ۔
اس وقت سے پاکستان کو کوئی نیا ترقیاتی قرضہ تک نہیں دیا۔ علاوہ ازیں' پاکستان کو فوجی سامان
ترسیل کے متعلق بھی بہت کچھ سننے میں آیا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ مشرقی پاکستان میں مذکو
اقدام کے بعد مارچ ہی سے امریکہ نے پاکستان کو نئے لائسنس دینے بند کر دیئے' اور امر
ڈپوؤں اور حکومت کے ماتحت اداروں سے اسلحہ کی سپلائی بند کر دی۔ جو اسلحہ پاکستان کو بھیجا جاتا
وہ کمرشل اداروں کو جاری کردہ پرانے لائسنسوں سے متعلق اور فالتو پرزوں پر مشتمل تھا۔ اس م
تباہ کن یا مکمل اشیاء شامل نہ تھیں۔ آپ اس امر سے مقدار کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس سال مار
کے آخر یا اپریل کے شروع میں امریکہ نے پاکستان کو 35 ملین ڈالر کے اسلحے کی ترسیل پر خط تنسیخ
کھینچ دیا اور صرف 5 ملین ڈالر کا فوجی سامان بھیجا جس کے بعد ''پائپ لائن'' میں موجود تمام ا
منجمد کر دیا گیا۔

یہ البتہ صحیح ہے کہ امریکہ نے مذکورہ اقدام پر کھلے تبصرے نہ کئے اس کی وجہ یہ تھی کہ امر
چاہتا تھا کہ دلی اور اسلام آباد پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے سیاسی حل پر تصفیہ کرا کے پناہ گیر
کی واپسی کا سامان پیدا کرے۔

''ہم نے سیاسی حل کے لئے کوششیں کیں اور حکومت بھارت اور ہم میں جو اختلافات
ان کا خلاصہ سن لیجئے۔ حکومت نے بھارت کو متعدد مرتبہ بتایا۔ وزیر دفاع نے بھارتی سفیر
اٹھارہ بار ملاقات کی۔ اور میں نے اگست کے بعد صدر کے ''بی ہاف'' پر اس سے سات مر
ملاقات کی ہم سب نے اسے بتایا کہ مشرقی بنگال کی سیاسی خود مختاری ناگزیر نتیجہ ہے سیاسی ارتقا
اور ہم سب اس کی حمایت کرتے ہیں۔ ہم میں اس بات پر اختلاف رہا کہ بھارتی حکومت حالا

س تیز رفتاری پر آمادہ کرنے کی تمنائی تھی کہ وہ سیاسی ارتقائی عمل کے بجائے سیاسی شکست و
ے کو موضوع گفتگو بناتی رہی' جب بھارتی وزیراعظم یہاں تشریف لائیں' ہم نے انہیں بتایا کہ
تان نے یک طرفہ طور پر سرحدوں سے فوجیں واپس بلانے کی پیش کش کی ہے۔ اس کے
ب میں ہمیں ''خاموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری'' سے واسطہ پڑا۔

ہم نے شریمتی جی کو بتایا کہ زندانی' مجیب الرحمان کے خصوصی نامزد کردہ عوامی لیگ کے
ین اور پاکستانی حکام کے درمیان ہم گفت و شنید کرانے کی کوششیں کریں گے۔ بھارتی سفیر
وطن لوٹنے سے کچھ پہلے ہم نے اسے بتایا کہ ہم ان کے ساتھ سیاسی ٹائم ٹیبل' مشرقی بنگال میں
ی خود اختیاری کے قیام کے لئے قطعی ٹائم ٹیبل پر گفتگو کے لئے تیار ہیں۔ جب ہم یہ کہتے ہیں
فوجی اقدام کی ضرورت نہ تھی تو ہمارا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ بھارت کو کوئی مشکل پیش نہ آئی تھی۔
یہ نہیں کہتے کہ ہم بھارت کی قدر نہیں کرتے یا ہم بھارت کے مسائل غیر ہمدردانہ رویہ رکھتے
۔ یہ ملک جس کا کئی پہلوؤں سے بھارت کے ساتھ معاشقہ رہا ہے' نہایت دکھ کے ساتھ یہ
قت تسلیم کرتا ہے کہ فوجی اقدامات بلا جواز تھے۔ اگر ہم اقوام متحدہ میں اس رائے کا اظہار
تے ہیں تو یہ اس لئے نہیں کہ ہم برصغیر میں ایک خاص نقطہ نظر کے حامی ہیں یا ہم ایسے ملک کی
ن سے محروم رہنا چاہتے ہیں جو ہمیشہ دنیا کے عظیم ممالک میں شمار ہوتا رہے گا۔ یہ تو اس وجہ سے
ہے کہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ۔

جیسا کہ بعض ضرب الامثال ہیں۔ اگر گنتی فوجی حملے کے حق کا جواز بنے' اگر سیاسی دانش کا
ار یہ بات کہنے پر ہو کہ حملہ آور کی تعداد پانچ سو ملین ہے اور اس لئے امریکہ کو ہمیشہ اس کا ساتھ
ا چاہئے جس کی گنتی زیادہ ہو تو ہم ایسے حالات پیدا کرنے میں ممد و معاون ہو رہے ہوں گے جو
تقبل قریب میں عالمی نراج اور بدنظمی پر منتج ہو گے اور جہاں ان کا دور' جس کا قیام صدر کی عظیم
بنا آرزو ہے خطرے میں پڑ جائے گا یہ ضروری نہیں کہ اس صورت حال میں پہلا شکار امریکہ ہو
بل عالم کے انسانوں پر منطبق ہو گا میرا یہ کہا ہوا''۔

اب اگلا پیچ کسا گیا آٹھ تاریخ کو حکم جاری ہوا' آئندہ سال ایڈ (Aid) کے بجٹ میں
رت کے لئے بھی کچھ نہ کچھ رکھا جائے۔ 12 دسمبر کو مسئلہ جنرل اسمبلی نے سلامتی کونسل میں
ل آیا اور اسی روز وائٹ ہاؤس سے بیان جاری ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ ''مشرقی پاکستان پر

بھارتی فوج نے قریب قریب قبضہ کرلیا ہے اور جنگ میں تسلسل اقوام متحدہ کے رکن ملک کے
کومٹانے کی کوشش تصور ہوگا۔"

آٹھ تاریخ کو جنرل اسمبلی میں پاس شدہ قرارداد کی بنیاد پر سلامتی کونسل میں پیش کردقرار
پرتقریر کے دوران میں 12 دسمبر کو مسٹر بش نے "ایک واضح اور غیر مبہم بھارتی یقین دہانی کا
پاکستان کے علاقہ کا الحاق اور کشمیر میں موجودہ صورت حال کی تبدیلی نہیں چاہتا" مطالبہ کیا
سورن سنگھ نے جوابا یقین دہانی جس میں کشمیر کے معاملے کو نظر انداز کردیا گیا' کرائی کہ "م
پاکستان یا بنگلہ دیش کے علاقے کی حصول کے بھارت کو کوئی خواہش نہیں۔" مسٹر بھٹو نے اعلا
"ہم ایک ہزار سال تک جنگ جاری رکھ سکیں گے۔"

13 دسمبر قرارداد پر ووٹنگ ہوئی۔ روس اور پولینڈ نے مخالفت کی برطانیہ اور فرانس
دوبارہ اجتناب برتا۔ روس نے پھر تجویز پیش کی بنگلہ دیش کے نمائندے کو کونسل میں پیش ہو
دعوت دی جائے۔ اس پر چینی نمائندے نے پھر اعتراض کیا اور روسی تجویز کو دوبارہ واپس
گیا۔ 14 دسمبر کو اٹلی اور جاپان کی پیش کردہ قرارداد پر مختصر سا غور کیا گیا۔ ووٹنگ کے بغیر
ملتوی ہوگئی۔

اگلے روز کونسل کے اجلاس میں مسٹر بھٹو نے (نوٹس) پھاڑ ڈالے اور واک آؤٹ کر گ
سفارتی مداخلت جو جنگ روکنے میں ناکام رہی تھی جنگ کو ختم کرنے میں بھی ناکام ہوگئی۔
تاریخ کو سورن سنگھ نے کونسل کو بتایا کہ بھارتی اور پاکستانی افواج کا بنگلہ دیش میں جنگ بند
سمجھوتہ ہوگیا اور وہ یہ کہ اگلی صبح کو مغربی سرحد پر بھارتی فوج یکطرفہ طور پر جنگ بند کردے گی۔

اینڈرسن پیپرز کے مصنف کے مطابق دسمبر 7 کو واشنگٹن میں خبر آئی کہ سیلون کے قر
"روسی بحریہ کے تین جہاز' ایک مائن سو یپر اور ایک ٹینکر شمال مشرق میں خلیج بنگال کی طرف" ر
رہے ہیں۔ جنوبی ویت نام کے قریب 10 دسمبر کو ایک ایئر کرافٹ کیریر انٹر پرائز' ایک لڑاکا (
خشکی کا یعنی AMPHIBIOUS جہاز' چار گائیڈڈ میزائل سے لیس تباہ کن جہاز ایک گا
میزائل والا فریگیٹ اور ایک لینڈ ناگ کرافٹ امریکی ساتویں بحری بیڑے سے الگ کرد
گئے۔ پندرہ تاریخ کو ان کے خلیج بنگال میں داخل ہونے کی خبر ملی مگر اس ٹاسک فورس کی روا
خبر 13 دسمبر کو عام ہو چکی تھی۔ اگلے روز امریکی وزیر دفاع نے اعلان کیا کہ حکومت نے م
پاکستان سے امریکی شہریوں کے نکاس کے لئے ہنگامی اقدامات کئے ہیں۔

پندرہ تاریخ کو سرکاری طور پر کہا گیا کہ جنگ بندی کے بعد یہ ٹاسک فورس مشرقی پاکستان
پاکستانی فوج کے انخلا میں شاید مدد کرے۔ اینڈرسن ہی کے مطابق سی آئی اے نے خبر دی ہے
آٹھ دسمبر کے بعد چینی' روسی سرحدی مقامات اور تبت کے بارے میں چینیوں نے موسمی خبروں
سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ یہ صورت حال غیر معمولی تھی اس سے لداخ میں ممکنہ چینی مداخلت کا
نکلتا تھا۔

جب 16 دسمبر کو مشرق میں جنگ بندی ہوگئی تو چینی حکومت نے براہِ راست مداخلت کی۔
نے بھارت سے احتجاج کیا کہ 10 دسمبر کو بھارتی فوج کے عملے نے سکیم کی سرحد عبور کرلی
۔ اس اقدام کا واضح مقصد یہ تھا کہ مغرب میں توسیع جنگ کے خلاف بھارت کو متنبہ کیا
ئے۔ امریکی ٹاسک فورس انٹر پرائز کی روانگی کا نمایاں اثر بھارت کی بجائے پاکستان پر پڑا۔
ں اس نے مشرقی پاکستان میں جنگ کو عام حالات سے زیادہ دنوں تک طول دینے کے لئے
ت کی حوصلہ افزائی کی۔

10 دسمبر کو سہ پہر کو میجر جنرل راؤ فرمان علی' گورنر مشرقی پاکستان کے مشیر برائے فوجی امور
سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ کے نمائندے پال مارک ہنری کے دفتر میں آ کر اس سے کہا کہ وہ
م متحدہ کے مواصلاتی پیغام کے ذریعے صدر یحییٰ تک اس کی درخواست پہنچا دے۔ اس
واست میں ڈھاکہ میں مقیم پاکستانی حکام کے مجوزہ اقدامات کی منظوری طلب کی گئی تھی۔ اس
فی الفور جنگ بندی' مشرقی پاکستان میں متعین پاکستانی فوج کی واپسی کے لئے انتظامات'
رتی فوج کی واپسی اور مشرقی پاکستان کے منتخب عوام کو بلا کر پر امن انتقام اقتدار کی شرائط تحریر
ں۔

جنرل فرمان علی نے بتایا کہ جنرل نیازی سے مشورہ کرلیا گیا ہے اور یہ کہ گورنر نے "قطعی مگر
س فیصلے کی ذمہ داری" میرے سپرد کردی ہے۔ اس آخری نکتے سے ڈھاکہ میں مقیم سیکرٹری
ل کا نمائندہ نیویارک میں سیکرٹریٹ کا عملہ غلط فہمی میں مبتلا ہوگیا۔ اگرچہ جنرل واضح طور پر صدر
ی کی منظوری طلب کر رہا تھا مگر جنرل کے نوٹ کو ڈھاکہ کے پاکستانی حکام کی طرف سے جنگ
ی کی اٹل پیش کش تصور کرتے ہوئے سلامتی کونسل کو مطلع کردیا گیا مگر گیارہ تاریخ کو اسلام آباد
ے ڈھاکہ پیغام پہنچایا کہ کوئی جنگ بندی نہیں ہونی چاہئے۔ پاکستان کے سرکاری ترجمان نے
لام آباد میں بتایا کہ پاکستان نے دوست طاقتوں سے سمجھوتوں کے تحت مدد طلب کرلی ہے۔

ڈھاکہ کو بتایا گیا کہ دوستوں کی مدد آنے کو ہے اور ڈھاکہ میں اس سے مراد چین کی حمایت وام
کی بحری اور فضائی مداخلت لی گئی۔ یہ امر یقینی ہے کہ جنگ بندی کے لئے جنرل فرمان علی کی تج
کی نامنظوری اسی وجہ سے ہوئی کہ اسلام آباد کو چین اور امریکہ کی مادی امداد کی امید بندھ گئی تھ
آئندہ چار روز میں ڈھاکہ کی قیادت پر واضح ہو گیا کہ حالات بے قابو ہو چکے ہیں اور مش
پاکستان میں جنگ بندی اب تاخیر کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

14 دسمبر کو مشرقی پاکستان کے گورنر اور اس کی کابینہ نے استعفے دے دیئے۔ انہوں
اقوام متحدہ کے زیر نگرانی غیر جانبداری علاقے یعنی ڈھاکے کے ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں پناہ
بعد ازاں اسی سہ پہر کو جنرل نیازی اور جنرل فرمان علی نے امریکی قونصل مسٹر ہربرٹ سپیو
سے ملاقات کی۔ جنرل نیازی نے مسٹر سپیواک سے مشروط جنگ بندی کی تجویز بھارت ار
کرنے کو کہا جنرل نیازی نے مسٹر سپیواک سے مشروط جنگ بندی کی تجویز بھارت ارسال کر۔
کہا اس تجویز میں (1) مغربی پاکستان واپسی کے لئے فوجوں کی گروپ بندی کی سہولتیں اور
نیم فوجی افراد کے علاوہ جن لوگوں نے مارشل لاء انتظامیہ سے تعاون کیا تھا ان کی زندگی کی ضا
مطلوب تھی۔ یہ تجویز 14 دسمبر کے بجائے 15 دسمبر کی سہ پہر کو جنرل مانک شا کو روانہ کر دی گ
اس نے جواباً کہا کہ ڈھاکہ پر فضائی حملے اس روز شام 5 بجے تک ملتوی کر دیئے جائیں لیکن مش
پاکستان میں فوج کو غیر مشروط ہتھیار ڈالنے پڑیں گے بصورت دیگر 16 دسمبر کو صبح کو حملہ پھر ش
کر دیا جائے گا پیغام رسانی کی مشکلات کے سبب جنرل نیازی نے عارضی صلح (ٹروس) میں ت
چاہی اور پھر 16 دسمبر کو ہتھیار ڈال دیئے گئے ہیں۔

برصغیر میں 1971ء کے بحران کے ضمن میں پیدا ہونے والے اہم ترین سوالات یہ ہیں
اسلام آباد علاقانہ پالیسی پر عمل کرتا یا بھارت ہی مختلف پالیسی اختیار کرتا تو کیا پاکستان کو دو
ہونے سے بچایا جا سکتا تھا؟ کیا پاکستان اور بھارت کی باہمی دشمنی اندرونی بٹوارے اور
بٹوارے کے بے رحم عمل میں گرفتار ہیں؟ بھارتی تو بلاشبہ اپریل ہی سے واقعات کے دھارے
مطمئن تھے اپریل سے بھارت مکتی باہنی کی سرگرمیوں کی بالواسطہ مدد کر رہا تھا اور اس کا امکان
کہ مون سون کے موسم میں بھارت کی بارڈر سکیورٹی فورسز اس کی بری فوج اور بحریہ کے افرا
"غیر سرکاری طور پر" مشرقی پاکستان پر حملوں میں حصہ لیا۔ ستمبر میں مون سون کے خاتمے
سرحدوں پر بارڈر سکیورٹی فورس کے بجائے بھارت کی باقاعدہ فوجی کی تعیناتی کے بعد بھار

ت براہ راست ہو گئی یحییٰ خان کے 12 اکتوبر کے نشریئے اور اس کے نتیجے میں سمجھوتے کے
روی کوششوں کے انقطاع پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دلی میں سوچ بچار کے بعد فیصلہ کر لیا گیا کہ
ق کی طرف پاکستانی پر فوجی دباؤ میں اضافہ کی جائے۔ 22 اکتوبر کو بھارتی فوج کے ریزرو
ج طلب ہو گئے اور اگلے ہفتے کے دوران میں مسز گاندھی کے مغربی ممالک کے دورے پر روانگی
پیش تر یہ اصولی فیصلہ کر لیا گیا کہ بھارتی افواج کو مشرقی پاکستان میں داخل ہونے کی اجازت
ی دی جائے تا کہ پاکستان کی دفاعی کارروائیوں کو روکا جائے بھارت میں یہ خیال عام تھا کہ مسز
ھی کی 13 نومبر کی واپسی بھرپور جنگ کے آغاز کا سگنل ہو گی مگر اس نے لوک سبھا میں 15
کو اپنے دورے کے متعلق جو بیان دیا اس کا لہجہ نرم تھا۔ ظاہر ہے بھارتی حکومت نے یہ فیصلہ کر
تھا کہ اقوام متحدہ کے دو رکن ممالک کے درمیان بھرپور بین الاقوامی جنگ میں بھارت ایسی
ن اختیار نہ کرے جس سے وہ صریح جارح نظر آئے۔ اسکی جنگی حکمت عملی یہ تھی کہ دلی
سکو میں اشتراک عمل ہوتا ہے کہ صدر یحییٰ کو مطلوبہ بین الاقوامی حفاظت نہ مل سکے اور اسی
ن میں مکتی باہنی کے پردے میں مشرقی پاکستان پر فوجی دباؤ میں اضافہ ہوتا رہے تا آنکہ
ان کی داخلی یا خارجی پالیسی میں متوقع بحران پیدا ہو کر بھارت کو فیصلہ کن اقدام اٹھانے کا
ل جائے۔ اس تمام احتیاط کے باوجود بھارتی اس بات سے انکار نہ کر سکے کہ مکتی باہنی نے
کی ہے اور نہ اس حقیقت کو چھپا سکے کہ بھارت مکتی باہنی کی اس حد تک امداد کر رہا ہے کہ
ان کی سرزمین میں پاکستانی توپوں پر اور دفاعی اقدامات کرنے والی فوج پر بھارت کی بری اور
ا حملے کر رہی ہے جیسا کہ 3 دسمبر کے واقعات نے ثابت کر دیا مشرقی پاکستان پر پوری قوت
حملے کے لئے بھارت نے فوجی میدان میں اور سفارتی سطح پر مکمل منصوبہ بندی سے کام لیا تھا۔
ا اور بھارت کے فوجی تعلقات اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اقوام متحدہ کے بے
ہ دیائی نے جنگ عظیم کے بعد کی تاریخ میں سپر پاور اور حاشیہ نشین ممالک کے تعلقات پر
ل نئے باب کا اضافہ کیا ہے اور اس سے مستقبل کے لئے تیرہ و تار اداس و دلگیر راہیں کھل گئی

آخری لمحات کی کہانی
امریکی اخبارنویس اینڈرسن کی زبانی

اینڈرسن پیپرز کا نام محتاج تعارف نہیں۔ واٹر گیٹ سکینڈل کو بے نقاب کر کے
پرشہرت حاصل کرنے والے اس اخبارنویس نے اپنی مخصوص عینکؑ سے مشرقی پاکستان ک
کے سانحہ کو اپنے انداز سے دیکھا اور محسوس کیا۔ چونکہ ہماری قوم کی باگ ڈور بدقسمتی سے
اہل قیادت نے امریکہ بہادر کو تھما رکھی ہے اس لئے ہمارے ہاں اکثر مسائل کا جب تذکر
تو سیاق وسباق میں امریکہ کے حوالے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ امریکہ کا سقوط ڈھا
کردار تھا؟ ممکن ہے اس سوال کا جواب بہت تکلیف دہ ہو لیکن بہر صورت اس اہم سوال
حاصل کرنا ہے۔ اینڈرسن نے اپنے مضمون میں مشرقی پاکستان کے المیے میں نکسن انتز
کردار سے بحث کی ہے اس کا انداز پاکستان کے حق میں نہیں یوں بھی مصنف کا تعلق
مخالف کیمپ سے رہا ہے بہر حال لکھنے والے کے تعصبات سے قطع نظر تاریخ کے طالب علم
اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں خصوصاً پاکستان کی ایسٹرن کمانڈ سے متعلق اس نے :
بھی جاننے اور سمجھنے کی چیز ہے۔

❁

"پرل باربر کے حادثے کو تین سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ صدر رچرڈ
امریکہ کو ایک نئی عالمی جنگ کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔ وہ خفیہ طور پر سرگرم عمل تھا۔ اس
سوچی سمجھی تھیں۔ مگر اپنے اعمال پر پردہ ڈالنے کے لئے عوام کے سامنے جھوٹ بولتا رہا
کا نعرہ لگاتے ہوئے وہ ایک بھیانک جنگ کا خطرہ مول لے رہا تھا۔ امریکی تاریخ م
ہوا کہ اعلان جنگ کرنے کا وہ اختیار جو صرف اور صرف کانگریس کو حاصل ہے اسے ص
طور پر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور آئین کی صریح خلاف ورزی کی اس سلسلے میں آرٹیکل

، بالکل واضح ہے اس میں کسی ابہام گنجائش سرے سے موجود نہیں "اعلان جنگ کرنے کا اختیار
نگریس کو ہے" گزشتہ نصف صدی مین کانگریس نے صرف ایک بار دسمبر 1941ء میں محوری
قتوں کے خلاف اعلان جنگ کیا اس دوران میں امریکی صدر اعلان جنگ کے اختیار پر ڈاکہ
لتے رہے کئی واقعات تو اب تک پردہ اخفا میں ہیں ہیری ٹرومین نے جب ڈیڑھ لاکھ امریکی
ہیوں کو کوریا کی جنگ میں دھکیلا تو اس نے کانگریس سے قطعاً اجازت حاصل نہ کی آئزن ہاور
نے بھی کسی منظوری کے بغیر 1957ء میں بحریہ کے چھاتہ بردار بیروت میں اتار دیئے تھے۔ جنوبی
ت نام سے پہلا فوجی معاہدہ کرتے ہوئے بھی اس نے کسی سے پوچھنا گوارا نہ کیا۔ کینیڈی نے
وبا کے میزائل بحران کے دوران بحری ناکہ بندی کا حکم دیتے ہوئے کانگریس کو پس پشت ڈال
تھا ڈومینکن جمہوریہ پر جانسن نے حملے کا حکم دیا تو کانگریس سے کسی نے اجازت نہ لی۔ سی آئی
ے نے گوئٹے مالا اور لاؤس میں جو خفیہ جنگ جاری رکھی کانگریس اس سے بھی بے خبر تھی۔

کینیڈی نے کیوبا کے بحران کا سامنا جس انداز سے کیا اس سے رچرڈ نکسن بے حد متاثر
۔ وہ کینیڈی کی اس جرات کی تعریف کیا کرتا تھا جس کا مظاہرہ اس نے ایک ناگزیر ایٹمی تصادم
، خطرے کے دوران کیا تھا دسمبر 1971ء میں خود نکسن کو بھی خلیج بنگال کے پانیوں میں ایٹمی
ہرہ کرنے کا موقع میسر آ گیا جب ایک طرف پاکستان اور بھارت بنگلہ دیش کے قطعہ زمین پر
روف پیکار تھے تو دوسری جانب امریکہ روس اور چین نے بھی کچھ احکام جاری کر دیئے۔
ر روجن میزائیلوں سے مسلح فوجیں اور بحری بیڑے حرکت میں آئے امریکہ نے خفیہ طور پر خلیج
ل میں ایٹمی جہاز انٹرپرائز کی سرکردگی میں ایک ٹارٹ فورس روانہ کر دی۔ واشنگٹن کے احکام
تحت یہ جہاز جنگی انداز میں پیش قدمی کر رہے تھے اور یہ کوئی تربیتی مشق نہ تھی۔

نائب صدر سپروا گینو کی انگلیاں کسی کرسمس تقریب میں امن کے زمزمے پر متحرک تھی۔
ری طرف چین، روس اور امریکہ کی خطرناک چالوں نے دنیا کو جنگ کے کنارے پر لا کھڑا کیا۔
تی فوجیں مشرقی پاکستان کی سرحد عبور کر چکی تھیں اور بڑی طاقتوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا تھا
س فریق کا ساتھ دیں چینیوں نے جو خفیہ طور پر ہمالیہ کے راستے پاکستان کو اسلحہ فراہم کرتے
ہے تھے اپنی فوج بھارت کی سرحد پر متعین کر دی ادھر وائٹ ہاؤس، جس نے اپنے مفادات کا غلط
زہ لگایا خلیج بنگال کی طرف بحری بیڑ روانہ کر چکا تھا۔

اس دوران میں اعلیٰ روسی حکام نے بھارت کو یقین دلایا کہ چینی مداخلت کی صورت
روس خود چین پر حملہ کر دے گا اور امریکی بیڑے کی پیش قدمی کو روسی بحریہ روک دے گی
ملاقات میں کسی روسی افسر نے اپنے مد مقابل چینی کو روسی میزائلوں کی قوت کے بار
خبردار کیا۔ جدید الیکٹرانک آلات اور رشوت کے پرانے حربے کو استعمال کر کے امریکی شعبہ
رسائی نے یہ تمام معلومات جمع کر کے واشنگٹن پہنچا دیں۔

ممکنہ خطرات سے آگاہ کرنے کے بجائے کانگریس اور پریس کو یہ یقین دلایا گیا کہ
غیر جانب داری کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ نکسن ذاتی طور پر سینٹ اور ایوان کے اونچے ارکان
امر کا قائل کر رہا تھا کہ وہ صرف امن کے قیام کے لئے کوشاں ہے "ہم غیر جانب دار ہیں
نے سبھی کو بتایا "ہم کسی کا ساتھ نہیں دے رہے"۔ کسنجر بعض رپورٹوں کے سامنے زور دے ر
تھا کہ امریکہ کو بھارت سے کوئی عناد نہیں۔

درون پردہ نکسن اور کسنجر دونوں ایسی ہدایات جاری کر رہے تھے جنہیں کسی طرح
جانب داری پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ جنگ چھڑنے سے بھی پیشتر نکسن نے واشنگٹن اسپیشل
گروپ کو اپنے دفتر میں بلایا اور ان سے پوچھا کہ پاکستان کی کس طرح مدد کی جا سکتی ہے۔
گروپ میں تینوں مسلح افواج کے سربراہ وزارت خارجہ اور سی آئی اے شامل ہے۔ اس گ
قیام 1969ء میں عمل میں آیا تھا اور یہ کسی بحران کے وقت اس پر غور و خوص کرتا ہے۔ پاک
جنگ کے دوران اس گروپ کے کئی اجلاس منعقد ہوئے اور کسنجر نے اس کے ارکان پر با
دیا کہ وہ پاکستان کی مدد کے ذرائع تلاش کریں۔

"بعض اوقات کسنجر وحشی حرکتوں کا ارتکاب کرتا"۔ میرے ایک ذریعے نے مجھ
صدر کو قومی سلامتی کے امور میں رازداری کا حق حاصل ہے مگر اس کی بھی ایک حد ہوتی
امریکی عوام کو فریب دینے کا حق قطعاً حاصل نہیں۔ مجھے اپنے ذرائع سے برابر معلومات
رہی تھیں اور جب میں نے محسوس کیا کہ ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے تو میں قار
کے لئے دستاویزی ثبوت جمع کرنے لگا۔ میں اپنے ذرائع سے پر ہجوم مقامات پر ملاقات
مجھے بھورے میلا لفافوں میں مواد فراہم کرنے لگے۔ درجن بھر دستاویزیں میرے ہاتھ
تھی۔

یہ اس قدر چونکا دینے والی دھماکہ خیز تھیں کہ مجھے شبہ ہوا کہ یہ تمام تر مواد سیاق و سباق سے
نہ ہو چنانچہ میں نے مزید دستاویزوں کے حصول کے لئے تگ و دو کی۔ بالآخر میرے پاس
زوں دستاویزات جمع ہو چکی تھیں۔

میں بے حد تشویش میں مبتلا تھا۔ ان دستاویزوں سے خلیج بنگال میں امریکی بیڑے کی پیش
ی کا راز آشکار ہو رہا تھا اگر وہاں امریکی اور روسی جہازوں کا تصادم ہوا تو دنیا ایک خوفناک ایٹمی
ے کا شکار ہو جائے گی۔ میرے ایک ذریعے نے مجھے کسی ڈرگ سٹور میں ملنے کو کہا۔ وہاں اس
کرسمس منانے کے لئے کچھ چیزیں خریدتے ہوئے میرے کان میں یہ تشویش ناک سرگوشی کی
نکسن نے امریکی ٹاسک فورس کو حرکت میں آنے کا حکم دے دیا ہے۔ میں وہاں سے باہر نکل آیا
اس روز اپنا پہلا کالم لکھا۔

میں نے اپنے ذرائع کو بچانے کے لئے ان دستاویزوں سے بڑی احتیاط سے حوالے
یئے۔ مگر وائٹ ہاؤس کے اندر ایک اضطراب برپا ہو گیا۔ کسنجر نے میری کہانیوں کو سیاق و سباق
ے باہر کہہ کر ان کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کی تو میں نے ان کا متن چھاپ دیا۔ تاہم میرے
ں ان سے زیادہ نازک دستاویزیں ابھی موجود تھیں اور میں نے قومی سلامتی کے پیش نظر انہیں
لیس میں شائع نہ کیا۔ اب مناسب وقت آ گیا ہے کہ میں ان کی مدد سے نکسن کی انتظامیہ کی خارجہ
یسی پر کھل کر لکھ سکوں اور بتا سکوں کہ عوام کو حقائق سے کس طرح نابلد رکھا گیا۔

مختصر طور پر پس منظر یہ ہے کہ نکسن دراصل اپنی ایک پرانی غلطی کی تلافی کرنا چاہتا تھا۔
روع شروع میں وہ کمیونسٹوں کا کٹر دشمن اور چیانگ کائی شیک کا گہرا دوست تھا۔ کوئی ربع صدی
مد اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے پیکنگ سے مصالحت کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس تمنا کی تکمیل میں
ں کی دوستی پاکستان کے فوجی آمر جنرل یحییٰ خان کے ساتھ ہوئی جس نے اسکے لئے پیکنگ کے
روازے کھولے۔

دونوں راہنماؤں کے درمیان گہرے روابط پیدا ہو گئے۔ نکسن نے برصغیر میں چینی حلیف کا
ساتھ دینے میں کچھ زیادہ ہی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا جنگ چھڑنے سے چار ماہ پیشتر اگست 1971ء
ں وہ خارجہ پالیسی بنانے والوں کو آگاہ کر چکا تھا کہ وہ پاک بھارت جنگ میں جنرل یحییٰ خان کا
ساتھ دے گا۔

تو ۔ ''امریکہ نے (مشرقی پاکستان میں یحییٰ کے) فوجی ایکشن کی کبھی حمایت نہیں کی'' یہ ب
صدر نکسن نے 9 فروری 1972ء کو کانگریس کی ایک رپورٹ میں لکھی۔ یہ بیان صرف جزوی ط
درست ہے حقیقت یہ ہے کہ امریکہ نے اس خانہ جنگی کو روکنے کے لئے بھی کوئی قدم نہ اٹھایا'
وزارت خارجہ کے ان افسران کے خلاف سخت کاروائی کی گئی جنہوں نے بنگالیوں کی حالت زا
طرف توجہ دلائی تھی۔ ڈھاکہ سے امریکی قونصلر جنرل آرچر کے بلڈ نے اسلام آباد میں ام
سفیر جوزف فارلینڈ اور واشنگٹن میں وزارت خارجہ کو تفصیلی اطلاعات مہیا کیں۔ اس نے ا
تحت عملے کے دستخطوں سے امریکہ کی کھلم کھلا بے اعتنائی پر احتجاجی بیان بھی جاری کیا۔ اس
پر دستخط کرنے والے بعض افسروں کو واپس بلالیا گیا' خود قونصلر کو جون 1971ء میں واشنگٹن
طلب کر کے یہ کہا گیا کہ وہ فرضی خطرے کی گھنٹی بجانے میں مصروف ہے۔ اور پھر اسے کسی کو
کھدرے میں ڈیسک پر مامور کر دیا گیا۔

جنرل آغا محمد یحییٰ خان' ایڈیارڈ کپلنگ کے کسی کردار کے مشابہ ہے جو میدان جنگ
شراب پی کر کودتا ہے اور جو سیاست کی ابجد سیکھے بغیر سازش اور عیاری فن کا ماہر ہو جاتا ہے۔ وہ ا
پیدائشی فوجی تھا۔ اس نے مارشل ریس میں جنم لیا۔ اس کے آباؤ اجداد نے اٹھارویں صدی
دہلی کو فتح کیا۔ وہ شکل وصورت سے بھی فوجی لگتا تھا۔ اس کا ذہن اور عادت و اطوار فوجیوں
تھے۔ وہ جہاں کہیں جاتا چاہے اس نے کوئی لباس پہن رکھا ہو' اپنی بغل میں چھڑی ضرور دا
رکھتا۔ وہ تعلیم کے لحاظ سے بھی فوجی تھا اس نے انڈیا میں برطانوی استعمار کے زیر اہتمام
والے کالج میں تعلیم حاصل کی وہ سب سے صحت مند کیڈٹ تھا اور ہر مرحلے میں اپنی کلاس
نمایاں رہتا۔ اس نے دوسری جنگ عظیم میں ایک برطانوی افسر کی وردی پہنی۔

1947ء میں نیا ملک بننے کے بعد وہ پاکستان آرمی کے سٹاف کالج کی سربراہی کے
منتخب کیا گیا اس نے اپنے طالب علموں کو فوج میں ترقی کرنے کا مکمل طریقہ سکھایا۔ وہ چونتیس
کی عمر میں بریگیڈیئر بن گیا' چالیس سال کی عمر میں جنرل اور انچاس برس کی عمر میں کما
انچیف۔

ترقی کے راستے پر جنرل یحییٰ نے جنرل ایوب سے دوستی گانٹھی 1958ء میں ایوب
برسراقتدار لانے والوں میں وہ بھی شامل تھا 1965ء میں کشمیر کے مسئلے پر پاک ہند جنگ چھڑ

یحییٰ خان کو ملک کا دوسرا بڑا فوجی اعزاز ذاتی قابلیت کے بجائے ایوب کی دوستی کی بنا پر ملا۔ اسلام
آباد کے قصر صدارت میں وہ...... فاصلے اور تنہائی کے باعث...... ملکی مسائل سے دور ہوتا چلا گیا۔
اس کا دعویٰ تھا کہ وہ ہر صبح اسکاچ کی بوتل غٹاغٹ چڑھاتا ہے تاہم اس سے انتظامی امور یا جنسی
معاملات میں خلل واقع نہیں ہوتا' اسکے عوام تباہی کے دہانے پر تھے اور وہ دو مختلف الخیال
ملکوں...... امریکہ اور چین...... کی دوستی پر مطمئن تھا۔

دونوں بڑی طاقتیں پاکستان کو مفید دوست تصور کرتی تھیں' خصوصاً چین کو بھارت دشمنی کے
پیش نظر جنوبی ایشیا میں کسی حلیف کی اشد ضرورت تھی۔ 1947ء میں پاکستان نے کشمیر کے ایک
تہائی علاقے کو آزاد کرا لیا تو اس میں وہ علاقہ بھی شامل تھا جو چین کے سنکیانگ صوبے سے جاملتا
ہے۔ یہاں ایک قدیم تجارتی شاہراہ موجود تھی جسے آہستہ آہستہ ہر موسم کے لئے موزوں راستے
میں تبدیل کر دیا گیا۔

امریکی محکمہ سراغ رسانی نے اپنی رپورٹوں میں انکشاف کیا کہ ٹرکوں کے قافلے پاکستان
میں جنگی ہتھیار پہنچا رہے ہیں۔ ان ہتھیاروں کے صلے میں چین کو پاکستانی حکومت تک رسائی
حاصل ہو گئی۔ جب جنرل یحییٰ خان نے عارضی سول حکومت میں بھٹو کو ڈپٹی پرائم منسٹر اور وزیر خارجہ
نامزد کیا۔ تو وہ ایسا کرتے ہوئے دیدہ دانستہ ایک پیکنگ کی حامی جماعت کی ناز برداری کر رہا تھا۔
مشرق و مغرب کے سیاسی مدوجزر کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ جنرل یحییٰ کو اپنی سازشوں کا
جال بچھانے کے لئے سنہری موقع ہاتھ آ گیا۔ اس نے ''بادشاہ گر'' کا کردار ادا کرتے چینیوں اور
امریکیوں کو ایک کر دیا۔ اس کی مدد سے ڈاکٹر کسنجر کا مشن راز داری میں رکھا گیا چین جانے سے
پیشتر یحییٰ خان نے کسنجر کو ایک چھوٹی سی ضیافت بھی دی۔ یحییٰ نے کسنجر کو جو سہولتیں فراہم کیں' ان
کے عوض اس کے نکسن کے ساتھ گہرے روابط نکسن نے دوستی کا حق ادا کرنے کے لئے بھارت سے
کنارہ کشی اختیار کر لی۔ نکسن نے یہ فیصلہ بڑی آسانی سے کر لیا تھا۔

دوسرے امریکی لیڈروں کی طرح نکسن بھی بھارت کی امریکی پالیسیوں پر نکتہ چینی سے تنگ
تھا۔ مزید برآں وہ بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی سے بھی ذاتی طور پر نفرت کرتا تھا کیونکہ نئی
دہلی اور واشنگٹن میں نجی ملاقاتوں کے دوران اندرا نے نکسن کو نیچا دکھایا تھا۔ نکسن تو عورتوں کو مدبر
سیاست ہی تصور نہیں کرتا مگر اندرا گاندھی نے ایک عورت لیڈر کی حیثیت سے نکسن کو بوکھلا

کررکھدیا۔اس سے بھی بڑھ کر نکسن کے مدنظر طاقت کے توازن کا مسئلہ تھا۔اگر مشرقی پاکستان پر بھارت کا قبضہ ہو جاتا تو اسکے نزدیک امریکی مفادات کو اس خطے میں نقصان پہنچ سکتا تھا۔

یہ تو شروع سے ہی ظاہر تھا کہ امریکی عوام یحییٰ خان کو ہتھیاروں کی فراہمی کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ کانگریس نے وائٹ ہاؤس کو مجبور کر دیا پاکستان کی فوجی امداد روک دی جائے۔ عام امریکی شہری بنگالیوں کی طرف داری کر رہا تھا۔مگر جب پاک بھارت جنگ چھڑی تو سبھی غیر جانبداری کی پالیسیاں اپنانے کے خواہاں تھے۔نکسن نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا۔

''اوائل اپریل ہی میں ہم نے فوراً پاکستان کو اسلحہ کی ترسیل نو کا معاہدہ منسوخ کر دیا ایک سال قبل جن ہتھیاوں کا وعدہ کیا گیا تھا ان سے بھی ہاتھ روک لیا گیا۔ معاشی امداد کے نئے معاہدے سے بھی ہم نے انکار کر دیا۔اس طرح تین ملین ڈالر کا اسلحہ روک لیا گیا۔پانچ بلین ڈالر کے فالتو پرزے نومبر سے پہلے پہلے دیئے جا چکے تھے'' لیکن اکتوبر 1971ء میں سینیٹر کینیڈی کی تفتیش نے ثابت کر دیا کہ پاکستان کو جون کے آواخر تک امریکی اسلحہ ملتا رہا۔دسمبر کی جنگ میں مزید امریکی اسلحہ بھی پاکستان کو فراہم کیا گیا۔جنگ کی پہلی گولیاں میدان کارزار کے بھورے گرد غبار اور جنگلیوں کی ہریالی میں گم ہیں مگر یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ اس کا آغاز اسی وقت ہو گیا تھا جب یحییٰ خان نے 25 مارچ 1971ء کو فوجی ایکشن کا حکم دیا۔

سی۔آئی۔اے کی رپورٹ سے انکشاف ہوتا ہے کہ جب یحییٰ خان صورت حال پر مکمل کنٹرول کا دعویٰ کر رہا تھا اور وائٹ ہاؤس کا دعویٰ تھا کہ کوئی سیاسی حل نکل آئے گا عین اس وقت انقلاب کے جراثیم نشو ونما پا رہے تھے 1971ء کے بعد مشرقی پاکستان میں تمام گوریلا کاروائیاں مکتی باہنی نے تن تنہا انجام دیں۔نزدیکی سرحد سے بھارتی توپ خانہ ضرور انہیں فائر کور مہیا کرتا رہا تھا۔نومبر کے آخر میں پاک بھارت فوجوں کے درمیان سرحدی جھڑپیں شروع ہو گئیں اور بھارتی فوج سرحد پار کر کے پاکستانی مورچوں پر حملے کرنے لگی۔اس کے باوجود ظاہری طور پر دونوں ملکوں کے درمیان زمانہ امن کی حالت برقرار تھی۔

22 دسمبر کی سہ پہر کو تین امریکی طیاروں نے جن پر پاک فضائیہ کے نشان بنے ہوئے تھے اگرتلہ کے بھارتی قصبے پر بمباری کی' شہری ہدف کے خلاف طرفین میں سے کسی ایک کی طرف

سے یہ پہلی کاروائی تھی۔ پاکستان اور بھارت کم از کم اب بھی پرامن تھے۔اگلی سہ پہر کو ساڑھے پانچ بجے پاک فضائیہ کی کاروائی کی۔اب آٹھ بھارتی اڈے اس کا نشانہ بنے۔اس فضائی حملے میں تحیر کا عنصر پوری طرح کارفرما تھا۔بھارت میں سائرن بجنے لگے تو لوگوں نے اسے صرف مشق قرار دیا حملے کے وقت مسز گاندھی کلکتہ میں پانچ لاکھ کے ایک اجتماع سے خطاب کر رہی تھی۔اور اسے جنگ کا علم روسٹرم سے ہٹنے کے بعد ہو سکا۔

واشنگٹن سپیشل ایکشن گروپ WSAG آئندہ اختصار کے پیش نظر ہم اسے ''وساگ'' لکھیں گے' کا پہلا اجلاس حملے کے چار گھنٹے بعد منعقد ہوا۔سی آئی اے کے ڈائریکٹر رچرڈ ہومز نے اقرار کیا کہ صورت حال غتربودی ہے۔''فریقین متضاد دعوے کر رہے ہیں متفقہ رپورٹ یہی ہے کہ پاکستان' امرتسر' پٹھان کوٹ اور سری نگر کے اڈوں پر حملے کر رہا ہے''۔اس نے کہا یحییٰ خان نے یہ فضائی حملہ' اسرائیلی انداز میں کیا تھا۔اس کا خیال تھا کہ وہ بھارتی فضائی قوت کو پاش پاش کر دے گا' مگر فوجی امور کے ماہرین اس حملے کی حماقت کو محسوس کر چکے تھے۔پیڈگان کو بھی علم تھا کہ ان اڈوں پر بھارت کے صرف محدود طیارے ہیں۔

جائنٹ چیفس آف سٹاف کے چیئرمین ایڈمرل تھامس مورد کو اس حملے میں کوئی منطق نظر نہ آئی ''حملے کا انداز ایک معمہ ہے' پاکستان نے صرف تین چھوٹے اڈوں کے خلاف کاروائی کی ہے جہاں دشمن کے لڑاکا طیارے بہت کم ہیں''۔اس نے کہا ''پاکستانی حملے پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا۔یہ اواخر سہ پہر کو کیا گیا ہے جس کی کوئی تک نہیں۔ابھی تو ہمیں کافی شواہد دستیاب نہیں ہیں۔''

چھوٹے سے پر ہجوم کمرے میں مور اور دیگر سب افراد جانتے تھے کہ حقائق کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔انہیں حقیقت کا سراغ لگانے کا فریضہ سونپا ہی نہ گیا تھا۔بلکہ چار ماہ پیشتر نکسن نے وساگ کو جو لیکچر دیا تھا' اسکے پیش نظر پاکستان کی حمایت میں پالیسی تشکیل دینا تھی۔

صدر نکسن اور ہنری کسنجر نے پاک بھارت جنگ کو گھناؤنے مقاصد کے لئے استعمال کیا وہ ظاہری طور پر امن کے پرچارک بنے ہوئے تھے مگر اندر ہی اندر جنگ کو ایٹمی تصادم کے خطرے تک پھیلا رہے تھے۔صدر نے کانگریس کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا ''اگر ہم جنگ کے خلاف اقدام نہ کرتے تو اس کے پھیل جانے کا خطرہ تھا اور مغربی محاذ پر بھارتی حملہ ناگزیر ہو جاتا''

یہ درست ہے کہ وائٹ ہاؤس نے عوام کے سامنے جنگ کے خلاف سٹینڈ لیا' مگر خفیہ طور پر.. صدر کے دفتر میں سچویشن روم میں یحیٰ کے محل میں...... باتیں مختلف تھیں' تفصیلات کا مطالعہ انتہ تکلیف دہ ہے۔

دس دسمبر کی سہ پہر کو جنرل فرمان علی نے اقوام متحدہ کے اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل پال مار ہنری کے نام ایک خط ارسال کیا۔ اس میں فوری طور پر جنگ بندی اور اقتدار منتخب نمائندوں کو منتق کرنے کی درخواست کی گئی تھی جنرل فرمان کا کہنا تھا کہ اسے یہ خط تحریر کرنے کا اختیار یحیٰ خا نے دیا ہے۔ اس تجویز کو باوقار ''انخلاء'' کا نام دیا گیا۔ ''مسلح افواج کے ہتھیار ڈالنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا اگر اس تجویز کو قبول نہ کیا گیا تو فوج آخری آدمی تک جنگ جاری رکھے گی۔''

اس روز پال مارک ہنری اور جنرل فرمان نے طویل ملاقات کی تھی۔ جنرل اپنے پیغام متن تیار کرتا رہا۔ ''پہلے ہم نے تنہائی میں ملاقات کی'' ہنری نے مجھے بتایا۔ ''آدھا متن انتقا اقتدار سے متعلق تھا۔ بعض دوسرے امور بھی زیر بحث آئے مگر اصل موضوع یہی رہا۔ میں۔ فرمان سے پوچھا آیا اس سے اس بات کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ اس دن ہنری اپنے دو معاونوں کے ہمراہ گورنر مالک سے ملنے گیا وہاں اسے فرمان کا خط سرکاری طور دیا جانے والا تھا۔ اس ملاقات میں جنرل نیازی موجود نہ تھا۔ میں نے فرمان سے پوچھا ''ک جنرل یحیٰ نے تمہیں اس بات کا اختیار دیا ہے''!......

فرمان نے جواب دیا۔ ''مجھے ابھی ابھی اسلام آباد سے پیغام موصول ہوا ہے۔ یحیٰ خان نے اس کی منظوری دے دی ہے۔ میرے فوجی ہونے کی حیثیت سے تم میری زبان پر اعتبار کرو۔'' ہنری نے فوراً امریکی' روسی برطانوی اور فرانسیسی قونصل خانوں سے رابطہ قائم کر کے سب ک جنرل فرمان کی تجویز کے بارے میں آگاہ کر دیا۔ پھر اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر نیویارک میں ارسال کیا۔ جب فرمان کی تجویز واشنگٹن پہنچی تو وزارت خارجہ نے پاکستان میں امریکی سفیر فارلینڈ کو ہدایت کی کہ وہ یحیٰ سے پوچھے کیا وہ مغربی محاذ پر بھی جنگ بندی چاہتا ہے؟ ''اس صورت میں پاکستان کی علاقائی سلامتی اور مسلح افواج کو بچانے کے لئے ہم بھرپور کوشش کریں گے۔''

اقوام متحدہ کو پیغام ارسال کرنے کے بعد ہنری نے پھر گورنر مالک سے ملاقات کی۔ گورنر عمارت کے ایک کونے میں اس کا منتظر تھا۔ ''اس نے دوبارہ یہ ضمانت دی کہ فرمان کی تجویز

نائی حکومت کی منظور شدہ ہے۔ تھوڑی دیر بعد دو کرنل میرے پاس پہنچے' انہوں نے کہا کہ بندی کی پیش کش واپس لے لی گئی ہے۔ یحیٰ کا ارادہ بدل گیا ہے......

''اسلام آباد میں دوسرے سفارتی نمائندوں کو یحیٰ کی اس تبدیلی کی وضاحت مل گئی' ان کا ا تھا کہ جب یحیٰ نے جنگ بندی کی منظوری دی تو پھر اس نکسن کے اس فیصلے کی اطلاع دی گئی ساتویں بحری بیڑے کا ایک حصہ پاکستان کی امداد کے لئے خلیج بنگال کی طرف روانہ کر دیا گیا ۔ سفارتی نمائندوں کا کہنا ہے کہ اس موقع پر یحیٰ خان نے جنگ بندی کی تجویز واپس لی تھی۔

پوری جنگ کے دوران صدر نکسن نے امن کا نقاب اوڑھے رکھا' مگر درحقیقت وہ جنگ کے وں کو ہوا دے رہا تھا۔ وہ عام طور پر پریس کانفرنسوں اور دیگر کھلی بحثوں سے کتراتا ہے' مگر ر 1971ء کو این بی سی کے عملے کو ایک خصوصی ٹی وی پروگرام کے لئے سارا دن اپنے دفتر میں فلم نے کی اجازت دی۔

وائٹ ہاؤس نے اس خفیہ سازش کو عوام سے مخفی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہاں تک کہ این ی کے کیمروں کے لئے وساگ کا ایک مصنوعی اجلاس نکسن کے پرائیویٹ کمرے میں منعقد کیا یا۔ اس اجلاس میں سیکرٹری داخلہ ولیم راجرز' سیکرٹری خزانہ جان کانیلی' سی آئی اے کا ڈائریکٹر ڈ ہومز اور جنرل ولیم ویسٹ مورلینڈ موجود تھے۔ صدر نکسن نے یحیٰ خان اور مسز اندرا گاندھی ساتھ اپنی ملاقاتوں کا حال کھل کر سنایا۔

راجرز نے کہا ''ہمیں اس جنگ کے لئے کوئی مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ دنیا میں بہت ے بے شمار ایسے خطے ہیں جہاں ہماری کوئی ذمہ داری نہیں'' اور وساگ کے اصل اجلاس وائٹ س کے تہہ خانے میں سچویشن روم تک کے اندر منعقد ہوتے رہے' ہنری کسنجر ان کی صدارت کیا رتا اور صدر کی خواہشات سب تک پہنچا دیتا ''مجھے ہر نصف گھنٹے بعد نکسن کا فون موصول ہو رہا ہے کہ ہم بھارت کے خلاف سخت اقدام نہیں کرتے۔''

کسنجر نے 3 دسمبر کو شکایت کی ''مجھے پھر صدر نے فون کیا ہے اسے مجھ پر اعتماد نہیں کہ میں ں کی خواہش یہاں تک پہنچا دیتا ہوں۔''

6 دسمبر کو جب نکسن ٹی وی کیمروں کے سامنے بڑی چرب زبانی سے کام لے رہا تھا کسنجر نے ارت پر دباؤ بڑھا دینے کا حکم دیا۔ خفیہ اجلاس کی کارروائی میں ریکارڈ ہے''۔

ڈاکٹر کسنجر نے یہ ہدایت کی کہ بھارتیوں سے سرد مہری کا سلوک کیا جائے اور بھارتی سفیر کو

اونچا مرتبہ نہ دیا جائے" کسنجر نے ایک اجلاس میں یہ شکایت کی کہ کیا ہم پاکستان کی
بندی برداشت کر سکتے ہیں؟ کیا ہم اپنے ایک حلیف کے گھٹنے ٹیکنے میں حصہ دار بننا چا
پھر اس نے کہا" کیا ہم بھارت پر یہ واضح نہ کر دیں کہ اسے ضروری فالتو پرزے نہیں ملیں
انڈر سیکرٹری جانسن نے جواب دیا "ہمیں قانوناً بحری ناکہ بندی پر احتجاج
حاصل نہیں کیونکہ متحارب فریق ایک دوسرے کے خلاف یہ حربہ آزماتے رہتے ہیں۔

کسنجر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے جواب دیا "ہم لولے لنگڑے نہیں بننا چاہتے
خواہشات کے بارے میں کسی شبے کی گنجائش نہیں صدر ہمیں لولا لنگڑا نہیں دیکھنا چاہتا۔
ہے کہ بھارت حملہ آور ہے ہم تو اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ بھارت نے امریکہ
تعلقات کو خراب کر دیا ہے۔ ہم بھارت کی ذہنی کیفیت کو پرسکون نہ رہنے دیں گے۔"

نکسن نے نئے پاکستانی سفیر نوابزادہ آغا محمد رضا کا استقبال گرم جوشی سے کیا
ہاؤس میں چھ دسمبر کو ایک خصوصی تقریب منعقد ہوئی۔ پاکستانی سفیر کا بیان بڑا طویل
سفارتی نمائندے مختصر باتیں سننے کے عادی ہوتے ہیں مگر اس بیان میں بڑی واضح با
تھیں۔ "جناب صدر آپ کی بے پناہ امداد اور ہمارے مسائل کے شعور نے پاکستانی
حکومت کو بے بہا طاقت بخشی ہے۔ پاکستان اپنی آزمائش کے اس نازک دور میں اس امد
پر ایک آزاد اور خود مختار ملک کی حیثیت سے قائم و دائم ہے۔

نکسن نے اس کے جواب میں کہا۔ "گزشتہ چند ماہ کے دوران آپ کے ملک
قدرتی اور دیگر آفتیں نازل ہوئی ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ امریکہ نے ان بحرانوں پر قابو
تعمیر نو کے لئے مقدور بھر امداد دی۔ ہم حکومت پاکستان اور اس کے عوام کی ان کوششوں
پاکستان کے پرامن سیاسی حل سے متعلق ہیں، بڑی ہمدردانہ دلچسپی سے دیکھتے رہے ہیں
برصغیر میں تناؤ کم کرنے کے صدر یحییٰ کی کوششوں کو بھی سراہا ہے۔"

نکسن اور کسنجر کے سر پر بھارت دشمنی کا بھوت سوار تھا۔ دنیا کے دوسرے بڑے م
پھر بھارت اور پھر بنگلہ دیش کے قیام کی صورت میں دونوں ملکوں کے ساتھ دوستانہ را
کرنے پر غور کر رہے تھے مگر امریکہ کی قوت فیصلہ دو شخصیتوں کی دانش پر مرکز ہو گئی تھی او
کسی بھی پیش بینی کی صلاحیت سے بے بہرہ تھی۔ چھ دسمبر کو نکسن نے این بی سی کے کیم
سامنے ان باتوں کا اعادہ کیا جنہیں وہ بند دروازوں کے پیچھے زیر بحث لا چکا تھا۔ اس ۔

کانگرس کے رہنماؤں کو بتا چکا ہے۔ "ہمیں اس سے زیادہ کچھ علم نہیں، جتنا اخبارات سے انہیں پتہ
چل چکا ہے۔ کیونکہ میں کہہ چکا ہوں یہ ایک ایسا خطہ ہے جہاں ہمارے فوجی مشیر موجود نہیں ہیں
میں نے آج صبح ان رہنماؤں کو بتایا ہے کہ فوجوں کے ساتھ ہمارے کوئی لوگ نہیں میرا
مطلب ہے ہمارے فوجی اتاشی تو سفارت خانوں کے اندر بیٹھے ہیں، چنانچہ بھارت میں متعین
اتاشی اس ملک کی رپورٹیں بھیجے گا"۔ "لیکن ہمارے بے شمار آزاد ذرائع بھی تو ہیں۔" کسنجر نے
مداخلت کی۔ "ہاں میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں"۔ صدر نے ٹیلی ویژن کیمروں کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا "لیکن ان میں سے کوئی بھی قابل اعتبار نہیں"؟ کسنجر نے پھر مداخلت کی اور
"پوری طرح" پر زور ڈالا۔

حقیقت یہ ہے کہ سی آئی اے نے بھارتی حکومت کے اندر ہر سطح پر نفوذ حاصل کر لیا تھا اور یہ
"آزاد ذرائع" بھارتی فوج کی نقل و حرکت، اس کی قوت، جنگی، سٹرٹیجی اور مسز گاندھی کی خفیہ نجی
گفتگوئیں تک ریکارڈ کر کے واشنگٹن پہنچا رہے تھے دوسری طرف منصوبہ بندی کے ڈائریکٹوریٹ
نے پاکستان اور بھارت میں ہر جگہ اپنے ایجنٹ متعین کر رکھے تھے۔ کوئی اہم مقام خالی نہ چھوڑا
گیا۔

اس کے باوجود سی آئی اے کے سربراہ رچرڈ ہومز کو کئی بار "وساگ کے اجلاس میں کہنا پڑا
کہ "اسے صورت حال کا کچھ علم نہیں۔ متضاد خبریں موصول ہو رہی ہیں"۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں
ملکوں میں سی آئی اے کے ایجنٹ سرگرم تھے۔ وہ خبر حاصل کرنے کا ہر ذریعہ آزما رہے تھے۔ اس
کے باوجود ان کی بیشتر رپورٹیں اخباری نمائندوں کی رپورٹوں سے مختلف نہ ہوتیں۔ بہر حال کچھ
رپورٹیں ایسی ضرور تھیں، جنہیں خصوصی کہا جا سکتا ہے۔ ان رپورٹوں کی توضیح و تشریح واشنگٹن میں کی
جاتی۔

8/دسمبر کو اندرا گاندھی کے قریبی حلقے سے سی آئی اے کو خبر ملی کی بھارت مغربی محاذ پر بڑا
حملہ کرنے والا ہے۔ واشنگٹن میں اس خبر کو اہمیت نہ دی گئی اور وساگ کے اجلاس میں ایجنڈے پر
اسے پانچویں نمبر پر رکھا گیا۔ اس طرح وزارت خارجہ نے ایک اور رپورٹ کو ٹھکرا دیا۔

اس میں کہا گیا تھا "ایسے شواہد موجود ہیں کہ مشرقی بنگال کی آزادی کے بعد مسز گاندھی جنگ
بندی اور بین الاقوامی مصالحت کی کوششوں کو قبول کر سکتی ہے۔ دیگر شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ

بھارت مشرقی پاکستان کا قضیہ نمٹا کر کشمیر میں اپنی سرحدیں سیدھی کرنا چاہتا ہے۔ وہ مغربی پاکستان کی ہوائی اور بری فوج کو تباہ کر دینے پر تلا بیٹھا تھا۔ اس مقصد کیلئے مشرقی محاذ سے چار پانچ ڈویژن مغربی محاذ پر منتقل کر دیئے جائیں گے۔ ایسی خبریں بھی ملی ہیں کہ یہ منتقلی شروع بھی ہو چکی ہے۔"

انہی رپورٹوں کے پیش نظر وائٹ ہاؤس نے مغربی پاکستان کے خلاف بھارتی حملے کا خطر محسوس کیا' حالانکہ فوجی مبصرین اس بڑے پیمانے پر فوج کی نقل و حرکت کو بھارت کیلئے ناممکن قرا دیتے تھے۔ وساگ کی چھ دسمبر کی کارروائی یہ ہے "جنرل ویسٹ مورلینڈ نے بیان کیا کہ بھارت مشرق سے مغرب میں فوج منتقل کرنے کا اہل نہیں۔ ایک ڈویژن لانے کیلئے کم از کم ایک ہفت درکار ہوگا۔ مشرقی محاذ پر پوری بھارتی قوت کو مغربی پوزیشنوں تک لانے کیلئے ایک ماہ چاہئے"۔

13 / دسمبر کو سی آئی اے کی ایک اور رپورٹ میں کہا گیا کہ بھارت میں روسی سفیر نکولا پیگوف نے بھارت پر زور دیا ہے کہ وہ کم از کم وقت میں بنگلہ دیش پر قبضہ کر کے پھر جنگ بند قبول کرے...... اس طرح بھارت کو حیرت ناک فوجی کامیابی حاصل ہو جائے گی' پاکستان ایک فوجی قوت نہیں رہے گا اور مغربی پاکستان پر بھارت کا جارحانہ حملہ غیر ضروری ہوگا' کیونکہ جب ک ملک کی جنگی مشین سرے سے موجود ہی نہ ہو' تو پھر تباہی کس کی مقصود ہوگی"؟

اس کے باوجود صدر نکسن نے کانگریس کو بتایا۔ "دسمبر کے پہلے ہفتے کے دوران میں ہمیں ایسے شواہد ملے ہیں کہ بھارت پاکستانی مقبوضہ کشمیر کو ہتھیانے اور پاکستان کی فوجی قوت کو تباہ و برباد کرنے پر تلا بیٹھا ہے۔ ہم ان شواہد سے صرف نظر نہیں کر سکتے"۔

عظیم تر تصادم کے امکانات کا جائزہ پینٹاگان میں بھی لیا جا رہا تھا۔ اعلیٰ افسر بڑی احتیا نے ان رپورٹوں کا مطالعہ کر رہے تھے جن میں روس اور چین کے تنازعے میں شدت آ جانے ذکر تھا۔ روس بھارت کا ساتھ دے رہا تھا اور چین پاکستان کی حمایت کر رہا تھا' یہی اختلاف بڑھتا چلا گیا اور کسی موہوم خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ پینٹاگان کا اندازہ یہ تھا کہ تصادم کی صورت میں روس کو اپنے لاتعداد ہتھیاروں خطرناک میزائلوں اور بہتر ٹرانسپورٹ کے نظام کے پیش نظر برتر حاصل ہوگی' چینی بھی اپنی ایٹمی کمی کو پورا کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے' وہ ایسے مقامات ایٹمی میزائل نصب کر رہے تھے جہاں سے روس پر مار کی جا سکتی تھی پاک بھارت جنگ چھڑتے پہلے میزائل ان مقامات پر پہنچا دیئے گئے تھے۔

چین کے ہائیڈروجن بیلسٹک میزائل زیادہ تر سنکیانگ کے صوبہ میں بنائے جاتے ہیں۔ یہ کھردرا چٹانی علاقہ ہے۔ ملک کی مغربی سرحد پر واقع اس علاقے میں بہت کم لوگ آباد ہیں حکومت 1960ء کے بعد سے یہاں باہر کے لوگوں کی آبادی کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اس باوجود مقامی ترکوں کی تعداد اکسٹھ فیصد ہے۔ وہ ان ترک خانہ بدوشوں کی اولاد ہیں جو کبھی یں گھومتے پھرتے رہتے تھے۔

ان کی زبان ترکی سے مشابہ ہے۔ روسی سرحد میں جو ترک آباد ہیں ان کے ساتھ بھی نگ کے ترکوں کے خونی رشتے قائم ہیں۔ سنکیانگ کے ترک باشندوں اور بنگالیوں میں کئی مشترک ہیں۔ بنگالیوں کو سرحد پار بھارت نے فوجی اور سیاسی امداد مہیا کی اور چین کی تی یلغار سے تنگ آ کر بھاگنے والے ترکوں کو روس نے اپنی آغوش میں پناہ دی ہے۔ ں نے بھی بھارت میں اپنے گوریلا کیمپ قائم کئے۔ سنکیانگ کے ترکوں کو بھی محاذ آرائی کی ں دینے کیلئے روس نے سہولتیں فراہم کیں۔

پینٹاگان کے ماہرین ایک اور دستاویز پر غور کر رہے تھے۔ امریکی شعبہ سراغرسانی نے ایک نصوبے کا سراغ لگایا تھا جس میں چین پر روس کے ممکنہ حملے کی تفصیلات درج تھیں۔ امریکہ ں سے اپنی نتائج تو اخذ کر لئے' مگر سب لوگ یہ بھول گئے کہ ہر ملک اپنے حریف ملک پر کسی قت حملہ کرنے کیلئے جنگی منصوبہ تیار رکھتا ہے اس کی بنیاد پر مشقیں ہوتی ہیں' منصوبہ بدلتا ہے اور اسے عملی تجربے کے بعد بہتر بنایا جاتا ہے۔ روس کا یہ منصوبہ بھی درحقیقت اسی نوعیت کا

امریکہ کبھی اپنے سونے کی طرح خالص کردار کا مالک تھا مگر کئی موقعوں پر امریکی ترجمانوں پنے عوام یا بیرون دنیا کے سامنے دروغ گوئی کا مظاہرہ کر کے اس کردار پر سیاہی پھیر دی۔ مریکہ پر کسی کو بھروسہ نہیں۔ پاک بھارت جنگ کے دوران بھی امریکہ نے یہی پالیسی اختیار

7/ دسمبر کو پرل ہاربر کی انیسویں سالگرہ پر ہنری کسنجر نے واشنگٹن میں صحافیوں سے "پس ہدایات" کیلئے ملاقات کی۔ یہ واشنگٹن کی ایک باقاعدہ رسم ہے کیونکہ ان میں بولنے والے ٹوکتا نہیں اور اخبار نویس صرف خاموشی سے کان لگائے رکھتے ہیں۔ اس پریس کانفرنس کی

مکمل کہانی انٹرنیشنل پریس سروس کیلئے الیگزنڈر سیلوان نے لکھی اور اسے ساری دنیا میں
خرچ پر نشر کر دیا گیا سیلوان نے لکھا تھا کہ امریکہ بڑے کرب کے ساتھ یہ حقیقت تسلیم کر
برصغیر میں بھارت جارحیت کا مرتکب ہوا ہے۔ اس نے بھارت دشمنی کے الزام کی تر
بھارت کیلئے امریکی امداد کی ایک لمبی چوڑی فہرست گنوائی۔ نئی دہلی کے امریکی سفارتخ
ٹیلی پرنٹر پر جوں جوں یہ کہانی ٹائپ ہوتی رہی امریکی سفیر کینیتھ کیٹنگ اسے پڑھ پڑھ کر
گیا۔ اس کہانی کے نمایاں نکات یہ تھے۔

- واشنگٹن جنگ چھڑنے پر حیرت زدہ رہ گیا۔
- بھارت کی درخواست پر امریکہ نے 155 ملین ڈالر مشرقی پاکستان میں قحط ر دیئے۔
- پاکستان اس بات پر رضامند ہو گیا کہ امدادی رقوم بین الاقوامی اداروں کے ہا کی جائیں تاکہ اسلام آباد کی مرکزی حکومت کوئی کریڈٹ نہ لے سکے۔
- پاکستان شرناتھیوں کی عام معافی پر رضامند ہو گیا۔
- پاکستان نے امریکہ کو اختیار دے دیا کہ وہ مجیب کے ساتھ اس کے وکیل کے ذ قائم کر کے کوئی سمجھوتہ طے کر لے (اس وکیل کو پاکستانی حکومت نے مقرر کیا نے اسے منظور نہ کیا)
- کسنجر نے سات ملاقاتوں میں اور سیکرٹری راجرز نے دیگر اٹھارہ ملاقاتوں سفیر پر واضح کیا کہ امریکہ کے خیال میں پاکستان اور مجیب کے ساتھیوں مذاکرات کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کو خودمختاری حاصل ہو جائے گی۔ انہو کہا کہ واشنگٹن بھی خودمختاری کے حق میں ہے۔

واشنگٹن اور اسلام آباد مشرقی پاکستان کی خودمختاری کیلئے وقت کا تعین کرنے کے
پر تیار تھے۔ کیٹنگ نے یہ کہانی پڑھتے ہی وائرلیس پر واشنگٹن سے رابطہ قائم کیا اور ا
کھول کر رکھ دیا۔ اس کے جواب کا متن یہ تھا۔
''میں نے آج صبح انٹرنیشنل پریس سروس کیلئے سیلوان کی کہانی پڑھی، اس میں
کے ارتقا اور اسے روکنے کیلئے امریکہ کی کوششوں کا ذکر ہے۔ عوام کے سامنے اپنی

ی اہمیت الگ، مگر میں یہ کہنے کی جسارت کرتا ہوں کہ اس کہانی کے مندرجات میرے گزشتہ
اہ کے تجربات سے لگا نہیں کھاتے سیلوان کی کہانی میں کہا گیا ہے کہ امریکہ نے بھارت کی
ی درخواست پر 155 ملین ڈالر کی امداد مشرقی پاکستان میں امدادی کاموں کیلئے مختص کی۔
اس کے برعکس میرا تجربہ یہ ہے کہ بھارت کے وزیر خارجہ سورن سنگھ نے اس امداد پر احتجاج
ا اس نے ایک ملاقات میں مجھ سے کہا تھا کہ کوئی سیاسی حل تلاش کرنے سے پہلے امدادی رقم
ی کو بچانے کے مترادف ہے تمام شرناتھیوں کو معافی کے اعلان کے متعلق صرف اتنا عرض
ہ خود یحییٰ خان نے جو اعلان کیا تھا اس کے مطابق عام معافی کا اطلاق صرف ان افراد پر ہوتا
ن پر پہلے کوئی مجرمانہ الزام نہ لگا ہو مشرقی پاکستان کی مخصوص صورتحال کے پیش نظر ہر شخص پر
نہ کوئی الزام دھر دیا گیا ہے۔
کسنجر اور بھارتی سفیر کی ملاقاتوں میں مشرقی پاکستان کی خودمختاری کا اشارہ امریکی حکومت
یا ہو تو یہ میرے لئے ایک نئی خبر ہے مجھے تو صرف اتنا علم ہے کہ ہمارے پاس کوئی خاص سیاسی
ہ تھا اور یہی کہا کرتے تھے کہ اگر صوبے کو مثالی آزادی نہ ملی تو خودمختاری ہی سہی بہرحال کوئی
ں پالیسی میرے علم میں نہیں۔ کہانی کے مطابق 19 نومبر کو وزارت خارجہ نے بھارتی سفیر کو
کیا تھا کہ پاکستان اور امریکہ مشرقی پاکستان کو خودمختاری دینے کے سلسلے میں ٹائم ٹیبل طے
ہ گے۔ میرے پاس اس ملاقات کی جو روداد موجود ہے اس میں ایسا کوئی اشارہ نہیں۔
سراغرسانی کے بے شمار ذرائع اور اسلام آباد نئی دہلی کی سفارتخانوں کی رپورٹوں کے باوجود
کر واشنگٹن کو یہ علم نہ تھا کہ جنگ ناگزیر ہے، میری سمجھ سے باہر ہے۔ مجیب کے ساتھ اس کے
کے ذریعے رابطہ قائم کرنے کے بارے میں کہانی بیان کی گئی ہے، جبکہ اسلام آباد سفارتخانے
یان نمبر 11760 کے مطابق 29 نومبر کو یحییٰ نے اس میں فارلینڈ کو صرف اتنا بتایا تھا کہ سفیر
یب کے وکیل کی ملاقات ایک اچھا خیال ہے اس میں فارلینڈ کم از کم وکیل سے مقدمے کی
تا اور رفتار کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتا ہے۔
میرے علم میں یہ بات قطعاً نہیں کہ یحییٰ نے فارلینڈ کو مجیب سے اس کے وکیل کے ذریعے
قائم کرنے کا اختیار دیا ہو یحییٰ نے فارلینڈ کو 2 دسمبر کو بتایا تھا کہ مجیب کا وکیل مبینہ طور پر اس
لاقات کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ پاکستانی حکومت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس نے

امدادی رقم بیرونی اداروں کے ذریعے تقسیم کرنے کی اجازت دے دی تھی یہ سراسر حقائق
ڈالنے کی کوشش ہے۔

مشرقی پاکستان میں اقوام متحدہ کا عملہ اس قدر محو تھا کہ وہ اتنی وسیع امداد کو تقسیم ہی نہ کر
اور نہ ہی اس کا خود تقسیم کرنے کا ارادہ تھا۔ اس طرح سب کچھ پاکستانیوں کے ہاتھ میں ر
نے متذکرہ بالا تبصرہ صرف اس لئے کیا ہے کہ اس المیے کے اصل حقائق کو توڑنے مروڑ
شریک نہیں ہونا چاہتا ہوں اس بنیاد پر مجھے یہ یقین نہیں کہ سیلوان کی کہانی ہماری پوزیشن بہ
گی یا اس سے ہمارے وقار کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے''۔

کیٹنگ کا یہ بیان صرف واشنگٹن کیلئے تھا وہ بچپن سے سیاست میں حصہ لے رہا تھا ا
طور پر کامیابی حاصل کرتا رہا تھا کسنجر کے جھوٹ کے پلندے کی مخالفت کرتے ہوئے ا
بھر احساس نہ تھا کہ کوئی وقت ایسا آئے گا کہ اسے عوام کے سامنے اپنا کیس پیش کرنا پڑ
اس کے بیان کی نقل مجھے ملی تو میں نے اسے عوام کیلئے تشہیر کر دیا۔

ایک اور فریب ان امریکیوں کے نام پر دیا گیا جو مشرقی پاکستان کی جنگ کی زد
تھے۔ ہوائی جہازوں کی آمدورفت بند ہو چکی تھی۔ بھارتی فوج ڈھاکہ کی جانب تیزی
رہی تھی اور پاک فوج گلی کوچوں میں دست بدست جنگ کی تیاری کر رہی تھی۔ اس صور
5 دسمبر کو امریکی قونصل جنرل ہربرٹ سپائیوک نے انخلا کیلئے واشنگٹن سے رابطہ قائم ک
یہ پیغام ارسال کیا تھا۔

''موجودہ حالات میں امریکہ نے پاکستان کی حمایت کا جو رویہ اختیار کیا ہے اس
دیش اور مکتی باہنی کے فوجیوں کے دلوں میں ہمارے خلاف نفرت بڑھ گئی ہے اگر بھارت
کو آزاد کرانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس قونصل خانے کو جن مشکلات کا سامنا کر
ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ڈھاکہ چونکہ بنگلہ دیش میں شامل ہو گا اس لئے اس قونصل
کام جاری رکھنے کا کوئی قانونی جواز موجود نہیں اس کے عملے کو حکومت اور یہاں کے عوا
نگاہ سے دیکھیں گے۔

قونصلر نے تجویز پیش کی تھی کہ یہاں چند افراد نگرانی کیلئے باقی رکھے جائیں اور
بھارت سے اجازت لے کر خصوصی طیارہ کے ذریعے باقی عملے کو نکال لیا جائے۔

9 دسمبر کو اس نے تجویز پیش کی کہ وقت آ گیا ہے جب بنگلہ دیش کے کارپردازوں سے
تعلقات پیدا کر لینے چاہئیں اس سے نئی حکومت کو تسلیم کرتے وقت آسانی رہے گی۔ وہ اور اس کا
''سخت جاں'' اسٹاف ڈھاکہ میں ٹھہرنے پر رضامند تھا تا کہ جونہی بنگلہ دیش کی نئی حکومت مشرقی
پاکستان کا کنٹرول سنبھال لے تو وہ عارضی طور پر کام شروع کر دیں۔

ڈھاکہ میں تقریباً پچھتر امریکی مقیم تھے بیشتر کا تعلق قونصل خانے سے تھا۔ ان کے بیوی
بچوں کو مارچ کے فسادات شروع ہوتے ہی یہاں سے نکال لیا گیا تھا اقوام متحدہ اور دوسرے
سفارتی عملے کو شامل کر کے ڈھاکہ کی کل غیر ملکی آبادی 500 نفوس پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ
اخباری نمائندے اور امدادی کاموں کا عملہ تھا جسے انخلا سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ڈھاکہ کی جنگ کا
جوں جوں خطرہ بڑھتا چلا گیا بین الاقوامی سطح پر انخلا کے منصوبے بننے لگے۔ اس کام کیلئے برطانیہ
کے تین طیارے اور کینیڈا نے ایک طیارے کی پیش کش کی۔

انتظامات کو آخری شکل دیتے وقت کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بھارت نے وعدہ کیا کہ
انخلا کے وقت بمباری روک دے گا بشرطیکہ تمام طیاروں کو کلکتہ ائرپورٹ پر اتر کر چیک کروایا
جائے۔ پاکستان اس شرط پر بھنا اٹھا مگر بالآخر وہ بھی مان گیا۔ برطانیہ نے ایک اور مشکل کھڑی کر
دی اسے شک تھا کہ ڈھاکہ کا رن وے بھارتی بمباری سے شکستہ ہو چکا ہے اور اس کی تعمیر لازمی
ہے۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے امریکی ہیلی کاپٹر مانگے مگر اس وقت کوئی ہیلی کاپٹر دسترس میں نہ تھا
اس مطالبے سے امریکہ کو بحری مداخلت کیلئے آڑ میسر آ گئی۔

بعد میں اعلان کیا گیا کہ ایک امریکی ٹاسک فورس انخلا کا کام مکمل کرنے کیلئے خلیج بنگال کی
طرف روانہ کر دی گئی۔ بیڑے کا یہ مقصد محض ایک فریب کے سوا کچھ نہ تھا۔ بحری جہاز پہلے ہی
صغیر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کا مقصد صرف اور صرف فوجی تھا۔ بعد میں ان کے ساتھ خفیہ
بیانات میں انخلا کا تذکرہ بھی ہونے لگا شاید یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ بحرالکاہل کے بیڑے کے
کمانڈر ایڈمرل جان میکین نے خلیج بنگال میں پیش قدمی کا منصوبہ بنایا۔ اپریل 1965ء میں ڈومینکن
جمہوریہ کے ساحل پر امریکی فوجوں کے کامیاب آپریشن کا ''سہرا'' بھی اسی شخص کے سر ہے۔

یہ بھی شاید اتفاق ہو کہ 11 دسمبر کو ٹاسک فورس کی روانگی کے بعد پاک فوج نے غیر ملکیوں
کی تمام پروازیں روک دیں جنرل فرمان نے کہا تھا کہ یحییٰ کو خطرہ ہے بھارت ان پروازوں کے

پردے میں چھاتہ بردار اتار دے گا مجھے یہ بات پال مارک ہنری نے بتائی تھی۔ یہ امر قرین
ہے کہ فرمان غیر ملکیوں کو ڈھاکہ میں روک کر امریکی بحریہ کو موقع دے رہا تھا کہ وہ انہیں اور
فوج کو آ کر بچائے۔ انخلا کا کام 12 دسمبر کو مکمل ہو گیا۔ صرف رپورٹر اور ''سخت جاں'' افسر
گئے تے۔ بحری بیڑہ ان کے ''انخلا'' کیلئے اب بھی برابر پیش قدمی کر رہا تھا۔ میں نے ا
میں اس جھوٹ کا پول کھولتے ہوئے کہا کہ امریکی بیڑہ لازماً روس سے تصادم کا خطرہ مول
مشرقی پاکستان جل رہا تھا اور یحییٰ خان نشے میں دھت تھا ''اسے شراب بے حد پسند
اس کے دوست جوزف فارلینڈ کا کہنا ہے ''مجھے بتایا گیا ہے کہ اس کے ساتھ کئی رومان بھی
ہیں'' یو این او کے پال مارک ہنری نے ذرا کھل کر کہا ''یحییٰ ایک دن میں سات گھنٹے نیم
رہتا'' ہنری نے مجھے بتایا تھا ''جنگ کے آخری دنوں میں وہ نوجوان لڑکیوں کا متلاشی رہا''۔
جام ہونٹوں سے لگاتے ہوئے بھی یحییٰ خاں کو ایک سپاہی کی طرح یہ اچھی طرح عل
مشرقی محاذ پر اس کی فوج سپلائی نہ ملنے کے باعث تباہ ہو جائے گی۔ اس نے کوئی معجزہ د
فیصلہ کیا۔ اسے یہ یقین تھا کہ عددی کمی اور حالات کی برتری کے باوجود اس کی فوج میں
جذبہ زندہ رہے گا۔ اضطراب میں مبتلا یحییٰ خاں کیلئے کشمیر کے کسی ٹکڑے پر قبضہ بھی بہت
ثابت ہوگا۔

دوسرے مبصروں سے ہٹ کر بھارتی جنرل اسٹاف نے پاکستان کے 3 دسمبر
حملے سے ایک چال کا سراغ لگا لیا جن اڈوں پر حملہ کیا گیا تھا، وہ کشمیر کی جنگ میں اہ
کرتے تھے، صرف رن وے ہی کو نقصان پہنچا کہ متنازعہ علاقے میں دشمن کی فوجی قوت
دی گئی تھی، وساگ کے اجلاس میں پاکستان کے عزائم کے بارے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ جنر
مور لینڈ نے 7 دسمبر کو اس امید کا اظہار کیا تھا کہ ''پاکستان کا سب سے بڑا حملہ کشمیر او
ہوگا''۔ اس کی پیش گوئی کو کسی نے چیلنج نہ کیا۔

امریکی ایڈ کے ڈپٹی ڈائریکٹر مورائس ولیمز نے 8 دسمبر کے اجلاس میں تجویز
امریکہ کو اپنی کوششیں مغربی پاکستان میں جنگ بندی پر مرکوز کرنی چاہئیں۔ انڈر سیکر
نے احتجاج کیا ''اس طرح پاکستان کی کشمیر میں پیش قدمی کا امکان ختم ہو جائے گا''۔
پاکستانی کامیابی کی توقعات قائم تھیں کارروائی میں تحریر ہے۔

ڈاکٹر کسنجر نے کہا کہ کشمیر میں پاکستان کی کامیابی کا جائزہ لیا جائے'' اس کے باوجود نکسن
نے بعد میں کانگریس کو بتایا ''اگر ہم نے جنگ کے خلاف قدم نہ اٹھایا ہوتا تو یہ طویل تر ہو جاتی اور
مغربی محاذ پر حملے کا خدشہ بڑھ جاتا''۔

یحییٰ خان صرف امریکہ پر انحصار نہ کرتا تھا چین بھی اس کا گہرا دوست تھا۔ دونوں میں کئی
باتیں مشترک تھیں جن میں کسنجر کی دوستی سرفہرست تھی۔ سی آئی اے نے بھارت پر چینی حملے کا پہلا
سراغ پیکنگ کے اخبار پیپلز ڈیلی سے لگایا۔ اس میں تحریر تھا کہ اگر مشرقی پاکستان میں بھارت کی
پالیسی پر عمل کیا جائے تو بھارت کا کوئی ہمسایہ ملک اپنی فوج بھیج کر ''مغربی بنگال یا سکھستان'' آزاد
کرا سکتا ہے۔

یحییٰ خاں نے 11 دسمبر کو اپنے نئے وزیر اعظم نور الامین کو راز داری سے بتایا کہ ''امداد
آ رہی ہے''۔ سی آئی اے نے ان کی گفتگو ریکارڈ کر لی۔ یحییٰ نے کہا تھا کہ چینی سفیر نے اسے یقین
دلایا ہے کہ ''بہتر گھنٹوں کے اندر چینی فوج نیفا کی سرحد کی طرف حرکت کرے گی''۔ یحییٰ خاں کی
گفتگو پر مبنی سی آئی اے کی اس رپورٹ نے واشنگٹن کے اعلیٰ فوجی اور سیاسی حلقوں میں کھلبلی مچا
دی اور چینی مداخلت کا نیا موضوع ہر ایک کی دلچسپی کا مرکز بن گیا، محکمہ سراغرسانی کی نئی رپورٹیں
آتی رہیں اور بالآخر یہ طے پایا کہ ''یحییٰ خاں کے دعوے کی تصدیق نہیں ہو سکی'' لیکن دبے الفاظ
میں اس خدشے کا اظہار ضرور کیا گیا کہ چین پاک بھارت جنگ کے پیش نظر بعض اقدامات کے
بارے میں ضرور سوچ سکتا ہے۔

❁

دسمبر 71ء جنگ سے یہ سبق ملا کہ امریکہ کسی ناپسندیدہ ملک کی امداد بند کرنے میں بڑی
پھرتی دکھاتا ہے، مگر دوسری پسندیدہ قوموں کیلئے ختم شدہ امداد بھی بحال رکھتا ہے۔ کانگریس کے
روز افزوں دباؤ کے تحت اپریل 71ء میں نکسن انتظامیہ نے پاکستان کو اسلحے کی فراہمی کا نیا لائسنس
دینے سے انکار کر دیا لیکن ایک سوراخ رکھ لیا گیا جن چیزوں کا لائسنس پہلے دیا جا چکا تھا وہ پاکستان
کو فراہم کی جائیں گی۔

امریکی ائر فورس نے احکام کو پس پشت ڈالتے ہوئے نئے آرڈر کے تحت پاکستان کو
10.6 ملین ڈالر کے سامان کی فراہمی کا معاہدہ کر لیا، مگر اس کی ترسیل سینیٹر کینیڈی کے شور و غوغا پر

روک دی گئی۔ اس کے باوجود 5 لاکھ 63 ہزار ڈالر کے فالتو پرزے پاکستان پہنچ چکے تھے۔ 30
جون 71 کو ختم ہونے والے مالی سال کے اندر پاکستان کو 28.5 ملین ڈالر کی کل امریکی فوجی ا
مل چکی تھی۔

جنگ کا بازار گرم ہوا اور بھارت کی برتر فضائیہ نے پاکستان کے دونوں خطوں میں کنٹرو
حاصل کر لیا تو یحییٰ نے مزید طیاروں کی درخواست کی' اس کی درخواست پر اردن' کے شاہ حسین
امریکہ سے پوچھا آیا وہ اپنے 8 امریکی جیٹ پاکستان کو دے سکتا ہے۔

ڈاکٹر ہنری کسنجر پاکستان کی مدد کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرنا چاہتا تھا چاہے اس
کانگرس کے فیصلے کی خلاف ورزی ہی ہوتی ہو۔ 6 دسمبر کو وساگ کے اجلاس میں یہ معاملہ سا
آیا تو اس نے پوچھا آیا قانونی کوئی ایسی گنجائش ہے جس کے تحت اردن یا سعودی عرب امر
اسلحہ پاکستان کو منتقل کر دیں؟ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے کرسٹوفر فان ہیلن نے کسنجر کی حو
شکنی کی' امریکہ کسی تیسرے ملک کے ذریعے پاکستان کو اسلحہ منتقل کرنے کی اجازت کیسے دے
ہے جب کہ خود ہم نے پاکستان کی امداد بند کر دی ہے۔

فان ہیلن کے باس اسسٹنٹ سیکرٹری جوزف سسکو نے مدبرانہ منطق سے کسنجر کو اس خ
سے ہٹانے کی کوشش کی۔ اس نے کہا کہ اگر اردن کے جہاز پاکستان کو دے دیئے گئے تو اسرا
کے مقابلے میں خود اس کی پوزیشن کمزور پڑ جائے گی۔ "صدر ان درخواستوں پر عمل کرنے کا
دے سکتا ہے۔"

کسنجر نے کہا "اگرچہ معاملہ ابھی اس کے سامنے نہیں رکھا گیا لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ ن
چاہتا کہ پاکستان شکست کھا جائے" نائب وزیر دفاع ڈیوڈ پیکارڈ نے کہا کہ وساگ کو سوچنا چا
کہ کیا کیا جا سکتا ہے' سسکو رضامند ہو گیا" لیکن یہ کام خاموشی سے کرنا ہوگا" اس نے خبردار کیا۔

اس تجویز سے امریکہ ایک غیر قانونی اسلحے کی سمگلنگ میں ملوث ہوا اعلیٰ حلقوں
اضطراب کی لہر دوڑ گئی بعض نے اپنے اضطراب کا اظہار کر دیا' بعض کاریڈور میں ٹہلتے رہے او
وتاب کھاتے رہے۔ کسنجر نے اس خیال کو ذہن سے نہ جھٹکا۔ 8 دسمبر کو وساگ اجلاس میں
نے پھر یہ مسئلہ اٹھا دیا "ہم صدر کو سوچنے کی مہلت دینے کیلئے اردن کو کس طرح لٹکا کر رکھ سکتے
؟" اس نے پوچھا۔

پیکارڈ نے کہا "اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا" ہم اردن کی حکومت کو ایسا کام
رنے کا حکم نہیں دے سکتے جو خود امریکی حکومت نہیں کر سکتی" اس نے کہا "اگر امریکہ پاکستان کو
ٹار فائٹر 104 نہیں دے سکتا' تو ہم اردن کو بھی ایسا کرنے کیلئے نہیں کہہ سکتے"۔

کسنجر نے پیشہ ورانہ عیاری سے کہا "اگر ہم نے پاکستان کی امداد نہ روکی ہوتی' تو موجودہ
سئلہ پیدا نہ ہوتا۔ شاید ہم امداد روکتے وقت ممکنہ خطرات کی صحیح پیش بینی نہ کر سکے"۔ "اگر اردن
یف 104 پاکستان کو دے دے" پیکارڈ نے کہا" تو امریکہ اردن کو یہ طیارے دوبارہ مہیا کرے گا؟

انڈر سیکرٹری جانسن نے ایک نیا راستہ دکھایا "اگر مغربی محاذ پر بھرپور لڑائی چھڑ گئی تو ایف
104 سے کوئی فرق نہیں پڑے گا ان کی حیثیت محض علامتی ہوگی۔ اگر ہمیں مغربی پاکستان میں
داخلت کرنی ہے تو پھر کھیل کے قواعد مختلف ہوں گے"۔

پیکارڈ نے کاروباری لہجے میں کہا مسئلہ یہ ہے کہ آیا ہم موثر طور پر کچھ کرنا چاہتے ہیں یا نہیں
ر جیتنے کی توقع نہیں تو ٹانگ مت پھنساؤ میرے خیال میں ہمیں باہر نکلنے کا راستہ اختیار کرنا
یاہیے"

کسنجر نے دوبارہ کہا کہ اردن کے شاہ حسین کو ابھی اپنے وعدے پر قائم رکھنے کی ضرورت
ہے تاکہ وہ اس خیال سے منحرف نہ ہو جائے۔

اس ہدایت پر عمل کیا گیا اور اگلے روز انڈر سیکرٹری جان اردن کے دستخطوں سے ایک تار
مان میں امریکی سفیر لیوس براؤن کو بھیجا گیا "شاہ حسین کو بتاؤ کہ ہمیں اس دباؤ کا پورا پورا احساس
ہے جو پاکستان کی طرف سے اس پر پڑ رہا ہے ہم ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ اسے کوئی حتمی
جواب دے سکیں۔ امریکی حکومت اعلیٰ سطح پر اس مسئلے پر غور کر رہی ہے ہم شاہ کی درخواست کا فوری
جواب نہ دے کر نازک صورتحال سے آگاہ ہیں بہر حال اسے قدرے توقف کرنے پر آمادہ کرو"

ایک بار پھر اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کسنجر کے ایلچی کے طور پر کام کر رہا تھا اور ہم براؤن کی طرح
ج تک یہ معلوم نہیں کر پائے کہ "اعلیٰ سطح" سے کیا مراد ہے؟ امریکی حکومت میں فیصلے کی قوت فرد
احد نے چھین لی تھی اور وہ تھا صدر نکسن۔ بہر حال کسنجر کے مشورے پر اس نے شاہ حسین کو دس
یف 104 طیارے پاکستان منتقل کرنے کی اجازت دے دی۔ یوں سسکو کی تجویز کے مطابق یہ کام
"خاموشی" سے پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

18 اپریل 1972ء سے پہلے حکومت نے اعتراف نہ کیا کہ حسین نے مطلوبہ طیا
پاکستان پہنچا دیئے ہیں۔ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے نیکوکاروں کی طرح سرے سے انکار کر دیا
کام امریکی حکومت کی منظوری کے بغیر ہوا ہے اور اس سے امریکہ کی غیر ملکی امداد کے ایک
خلاف ورزی کی گئی ہے۔ یہ اعتراف اس وقت ہوا جب شاہ حسین تین ہفتوں کے دور
امریکہ آیا۔ اس نے صدر نکسن سے ملاقات کی اور اپنی فضائیہ کی کمی پوری کرنے کی درخواس
پیکارڈ کی پیش گوئی کے مطابق اسے نئے امریکی جیٹ طیارے دینے کا وعدہ کر لیا گیا۔

اس کا سرکاری عہدہ قومی سلامتی کے امور میں صدر کے معاون کا ہے' لیکن اگر اس
دروازے پر تختی نصب ہو' تو زیادہ بہتر ہو گا۔

کسنجر وائٹ ہاؤس کے تہہ خانے کا حکمران ہے اور اس کی سرگرمی کا اصل مرکز سچوایشن
ہے جہاں جدید ترین الیکٹرونک آلات نصب ہیں اور ان کے ذریعے دنیا کے کسی بھی مقام
بھی شخصیت سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے یہ چھوٹا سا کانفرنس روم ہے۔ صرف دس افراد ایک
کے گرد کھل کر بیٹھ سکتے ہیں۔ زیادہ شرکاء ہوں تو مزید کرسیاں لگانی پڑتی ہیں اور معاو
دیواروں کے ساتھ ٹھسا ٹھس کھڑے ہوتے ہیں

بعض مواقع پر نچلے افسران نے کسنجر کی اس خواہش کو سبوتاژ کیا کہ پاکستان کی مدد
طریقے سے کی جائے اسے اس صورت حال کا علم بھی تھا اس لئے اس نے دسمبر میں وساگ
اختتامی اجلاس کے سامنے سیٹو کے حوالے سے بات کی تھی اس کا مدعا یہ تھا کہ امریکہ
جارحیت کے پیش نظر پاکستان کی مدد کرنے کا پابند ہے۔

لیکن اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے افسر اس معاہدے کی یہ توضیح کرتے ہیں کہ پاکستان
صرف اسی وقت ضروری ہے' جب اسے کمیونسٹ یلغار کا سامنا ہو۔ ان کا کہنا تھا کہ معاہد
زبان بڑی نرم ہے اور اس کا کچھ بھی مطلب لیا جا سکتا ہے اور زیادہ بہتر یہی ہے کہ پاک
تنازعے میں امریکہ غیر جانبدار رہے۔ مگر صدر غیر جانبدار نہیں رہنا چاہتا تھا امریکی پالیسی ا
کی خواہشات کا قریبی تعلق اقوام متحدہ کی سرگرمیوں سے بھی عیاں ہو جاتا ہے۔ کسنجر نے
کونسل کا اجلاس بلانے پاکستانی سفیر کو ہدایات دینے اور قرارداد کا مسودہ تیار کرنے کی
ہدایات دی تھیں۔ ''اگر اقوام متحدہ اس معاملے میں کچھ کرنے سے عاجز رہی تو اس کا وجود

ہے'' اس نے ایک بار کہا تھا۔

وساگ کے کئی اجلاسوں میں کسنجر اعلیٰ سفارتی نمائندوں اور فوجی افسروں سے یوں مخاطب
ہوتا جیسے وہ کلاس روم میں لیکچر دے رہا ہو۔ وہ ماسکو سے بھی درشتی سے پیش آیا' کیونکہ اس نے
اصرار کیا تھا کہ امریکہ کو کچھ سیاسی توازن برقرار رکھنا چاہئے۔

ایک اجلاس کے آغاز میں ہومز نے جنگی صورت حال کا خلاصہ بیان کیا۔ اس نے کہا
بھارت ہر طرف سے دباؤ ڈال رہا ہے۔ اس نے آٹھ پاکستانی اڈوں پر فضائی حملے کئے ہیں اندرا
گاندھی اور جنرل یحییٰ خان دونوں سخت زبان استعمال کر رہے ہیں۔ کسنجر نے بے صبری سے کہا۔
''صدر کا کہنا ہے کہ یا تو بیوروکریسی بیانات جاری کرے یا پھر وائٹ ہاؤس یہ فریضہ ادا
کرے گا''۔

اس نے طوفانی لہجے میں کہا'' کیا اقوام متحدہ یحییٰ خان کے اس بیان پر اعتراض کر سکتی ہے کہ
وہ اپنے ملک کا دفاع کرے گا'' اسسٹنٹ سیکرٹری ڈی پالما نے کہا'' ہمیں اس طرح یو این او میں
مشکلات پیش آ سکتی ہیں ممکن ہے بعض ممالک پاکستان کا اس حد تک ساتھ دینے پر رضامند نہ ہوں
جس حد تک ہم اس کی حمایت کر رہے ہیں''۔

کسنجر ڈی پالما اور پورے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ پر برس پڑا۔ وہ ڈپٹی اسسٹنٹ سیکرٹری کرسٹو
فر فان ہیلن سے بھی نالاں تھا جو پریس کو غلط طریقے سے بریفنگ کرتا'' جو شخص بھی پریس
کانفرنسوں سے خطاب کر رہا ہے' وہ صدر کے غضب کو دعوت دے رہا ہے۔ مہربانی کر کے صدر کی
خواہشات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرو۔ صدر کا تاثر یہ ہے کہ بریفنگ کرنے والا شخص اسے
صورت حال سے مطلع رکھنے کے بجائے ہدایت دینے لگتا ہے''۔

ایک موقع پر کسنجر نے خود نکسن کو پریشان کر دیا۔ نکسن اور اس کی پارٹی ازوار میں فرانسیسی
صدر جارج پامیدو سے ملاقات کر کے واپس آ رہی تھی۔ کسنجر نے طیارے پر موجود پانچ اخباری
نمائندوں کو آف دی ریکارڈ بریفنگ کی عام ضوابط کے تحت کوئی خبر اس کے حوالے سے شائع نہ
ہونی چاہئے تھی' بلکہ صرف ''اعلیٰ انتظامی ذریعے'' کا حوالہ دینا چاہئے۔ مگر جونہی طیارہ زمین پر اترا'
واشنگٹن پوسٹ نے گمنام ذریعے کا حوالہ دینے کا ضابطہ توڑنے کی جرات کی اور کسنجر کے نام سے یہ
خبر چھاپی کہ اگر روس نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے بھارتی فوج کو جارحیت سے باز نہ رکھا تو
صدر مئی 72ء میں طے شدہ ماسکو کے سفر پر نظر ثانی کرے گا۔ یہ نظر ثانی کسنجر کے خیال میں امریکہ

اور روس کے تمام تر تعلقات پر اثر انداز ہو سکتی تھی۔

ہنری کسنجر تمام حدیں پھلانگ چکا تھا......!!

پاکستان کی امداد کیلئے وائٹ ہاؤس میں شد و مد سے بحث ہو رہی تھی' مگر صدر نکسن نے و
کچھ کیا جو پہلے نازک بحرانوں میں کرتا آیا تھا' وہ ایک طویل عرصے تک غیر فیصلہ کن کیفیت میں
رہا اور جب اس نے آخر کوئی فیصلہ کیا بھی تو وہ حد سے بڑھ کر تھا۔ اس کے اقدام نے عالمی جنگ
خطرہ پیدا کر دیا جس میں روس اور چین کی شرکت لازمی تھی۔ عوام کے اندازوں اور پریس کی سو
سے بڑھ کر جنگ کا دائرہ وسیع ہو جاتا۔ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا تجزیہ یہ تھا کہ روس اور چین پا
بھارت تنازعہ میں ملوث نہ ہوں گے' مگر دونوں ملک جنگ کیلئے بالکل تیار تھے۔

اس تصادم کی فوجی تیاری بڑی خاموشی سے جاری تھی جب سچویشن روم میں کسنجر بیورو کر
پر تند و تیز حملے کر رہا تھا عین اس وقت روس اپنے طاقتور بحر ہند کے بیڑے کو حرکت میں لانے
تیاری میں مصروف تھا 3 دسمبر کو تین روسی جنگی جہاز' زمین سے ہوا میں مار کرنے والے میزائلو
سے مسلح ایک تباہ کن جہاز' ایک مائن سویپر اور ایک نیول آئلر...... آبنائے ملاکا سے بحر ہند
داخل ہو گئے ان کی نقل و حرکت نوٹ کر لی گئی' امریکی شعبہ سراغ رسانی نے کوئی خاص اہمیت نہ دی

8 دسمبر تک روسی بیڑے کی نقل و حرکت واشنگٹن میں کسی تشویش کی لہر نہ دوڑا سکی۔ ا
وقت شعبہ سراغ رسانی کو احساس ہوا کہ نئے جہاز کسی کی جگہ لینے کیلئے نہیں بلکہ قوت میں اض
کرنے کیلئے بھیجے گئے ہیں۔ ان کے جو پیغامات پکڑے گئے' ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ تینوں
جہاز برما کے مشرق میں پانچ سو میل دور تک اور شمال میں خلیج بنگال کی طرف بڑھ رہے تھے
طرح متنازعہ علاقے میں روسی جہازوں کی تعداد سولہ تک پہنچ گئی۔ ایک مائن سویپر اور ایک
بردار جہاز خلیج بنگال کی مخالف سمت شمال کو بڑھ رہے تھے۔ گائڈڈ میزائلوں سے لیس ایک تباہ
جہاز ایک تیل بردار جہاز اور ایک معاون جہاز بھارت کے جنوبی حصے کے نزدیک تھے اور مغرب
طرف بحیرہ عرب کا رخ کیے ہوئے تھے۔

ایک اور معاون جہاز بحر ہند میں کراچی کے جنوب میں پہلے سے موجود تھا اور ایک تیسرا

یدہ جنوب میں حرکت کر رہا تھا روس سمندر کے اندر کوئی درجن بھر خلائی معاون جہاز بھی رکھتا تھا۔
رچہ ان کا مقصد خلائی گاڑیوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لینا ہے' مگر ان کے جدید ترین الیکٹرانک
ام کی مدد سے دشمن کے پیغامات بھی پکڑے جا سکتے ہیں۔

خلیج عدن کے شمال مشرق میں روس کے تین بحری جہاز اور ایک آبدوز بھی موجود تھی ان کے
اتھ ایک تباہ کن جہاز اور ایک تجارتی جہاز بھی سفر کر رہا تھا ایک اور ٹینکر خلیج عدن کے دہانے کی
انب بڑھ رہا تھا ایک مائن سویپر بھارت کے جنوبی حصے میں اور ایک مرمت کرنے والا جہاز خلیج
رس کے علاقے میں تھا۔

اتنی بڑی قوت پر روس مطمئن نہ ہوا اور اس نے تین اور جہاز اس خطے کی طرف بھیج دیئے۔
ن میں ایک تباہ کن جہاز ایک تیل بردار جہاز اور ایک آبدوز شامل تھی۔ یہ آبدوز جہاز سے جہاز پر
ر کرنے والے چار میزائلوں سے لیس تھی۔ اس بیڑے کا رخ آبنائے ملاکا کی جانب تھا۔ جب
ر دسمبر کو انہیں دیکھا گیا تو وہ بحیرہ جاپان کے جنوب سے مشرقی چینی سمندر میں داخل ہو رہے تھے
ن کے پیچھے ایک اور آبدوز بھی چلی آ رہی تھی۔

چینیوں کی فوجی نقل و حرکت کے پہلے آثار ہمالیہ میں دیکھے گئے۔ 10 دسمبر کی رات کو
پال میں امریکی اتاشی کرنل ہولسٹ کو نئی دہلی کی فوجی اتاشی سے اپنے پاس بلا کر پوچھا' آیا اس
نے تبت کے علاقے میں چینیوں کی کوئی نقل و حرکت محسوس کی ہے۔ کرنل ہولسٹ نے بعد میں
نکشاف کیا کہ نئی دہلی کے فوجی اتاشی سے بھارتی حکومت نے اس امر کا سراغ لگانے کو کہا تھا۔
ولسٹ نے واشنگٹن کو بذریعہ تار مطلع کیا ''بھارتی ہائی کمان کا تاثر یہ ہے کہ تبت میں چینیوں کی
سرگرمی بڑھ رہی ہے

اسی شام ایک ڈنر پارٹی میں روسی فوجی اتاشی نے کرنل ہولسٹ کو بتایا ''میں نے نیپال میں
چینی فوجی اتاشی کو خبردار کیا ہے کہ چین کو اس تنازعے میں ٹانگ نہ اڑانی چاہئے۔ روس کی فوجی
قوت اس سے بہتر ہے''

روس میں ایک ایسا جنگی منصوبہ زیر بحث تھا جو لوپ نور پر حملے سے متعلق تھا۔

لوپ نور' چین کے صوبہ سنکیانگ کی دور افتادہ تعجب خیز جھیل ہے۔ جھیل کا ایک سرا تازہ پانی پر
شتمل ہے' دوسری جانب نمکین پانی ہے۔ اس جھیل پر صرف لوپ نک قبائلی ہی کبھی آئے ہوں تو

آئے ہوں' مہذب دنیا کے کسی فرد نے اسے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ اس علاقے کے تاز
نقشوں میں ایک سڑک نظر آتی ہے جو جھیل سے بیس میل دور ختم ہو جاتی ہے لیکن خفیہ فضائی
سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں اور بھی سڑکیں موجود ہیں جو نقشوں میں نہیں دکھائی گئیں۔ چینی
دان لوپ نور کے علاقے میں اکثر آتے رہتے ہیں۔ پاک بھارت جنگ چھڑنے سے پیش
اکتوبر کو انہوں نے وہاں ایک ایٹمی دھماکہ کیا اور تیرھواں دھماکہ 7 رجنوری کو متوقع تھا۔

ممکن ہے ان سرگرمیوں کو روسی سیاروں کی مدد سے نوٹ کر لیا گیا ہو۔ چین کی ای
صرف چھ سو میزائلوں تک محدود ہے' جو ایک ہزار میل تک مار کر سکتے ہیں' مگر نئی تکنیکی ترق
سے ایک ایسا راکٹ ایجاد کر لیا گیا تھا جو اڑھائی ہزار میل تک مار کر سکتا تھا۔ اس طرح ما
میزائلوں کی زد میں آ گیا تھا۔

روسی لیڈرں نے اپنی زمینی اور فضائی افواج سنکیانگ کی سرحد پر پھیلا دیا۔ روسی
کے عملے کو چینی شہروں کے نشانے لینے کا حکم مل گیا۔ اس دوران میں چینیوں نے ہمالیہ میں ا
تیاریاں جاری رکھیں۔ امریکی جاسوس طیاروں نے ریڈیائی سگنل پکڑے جن سے اس نقل
کا ثبوت ملتا تھا۔ اس علاقے میں متعین چینی یونٹ فضائی کیفیت کے اعداد و شمار بھیجے
تھے۔ سی آئی اے نے اس پر تبصرہ کیا۔ "موسمیاتی کیفیت کی سگنل بھیجنے کا یہ مطلب تھا کہ
کو الرٹ کر دیا گیا" ان دنوں آسمان صاف تھا۔

21 راکتوبر کے بعد کوئی برف باری نہ ہوئی تھی۔ چین بھارت سرحد پر دس ہزار
ہزار فٹ کی بلندی پر درجہ حرارت نقطہ انجماد سے نیچے تھا۔ تبت سے بھارت داخل ہونے
درے کھلے ہوئے تھے۔ نئی دہلی میں روسی سفیر نکولائی پیگوف نے بھارتی لیڈروں کو یقین
انہیں چینی حملے سے کسی تشویش میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ روس سنکیانگ پر حملہ کر
یہ تمام معلومات صدر نکسن کو مل رہی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کہ یحیٰی خاں کی مدد کس طرح
ہے۔ اس نے اپنے تمام اقدامات عوام سے مخفی رکھے۔ بحر ہند میں امریکی بحریہ کا ایک طیا
جہاز اور قدیم تباہ کن جہاز متعین تھے۔ برطانوی بیڑہ رخصت ہو جانے کے بعد اس خلا
خلاء واقع ہو گیا تھا اس پر امریکی ایڈمرل پیچ و تاب کھا رہے تھے وہ بحر ہند کو "روسی جھ
کرتے تھے۔

پاک بھارت جنگ چھڑنے سے ان ایڈمرلوں کو سنہری موقع مل گیا بڑی بحث و تمحیص کے
انہوں نے کسنجر کو ایک منصوبہ پیش کر دیا "قومی سلامتی کے امور میں صدر کے معاون کیلئے
ورنڈم' اور اس کا عنوان یہ تھا" پاک بھارت...... علاقے میں قوت کے مظاہرے کا خاکہ"......

9 ردسمبر کو نکسن نے اپنے دفتر میں چند ایک کام انجام دیئے اور پھر وہ ایگزیکٹو آفس کی
نگ میں اپنے دفتر میں جا چھپا۔ وہاں وہ ان مشیروں کی رسائی سے بھی باہر تھا جن سے عام
قات رہتی۔ نکسن کو اس منصوبے پر غور کرنا تھا جو کسنجر نے اس کی منظوری کیلئے پیش کیا تھا۔ اس
صوبے میں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ ایک ٹاسک فورس خلیج بنگال میں بھیج دی جائے تا کہ
ارتی فضائیہ کی توجہ پاکستانی علاقے سے ہٹ جائے اور مشرقی پاکستان کی ناکہ بندی کرنے والا
از "ورکرنٹ" بھی اپنی توجہ امریکی بیڑے کی طرف مبذول کر دے۔

منصوبے میں یہ بات شامل تھی کہ ٹاسک فورس صرف آبنائے ملاکا میں جا کر روس اور
ارت کو نظر آ سکے تا کہ وہ بھی اپنی فوجوں کو خبردار کر سکیں۔ پوزیشن سنبھالنے کے بعد ٹاسک فورس
و جاسوسی طیارے خلا میں بھیجے گی۔ ان کی امداد کیلئے دو ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کرنے
لے ایس آر ٹو بھی شامل ہو جائیں گے اس طرح امریکہ کے بہترین جاسوسی طیارے روسی بحیرہ
نقل و حرکت پر نظر رکھیں گے۔

اس منصوبے کے مطابق نمبر 82 چھاتہ ڈویژن کو حرکت میں لانا اور شمالی کیرولینا کے پاپ
فورس بیس پر ٹرانسپورٹ طیارے جمع کرنا بھی تھا۔ دھوکہ دینے کیلئے امریکہ افریقی ممالک سے
واز کی اجازت مانگے گا اور اس کا مقصد یہ ظاہر کیا جائے گا کہ ان جہازوں سے مشرقی پاکستان
ں گھرے ہوئے لوگوں کو نکالا جائے گا۔ صدر نے تھوڑی دیر تک منصوبے پر غور کیا' پھر چند
میموں کے بعد اس کی منظوری دے دی۔ فوراً بعد ٹاسک فورس نمبر 74 تشکیل دی گئی۔ دنیا کے سب
ے طاقتور ایٹمی قوت سے چلنے والے جہاز انٹرپرائز کو اس کا کمانڈر مقرر کیا گیا تھا اس پر پانچ ہزار
ے زیادہ عملہ' پچھتر سے زیادہ لڑاکا طیارے اور پانچ ہیلی کاپٹر تھے۔ ٹاسک میں گائڈڈ میزائلوں
ے لیس تین تباہ کن جہاز کنگ ڈکیٹر اور پارسنز بھی شامل تھے۔ ہیلی کاپٹر بردار جہاز ٹریپولی بھی
ں بیڑے میں شامل تھا جس پر ہیلی کاپٹروں کے پچیس لڑاکا گروپ اور بحری افواج کی دو کمپنیاں
وجود تھیں۔

ان جہازوں کو آبنائے ملاکا میں جمع ہونے کا حکم ملا۔ پہلے جہاز 12 ردسمبر کو واشنگٹن وقت کے مطابق سات بجکر پینتالیس منٹ شام کو وہاں پہنچتے تھے۔ تین دن بعد 45-8 کو خلیج بنگال میں داخل ہونا تھا۔

جائنٹ چیفس آف سٹاف کے انتہائی خفیہ پیغامات میں ٹاسک فورس کے کمانڈروں کو کیا گیا تھا 10 امریکی جہازوں کو ابتدائی حملے کا خطرہ بھارتی فضائیہ سے ہے' بھارتی فضائیہ پاس صرف روایتی بم' راکٹ' مشین گنیں اور توپیں ہیں۔ ان کے پاس پچیس بحری جہازوں خلاف فضا سے مار کرنے والے میزائل نہیں"۔

ٹاسک فورس 74 رکا پہلا گروپ۔ انٹر پرائز اور تین تباہ کن جہاز ...... ویت نام کے اسٹیشن سے روانہ ہوا۔ دوسرا گروپ ٹریپولی اور تین تباہ کن جہاز فلپائن کی سیو بک جھیل سے بڑھے۔ ان جہازوں کے مابین ریڈیائی پیغامات کا تانتا بندھا ہوا تھا...... بحرالکاہل کی کمان واشنگٹن کی ہائی کمان سے بھی رابطہ وائرلیس کے ذریعے قائم تھا۔

بعض پیغامات سے مشن کی رازداری اور صورت حال کی سنجیدگی اور نزاکت کا احساس تھا۔ ٹاسک فورس کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے بعض سگنل 'سپیکٹ ایکسکلوزڈ" کے عنوان بھیجے۔ فوجی اعتبار سے یہ سگنل سب سے زیادہ خفیہ خیال کئے جاتے ہیں اور پرل ہاربر بحرالکاہل کے بیڑے کا کمانڈر انچیف آف نیول آپریشنز اور جائنٹ چیف آف سٹاف پیغامات کو دیکھنے کے مجاز تھے۔ بحرالکاہل کے کمانڈر ایڈمرل میکین نے ایک پیغام میں جائنٹ کو اطلاع دی کہ آبنائے ملاکا میں 13 ردسمبر کو گرین وچ وقت کے مطابق 8 بجے صبح ٹاسک فورس جہاز جمع ہو سکتے ہیں اور خلیج بنگال میں 16 ردسمبر کو صبح 9 بجے داخل ہو جائیں گے۔

اس بیڑے کے لئے ڈھاکہ سے امریکیوں کے انخلاء کی آڑ تراشی گئی تھی مگر ٹاسک فورس کے کمانڈر ایڈمرل کو پر نے بیڑے کو جنگی تیاری کا حکم دے دیا ساتھ ہی اس نے روسی فضائی حدود کی خلاف ورزی کئے بغیر پہنچنے والے جہاز نزدیک ترین تین ہزار میل کے فاصلے قاہرہ میں روسی "بیمرز" طیارے تھے............

امریکی بحریہ کے منصوبہ سازوں کی توقعات کے مطابق ٹاسک فوج کی خبر دنیا بھر میں گئی۔ اس خبر نے مختلف اثرات مرتب کئے۔ یحیٰی خان نے اسی بنا پر جنگ طویل کر دی بھارت

افواہ اڑی کہ ٹاسک فورس نے ایک بھارتی تباہ کن جہاز کو غرق کر دیا ہے۔ اور بھارتی عوام کے اندر غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ بمبئی کے امریکہ قونصل جنرل نے نفرت کا یہ نقشہ کھینچا۔

ہمیں پاک فضائیہ کی بمباری سے اس قدر خطرہ نہیں جتنا مشتعل ہجوم سے ہم ہراساں ہوئے بیٹھے ہیں۔

13 ردسمبر کو بھارت کے اعلیٰ افسران روسی سفیر پیگوف کے پاس آئے۔ سفیر نے انہیں تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ سی آئی اے کو روسی سفیر اور بھارتی افسروں کی خفیہ گفتگو کو تمام ریکارڈ موصول ہو گیا۔ "ساتویں بحری بیڑے کی نقل و حرکت کا مقصد یہ ہے کہ بھارتی فضائیہ کو پاکستان پر حملے کرنے سے باز رکھا جائے اور پاک فوج کے حوصلے بڑھائے جائیں' روسی سفیر نے بھارتیوں کو کہا تھا "روسی بیڑہ بھی بحر ہند میں پہنچ چکا ہے اور وہ ساتویں امریکی بیڑے کو مداخلت کی اجازت نہ دے گا"

اکثر کہا جاتا ہے کہ روسی صرف خالی خولی وعدے کرتے ہیں' مگر پیگوف کو یہ فوقیت حاصل تھی کہ اس کے الفاظ میں "فولاد" پنہاں تھا۔ بحر ہند میں پہلے سے موجود روسی بیڑے کے علاوہ اب اور روسی بیڑہ کروز قسم کے گائڈڈ میزائلوں سے لیس کروزر امریکی ٹاسک فورس کے پیچھے لگا تھا۔ ایک اور روسی آبدوز بحیرہ جاپان میں داخل ہو رہی تھی اور ولاری واسٹک کی بندرگاہ میں اب اور گائڈڈ میزائیل کروز خلیج بنگال میں کارروائی کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔

12 ردسمبر کو انخلاء کا کام مکمل ہونے کے بعد ڈھاکہ سے کون نکلنا چاہتا تھا؟ ٹاسک فورس کا آخری عذر بھی ختم ہو چکا تھا' مگر امریکی جہاز برابر آگے بڑھ رہے تھے۔ وائٹ ہاؤس اور پینٹاگان والوں کو علم تھا کہ خلیج بنگال میں عالمی امن کے لئے کتنا بڑا خطرہ منتظر ہے۔ وہ بحران جو بڑی دیر سے اندر ہی اندر جنم لے رہا تھا' 15 ردسمبر کو حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔

پیکنگ میں بھارتی سفیر کے ہاتھ میں یہ نوٹ تھما دیا گیا کہ 10 ردسمبر کو بھارتی فوج کا ایک گروپ چین' سکم سرحد پار کر کے چینی علاقے میں داخل ہو گیا۔ چین نے ایسی حرکتوں کو فوری طور پر ختم کرنے پر زور دیا۔ چین نے 1962ء میں بھی اسی طرح کے الزام تراسے تھے دسمبر 71ء میں بھی اس نے یہی عمل دہرایا اور ہم اس کے ارادوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں' تاہم مشرقی پاکستان میں حالات چین کے اندازوں سے زیادہ تیزی سے بدلنے لگے پیکنگ ابھی تک سفارتی سطح پر حملے

کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا اور ڈھاکہ میں پاک فوج بھارت کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی تیار
تھی۔

14 دسمبر کو ساڑھے چھ بجے شام جنرل نیازی ڈھاکہ کے امریکی قونصل خانے
مطلب کرنے آیا تھا وہ بھارت سے جنگ بندی کی درخواست کرنا چاہتا تھا اس کا اپنا ٹر
بھارتی بمباری سے ٹوٹ گیا تھا۔ امریکی قونصلر سپائیوک کرنے پروٹوکول کے آداب ملحو
ہوئے نیازی کی درخواست واشنگٹن بھیج دی تا کہ اسے وہاں سے نشر کیا جا سکے اسٹیٹ ڈ
میں یہ پیغام ڈھاکہ کے وقت کے مطابق 15--7 بجے شام موصول ہوا۔

اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے یہ پیغام اسلام آباد میں اپنے سفیر فارلینڈ کو بھیج دیا تا کہ و
اس کی تصدیق کرے۔ فارلینڈ کا پہلا ردعمل یہ تھا کہ پیغام ''مبہم'' ہے ڈھاکہ میں اس وقت
ساڑھے تین بج رہے تھے کہ واشنگٹن نے اسلام آباد سے پوری طرح تصدیق کر لی۔

اگر چہ امریکہ کے ریڈیو ٹرانس میٹر دنیا کے کسی بھی حصے سے فوری رابطہ قائم کر سکتے
زندگی اور موت کے اس سوال کے ساتھ یوں سلوک کیا گیا جیسے عام سفارتی دعوت کہیں
موصول کی جا رہی ہو' اقوام متحدہ میں امریکی نمائندوں کو پاکستانی سفیر رضا اور بھارتی
سورن سنگھ کی تلاش کے لئے کہا گیا۔ مگر دونوں میں سے کوئی بھی نہ مل سکا۔ بالآخر جنرل
پیغام نئی دہلی میں امریکی سفیر کیٹنگ کو ارسال کر دیا گیا۔ اس وقت 12 بجکر 56 منٹ ہور
ڈیڑھ گھنٹہ پیغام کو ''ڈی کوڈ'' کرنے بھارتی افسروں کی تلاش اور ان تک پیغام پہ
صرف کر دیا گیا۔ جنرل اروڑہ کو بھی پیغام بھیجنے میں مزید وقت ضائع کرنا پڑا۔ جنرل
قونصل خانے میں داخل ہونے اور توپوں کی خاموشی میں اکیس قیمتی اور نازک گھنٹے لگ
اور بنگال کی سرزمین پر مزید خون بہتا رہا اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا کہنا ہے کہ یہ دیر ناگزیر تھ
پھیلانے یا نیازی کے فیصلے کو سبوتاژ کرنے کی درون پردہ سازش نہ کی گئی تھی۔

اس دوران میں امریکہ کو اکیس گھنٹے اپنی خفیہ چالوں کو آگے بڑھانے کے لئے م
کے لئے یہ ناکافی وقت تھا اور وہ بھارت پر حملہ نہ کر سکا۔ روس کو چین پر حملہ کا بہانہ ہاتھ
ٹاسک فورس 74 ابھی دور بہت دور تھی کہ جنگ ختم ہو گئی دنیا نے تو سکون کا سانس ل
طاقتوں کو اس کا اعزاز لینے کا کوئی حق نہیں۔ جنگ روس' چین یا امریکہ کی خفیہ چالوں با

ختم نہیں ہوئی بلکہ یہ خود ہی انجام کو پہنچ گئی۔

اقوام متحدہ کے اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل پال مارک ہنری نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا
''یہ انوکھی جنگ ہے۔ یوں لگتا ہے سب کچھ سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ہوا اور جنرل
زی اس سارے ڈرامے کی کلید ہے۔ میرا ذاتی احساس یہ ہے کہ انہیں ہتھیار ڈالنے کے لئے
ت دی گئی تھی'' مشرقی پاکستان موت کے کرب میں مبتلا رہا بڑی طاقتیں انسانی جانوں کی قدر و
ت سے بے نیاز اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف رہیں' مگر امریکہ جس کا دو سو سالہ ماضی باوقار
ایات سے مزین ہے۔

صدر نکسن نے اس کے دامن پاک پر ایک نہ مٹنے والا سیاہ دھبہ لگا دیا......

بحری بیڑے کا راز کیا تھا؟

1971ء میں جب بھارتی جارحیت اپنے نقطۂ عروج کو چھو رہی تھی اور تمام بین ا
اصول وضوابط اور اخلاقیات کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر بھارتی سامراج اپنی اصلیت ظا
تھا۔ مکتی باہنی کے روپ میں بھارتی فوج کے کمانڈوز مقامی غداروں کے ساتھ مل کر پاکستانی
عملاً مفلوج کر چکے تھے اور بین الاقوامی سرحدوں سے بھارت کے آہن پوش لشکری آتش
کی بارش برساتے پاکستانی سرحدوں کا تقدس پامال کرتے مشرقی پاکستان میں گھس آ۔
پاکستانی اخبارات میں یکا یک امریکہ کے چھٹے بحری بیڑے کا غلغلہ بلند ہوا۔

یہ سمجھا جانے لگا کہ امریکی بحری بیڑے کا یہ طاقتور کلیائی طیارہ بردار جہاز پاکستا
کیلئے خلیج میں داخل ہوا ہی چاہتا ہے۔ یہ افواہ تھی یا سچ؟

پاکستانی فوج اور عوام کے مورال کو بلند کرنے کی بھونڈی کوشش تھی یا مذاق؟ اس
جواب ممکن ہے آپ کو فرینک وان ڈرلنڈن کی کتاب ''نکسن امن کی تلاش میں'' سے مل
فاضل مصنف نے بحری بیڑے کے معمے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ
منظر اور پیش منظر جس میں بھارت مغربی محاذ پر جنگ بندی کرنے پر مجبور ہو گیا بھی بیان کیا

دسمبر 1971ء کے آغاز میں بھارت اور پاکستان کے مابین جنگ چھڑنے سے صا
دھچکا لگا۔ علاوہ ازیں تلاش امن کے لئے ان کی مہتمم بالشان حکمت عملی ایک نئے خطر
چار ہو گئی۔ نکسن خاموش سفارتی اثر ورسوخ بروئے کار لاتے ہوئے اس تنازعے کی ش
کرنے کی کوشش کر رہے تھے جو بھارت اور اس کے پڑوسی مسلمان ملک پاکستان کے ما
سے بھارت کو سخت نفرت تھی پیدا ہو گیا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ بھارت جسے روس نے مسلح
چین کے موکل پاکستان کے مابین جنگ سے ماسکو اور پیکنگ سے ان کی اعلیٰ ترین سطح کی
کا منصوبہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔

گو صدر نکسن نے چوٹی کی ملاقاتوں ویت نام کی جنگ کے سلسلے میں خفیہ مذاکرا

لی کی کشیدگی میں کمی امریکی ڈالر کے استحکام اور اسلحہ کے کنٹرول کے معاہدے پر موسم گرما اور
ان میں زیادہ توجہ مرکوز رکھے رکھی، مگر انہوں نے پاک بھارت کے تصادم کے خطرے کو کمتر
بت دی۔

شروع میں تو برصغیر کی کشیدگی سے واشنگٹن کو فی الحقیقت کوئی واسطہ نہ تھا۔ یہ مسلمان پاکستان
دونوں بازوؤں کا آپس کا جھگڑا تھا ان میں ہزاروں میل کا جغرافیائی بعد تھا اور ان کے درمیان
قامت بھارت حائل تھا۔ حکومت پر مغربی پاکستان کے پنجابیوں کا غلبہ تھا جو مشرق میں چھوٹے
ٹے کچے گھروں میں رہائش پذیر غریب بنگالیوں کو حقارت سے دیکھتے تھے۔ دسمبر ۱۹۷۰ء کے
ابات کے نتیجے میں عوامی لیگ کو جو بنگالیوں کے لئے زیادہ خودمختاری کا مطالبہ کر رہی تھی قومی
لی میں اکثریت حاصل ہو گئی۔ مارچ ۱۹۷۱ء کے آخر میں جب عوامی لیگ اور حکومت کے
یان مذاکرات ناکام ہوئے تو پاکستان کے فوجی آمر جنرل یحییٰ خان نے مخالفت کو کچل ڈالنے
لئے فوجی کارروائی کی۔ عوامی لیگ پر پابندی عائد کر دی گئی اور اس کے قائد شیخ مجیب الرحمٰن پر
ری کا الزام لگا کر اسے حوالہ زنداں کر دیا گیا۔

نکسن کے مخالفین نے الزام لگایا کہ انہوں نے نہ صرف فوج کے ظلم وستم کے خلاف جسے
یکہ اسلحہ مہیا گیا تھا، لب وا کئے بلکہ ساڑھے تین کروڑ پاؤنڈ کی مالیت کی فوجی امداد کا سلسلہ بند
نے میں بھی تاخیر سے کام لیا۔ اس الزام کا نکسن نے یوں جواب دیا۔ امریکہ نے فوجی کارروائی
مایت کی اور نہ اس سے اغماض برتا۔ فوری کارروائی کرتے ہوئے ہم نے اپریل میں پاکستان
لئے فوجی ساز وسامان کے لائسنسوں کا اجرا اور تجدید بند کر دی گزشتہ سال جن ہتھیاروں کی
ا کا وعدہ کیا تھا۔ اس پر عملدرآمد روک دیا اور اقتصادی ترقی کے لئے قرضوں کا کوئی نیا وعدہ نہ
۔ اس کارروائی کے باعث ساڑھے تین کروڑ پاؤنڈ مالیت کے اسلحہ کی ترسیل رک گئی۔ پچاس
پاؤنڈ کی مالیت سے کم کے فاضل پرزے پہلے سے جاری شدہ لائسنسوں پر سپلائی کئے گئے اور
ر کے آغاز سے سپلائی کا سلسلہ کاملاً منقطع کر دیا گیا!

نکسن نے یہ بھی کہا کہ ہم نے بھارت میں پناہ گیروں اور پاکستان میں قحط سے دو چار
نے والے لاکھوں افراد کے انسانی مسئلے کے حل کے سلسلے میں اقوام متحدہ کے توسط سے بھاری
ی پروگرام پر اصرار کیا۔ انہوں نے کہا ''ہم پچاس کروڑ امریکی ڈالر نقد یا اشیاء کی صورت میں

دینے کو تیار تھے۔ یہ رقم باقی تمام ممالک کی فراہم کردہ رقم سے قریب قریب رہ گئی ہے۔ بڑ
پاکستان کے اندرونی علاقوں میں گندم پہنچانے کے لئے ہم نے مال بردار جہازوں کے کرا
رقم بھی ادا کی...... نومبر تک اس قحط کا خطرہ ٹل گیا جو مشرقی پاکستان کے سارے علاقے کو اپنی
میں لینے کو تھا۔ بھارت میں پناہ گیروں کو بھوکوں مرنے نہیں دیا گیا؟

صدر نے سیاسی تصفیے کے لئے پاکستان اور بھارت پر دباؤ بھی ڈالا تا کہ پناہ گیر اپنے گھ
کو لوٹ سکیں۔ 28 رمئی کو نکسن نے دونوں ممالک کے حکمرانوں کے نام تاکیدی مکتوب لکھے۔
یحییٰ خان کو انہوں نے لکھا:

''برصغیر میں قیام امن کے سلسلے میں یہ ناگزیر ہے کہ مشرقی پاکستان میں ایسے حالات
کئے جائیں جن کے باعث بھارت میں مقیم پناہ گیر جلد از جلد واپس آ جائیں۔ مجھے آپ
پر زور طور پر یہ کہنا ہے کہ آپ بھارت سے ملحقہ اپنی سرحدوں پر اور بھارت کے ساتھ اپ
تعلقات میں اعتدال روا رکھیں۔'' وزیراعظم اندرا گاندھی کے نام نکسن نے اپنے خط میں اک
کیا کہ وہ خاموش سفارت کاری کے ذریعے پاکستان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کر رہے
انہوں نے بھارت سے جنگ نہ کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے لکھا: ''ایشیا کی ایک
طاقت ہونے کے ناطے بھارت پر اس خطے میں استحکام اور امن قائم رکھنے کی ذمہ داری عا
ہے۔''

1971ء کے موسم گرما کے وسط میں جب ہنری کسنجر صدر نکسن کے دورۂ چین کی تیا
سلسلے میں مغربی پاکستان کے ہوائی اڈے سے اڑ کر پیکنگ پہنچا تو یحییٰ خان نے پیکنگ
دوستی کی بنا پر اس پراسرار ڈرامے میں بلاشبہ بڑا کردار ادا کیا تھا۔ چین کے ساتھ بہتر تعلقا
ساتھ بھارت کے دوستانہ تعلقات کے باوجود امریکہ بھارت کو چین کا مدمقابل سمجھتا رہا
پاکستان کو امریکہ کی جانب سے مطلوبہ حمایت نہ مل رہی تھی۔ پاکستان نے اپنی خارجہ پا
تشکیل نو کا آغاز کر دیا۔ ایک طرف تو اس نے چین کے ساتھ تعلقات استوار کئے او
طرف روس کی طرف سے بھارت کی کھلی حمایت غیر جانبدارانہ تعلقات کی پوزیشن پر ا
کوشش کی۔

1965ء کی جنگ کے دوران اور اس کے بعد پاک چین تعلقات مستحکم بنیادوں

دیے۔ پاک بھارت جنگ کے دنوں میں چین نے ۱۶ر ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت کو الٹی میٹم دیا۔
ر چہ چین نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ تو نہ پہنایا' لیکن ظاہر ہے بھارت میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔
نگ کے بعد چین نے پاکستان کو قرضے کے علاوہ فوجی ساز و سامان بھی دیا۔

پاکستان کی داخلی صورت حال یہ تھی کہ ایوب خان نے نوکر شاہی کو زیادہ سے زیادہ
ختیارات دیئے اور فی الحقیقت نوکر شاہی کو اپنی سیاسی جماعت بنا لیا اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں
نے مخالف سیاسی جماعتوں کو بے وقعت بنا کر رکھ دیا۔ ان اقدامات کے نتیجے میں پاکستان میں
حدت اور یکجہتی پیدا نہ ہو سکی۔ آخر کار 25 ر مارچ 1965ء کو یحییٰ خان نے پاکستان کی صدارت
سنبھالی۔

درست کہ یحییٰ خان نے انتخابات کرانے کا وعدہ کیا تھا' لیکن اب جو ہم ماضی پر نظر ڈالتے
ہیں تو ہمیں انتخابات کے انعقاد کی وجوہات یا جواز نظر نہیں آتا' کیونکہ عوامی لیگ کی کامیابی
یقینی تھی۔ بدیہی اور قابل قبول وجہ تو یہی ہو سکتی ہے کہ انہوں نے نتائج کے بارے میں غلط اندازہ
لگایا ہو۔ وہ یہ سمجھے ہوں کہ عوامی لیگ کو اتنی نشستیں نہ ملیں گی جن کے بل بوتے پر وہ حکومت بنا
سکے۔ انتخابی مہم کے دوران پاکستان کے سیاسی نظام میں قدرت کی طرف سے مداخلت ہوئی۔

1970ء کے موسم گرما میں سیلاب آئے جن کے باعث انتخابات ۵ر اکتوبر کے بجائے ۷ر
دسمبر 1970ء تک ملتوی کر دیئے گئے۔ پھر 12 ر نومبر 1970ء کو مشرقی پاکستان میں سمندری
طوفان نے قیامت برپا کر دی۔ بنگالیوں کی مناسب دستگیری نہ ہوئی اور وہ سوچنے لگے کہ پاکستان
کے سیاسی نظام میں ہی کچھ خرابی ہے جس کے باعث انہیں کمتر پوزیشن دی جاتی ہے۔

مجیب الرحمٰن کی کامیابی کے بعد یحییٰ خان نے اس سے ملاقات کی اور چھ نکات کے مسئلے پر
اسے اپنی پوزیشن نرم کرنے کے لئے کہا۔ ملاقات کے بعد یحییٰ خان نے مجیب کو ملک کا آئندہ
وزیراعظم قرار دینے کے علاوہ یہ بھی کہا کہ وہ قومی اسمبلی کا اجلاس جلد طلب کریں گے۔ تاہم 12ر
جنوری 1971ء تک یحییٰ خان نے پوزیشن بدل لی اور ملک کی دو بڑی جماعتوں یعنی عوامی لیگ اور
پی پی پی کے مابین مذاکرات کی حمایت کی۔ عوامی لیگ نے اتنی نشستیں حاصل کر لی تھیں کہ وہ کولیشن
وزارت بنانے کی محتاج نہ تھی۔ بھٹو نے عوامی لیگ کے خلاف مغربی پاکستان کی مختلف سیاسی
جماعتوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش میں ناکامی کے بعد فوجی حکومت کے حمایت حاصل کرنی

جا ہی، سیاسی وحدت اور اقتدار کی منتقلی میں نازک مرحلہ اس وقت آیا جب یکم مارچ کو یحییٰ خا
قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا۔

ظاہر ہے بھٹو بحرانی کیفیت پیدا کرنے اور بھارتی حملے کا ہوا کھڑا کرنے میں کامیاب
تھا۔ اسے فوجی جنتا کے ان شکوک وشبہات کو تقویت پہنچانے میں بھی کامیابی نصیب ہوئی
اقتدار حاصل کرنے کے بعد عوامی لیگ فوج کی طاقت کمزور کردے گی۔ حکومت میں ش
لوگوں کی بات نہ سنی گئی جو مشرقی پاکستان میں اس فیصلے کے مضر اثرات کی دہائی دیتے تھے۔
کے التوا سے بنگالیوں پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ مرکزی حکومت عوامی لیگ کے برعکس ج
167 نشستیں حاصل کیں۔ اس سیاسی جماعت کے حق میں مداخلت کررہی ہے جسے فقط 81
ملیں۔ مشرقی پاکستان کے لئے خود اختیاری کی تحریک اب علیحدگی کے مطالبے کی صورت
کرنے لگی۔ طرفین جب آخری نبرد آزمائی کے لئے تیاری کررہے تھے، تو بظاہر یحییٰ اور مج
سیاسی تصفیے کی آخری کوشش کی۔ یحییٰ پاکستان کو متحدہ رکھنا چاہتے تھے، لیکن جو راہ انہوں ۔
کی، اس کے باعث ملک کو دولخت ہونا یقینی تھا۔ 25/مارچ 1971ء کو فوجی کارروائی کا آ
اور جب خانہ جنگی بین الاقوامی مسئلہ بنی تو جنوبی ایشیا بحران کی لپیٹ میں آ گیا۔

بھارت نے 25/مارچ کی فوجی کارروائی سے بھی پہلے شیخ مجیب کے حق میں اپنی ا
ڈپلومیٹک حمایت کے ذریعے مشرقی پاکستان کے داخلی بحران میں ٹانگ اڑانی شروع کردی
نے فروری 1971ء کو مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان اپنی فضائی حدود پر سے ہوائی
کی پرواز بند کردی۔ فوجی کارروائی کے بعد بھارت مکتی باہنی اور بنگلہ دیش کی جلاوطن حکوم
گاہ بن گیا۔ بھارت نے مکتی باہنی کی تربیت اسلحہ کی سپلائی اور اپنی سرزمین کو مشرقی پاکستا
کے لئے چھاؤنی بنانے کی اجازت دے کر بحران میں مداخلت کا آغاز کردیا۔

1960ء کے دہاکے کے وسط میں ایسی اطلاعات ملیں کہ سی آئی اے مبینہ طور
پاکستان کے علیحدگی پسند عناصر کی حوصلہ افزائی کررہی ہے۔ 26/اگست 1966ء کو سی
کے ڈائریکٹر رچرڈ ہومز نے پاکستانی سفیر غلام احمد کو یقین دہانی کرائی کہ سی آئی اے مشرقی
میں یا ایوب خان اور ان کی حکومت کے خلاف تخریب کارانہ سرگرمیوں میں ملوث نہیں۔
جانے والے امریکیوں کو سی آئی اے کے ایجنٹ اور پاکستان کے منصوبہ بندی کمیشن ۔

۔ ماہرین اقتصادیات کو بنگالیوں کے خیالات کا حامی تصور کیا جاتا تھا۔ امریکی سفیر فارلینڈ کو
ت کا حامی ایسا سی آئی اے ایجنٹ گردانا گیا جو پاکستان کے مفادات کو نقصان پہنچانے پر تلا
تھا۔

آرک بلڈ امریکی قونصل جنرل متعینہ ڈھاکہ شیخ مجیب اور اس کے مقاصد کی کھلم کھلا حمایت
ا تھا۔ ان دونوں میں چوری چھپے ملاقاتیں ہوتی تھیں اور پاکستان کے حکام ان ملاقاتوں سے
تھے۔ بلڈ کی سرگرمیوں کو پاکستان کے مفادات کے منافی سمجھا گیا کیونکہ پاکستانی حکام کے
ن ان سرگرمیوں کا مقصد علیحدگی کی حوصلہ افزائی تھا۔ امریکی سفیر جوزف فارلینڈ نے بلڈ کی
میوں کا توڑ کرنے کی پوری کوشش کی اور اس نے مجیب سے کہہ دیا کہ امریکہ مشرقی پاکستان کی
گی نہیں چاہتا اور اس سلسلے میں اس کی کوششوں کی حمایت نہ کرے گا۔ ہوسکتا ہے بلڈ کے
رے سے متاثر ہوکر شیخ مجیب نے علیحدگی کے لئے سخت موقف اختیار کیا ہو، لیکن ساتھ ساتھ یہ
بھی واضح ہے کہ اگر بلڈ اسے یہ مشورہ نہ دیتا تو بھی وہ اسی طرح کا موقف اختیار کرتا۔ امریکہ
سرکاری پوزیشن غیر جانبداری کی تھی لیکن بلڈ کی سرگرمیوں سے صاف ظاہر تھا کہ نکسن انتظامیہ
پالیسی پر عملدرآمد نہیں ہو رہا چنانچہ 25/مارچ کو فوجی کارروائی کے چند ہفتے بعد بلڈ اور اس کے
کے بہت سے افراد کو واپس بلالیا گیا۔

جولائی 1971ء میں امریکی انٹیلی جنس نے رپورٹ بھیجی کہ روس برصغیر میں جنگ نہیں چاہتا
پاکستان اور بھارت کے مابین تصادم کو روکنے کی غرض سے قیام امن کی کوششوں میں یقیناً ہاتھ
ئے گا۔ جولائی ہی میں کسنجر نے چین کا دورہ کیا اور 15/جولائی کو اعلان ہوا کہ صدر نکسن
ری 1972ء میں چین کا دورہ کریں گے۔ ایک بیان کے مطابق کسنجر نے بھارتی سفیر جھا کو
اسطہ دھمکی دی تھی کہ اگر بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تو چین مداخلت کرے گا اور امریکہ
196ء کے برعکس بھارت کی امداد کو نہ آئے گا۔ کہا جاتا ہے یہ وہ دھمکی تھی جس کے باعث
رت نے روس کے ساتھ معاہدہ کیا۔

یہ معاہدہ چین اور امریکہ کی قوت کا توڑ کرنے کے لئے بھارت نے اگست 1971ء میں کیا
ا، یہ ممکن ہے کہ 9/اگست 1971ء کے معاہدے کی وجہ سے جنوبی ایشیا کے حالات وواقعات
ے بارے میں روسی رویئے میں تبدیلی پیدا ہوئی ہو۔

مشرقی پاکستان میں داخلی طور پر جب بحران نمودار ہو رہا تھا تو چین نے یحییٰ خان کو صاف بتا دیا کہ وہ صورتحال سے ٹھیک طرح عہدہ برآ نہیں ہو رہا۔ چینی قائدین کو بالخصو بات پر تشویش تھی کہ مشرقی پاکستان کے بحران کو اگر بڑھنے دیا گیا تو بھارت کو ایک اور م جائے گا اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کہیں وہ جنوبی ایشیا میں اپنی بالادستی قائم نہ کر لے' اس یحییٰ خان سے باصرار کہتے تھے کہ پاکستان کے داخلی مسائل کا مناسب حل تلاش کیجئے۔ وہ ا زیادہ آگے جانے کے لئے پاکستان کے حق میں مداخلت پر تیار نہ تھے۔ جی ڈبلیو چودھری ہے کہ یحییٰ خان نے اسے نکسن اور چینی قائدین کے ساتھ اپنی خط و کتابت دکھائی تھی۔ انہو مشورہ دیا تھا کہ اگر بنگالی کسی ایسے تصفیے پر تیار نہ ہوں جس سے پاکستان کی وحدت قائم آپ ان کے ساتھ سیاسی سمجھوتہ کر کے ''بھائیوں کی مانند الگ ہو جائیں'' لیکن غلط مشورو خان کی کثرت شراب نوشی کے باعث حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے چلے گئے۔

1971ء کے موسم گرما میں امریکی کانگریس بھی بے تعلق نہ رہی' نکسن انتظامیہ کی جنـ کی پالیسی پر سینیٹر کینیڈی نے شدید تنقید کی۔ اگست ۱۹۷۱ء میں امریکہ ایوان نمائندگان قرارداد کے ذریعے پاکستان کو امریکی امداد بند کرنے کی سفارش کی۔ انتظامیہ کے برعکس کے باوجود پاکستان کو امریکی اسلحے کی ترسیل جاری رہی۔ ۱۹۷۱ء میں ایسوسی ایٹڈ پر نمائندے آرنلڈ ذیٹلن سے کسی بنگالی ڈاکٹر نے یوں شکایت کی

''امریکی حکومت ہمیں زندہ رکھنے کے لئے خوراک اور ہمیں مارنے کے لئے ب گولیاں بھیجتی ہے۔''

یہ بات تو بہت سے لوگوں نے کہی ہے کہ شیخ مجیب کی جاں بخشی کے لئے نکسن نے کی تھی۔ نکسن نے یحییٰ سے کہا تھا کہ صبر سے کام لو اور بنگالیوں کے ساتھ سیاسی تصفیہ کرو کے موسم بہار میں پاکستان میں قائم امریکی سفارت خانے نے مشرقی پاکستان پر بھار پیشینگوئی کی تھی۔

نکسن انتظامیہ نے جنوبی ایشیا کی 1971ء کی صورتحال کو 1971ء کے موسم خزاں اہمیت دی تھی اور نہ اسے فوری حل طلب سمجھا تھا۔ امریکہ نے جب مصالحانہ کوشش کا آ وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا اور جیسا کہ کسنجر نے اپنی 7 دسمبر 1971ء کی پریس کانفرنس میں

اگر ان کوششوں کے نتیجے میں کچھ پیش رفت ہو جاتی تو جنگ روکنا ممکن نہ تھا۔ اندرا گاندھی نے واشنگٹن کا دورہ کیا تو نکسن انتظامیہ نے اندرا یحییٰ مذاکرات کا اہتمام کرنے کی غرض سے مزید یا مہلت حاصل کرنے کی کوشش کی۔

نکسن کو یوں لگا جیسے وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا ہو اور یہی وجہ تھی کہ جب بھارت نے کیا' تو امریکی انتظامیہ کا ردعمل بہت شدید تھا آخری چارہ کار کے طور پر یحییٰ نے نومبر کے وسط جنگ روکنے کی کوشش کی۔ اس نے بھارت کے سفیر اٹل کو امن کا خفیہ منصوبہ پیش کیا' مگر مسز ندھی نے اس منصوبے کو ناقابل عمل پا کر مسترد کر دیا۔ اندرا گاندھی کی واشنگٹن سے واپسی کے ہفتے بعد بھارت نے مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا۔

اندرا گاندھی جب نومبر 1971ء میں امریکی دورے پر واشنگٹن پہنچیں' تو وائٹ ہاؤس پر یہ قیقت منکشف ہو چکی تھی کہ جنوبی ایشیا بحران کی لپیٹ میں ہے۔ امریکی حکومت نے شرنارتھیوں کے لئے امداد مہیا کر کے بحران دور کرنے کی کوشش کی اور اپنے طور پر یہ سمجھ لیا کہ اسے اب مزید ت مل گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ امریکہ نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ بھارت اور پاکستان رحدوں سے اپنی اپنی افواج واپس بلوائیں اور اندرا گاندھی اور یحییٰ خان کے مابین مذاکرات ہوں۔ امریکہ کے سرکاری افسروں کا کہنا ہے کہ جنگ سے بچنے کے لئے پاکستان تو تعاون پر آمادہ تھا' مگر بھارت اس کے حق میں نہ تھا۔

علاوہ ازیں بھارت میں بعض لوگ اسے نادر موقع تصور کرتے تھے جیسا کہ انڈین انسٹیٹیوٹ آف ڈیفنس سٹڈیز کے ڈائریکٹر سبرامنیم نے کھلم کھلا کہا: ''بھارت کو اس امر کا احساس ہونا چاہئے کہ پاکستان کا دولخت ہونا ہمارے مفاد میں ہے اور اس طرح کا موقع ہمیں دوبارہ نہ ملے گا۔'' اگرچہ امریکی سرکاری افسروں نے ٹی این کول کی سربراہی میں بھارتی وفد کے ساتھ مذاکرات کئے' لیکن یہ افسر اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ مذاکرات بیکار ہیں' کیونکہ بھارت نے حملہ آور ہونے کا پہلے ہی فیصلہ کر رکھا ہے۔ امریکی افسروں کو انٹیلی جنس کے ذرائع سے یہ اطلاعات مل چکی تھیں کہ مشرقی پاکستان کے خلاف فوجی کارروائی کا فیصلہ تو مسز گاندھی کی دورۂ امریکہ پر روانگی سے پہلے ہو چکا ہے۔

یہ باتیں مجھے امریکی افسروں نے اپنے انٹرویوز کے دوران مارچ 1957ء میں بتائی تھیں۔

نکسن اور مسز گاندھی کے مابین مذاکرات کے ساتھ ساتھ جوزف سسکو اور ٹی این کول کی
میں امریکی اور بھارتی وفدوں کے مابین مذاکرات کرنے والی امریکی جماعت میں شامل
بتایا کہ ان مذاکرات کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

مذکورہ بالا مذاکراتی اجلاسوں کے بعد جب بھارت نے مشرقی پاکستان کی سر
کاروائیاں تیز تر کر دیں اور آخر کار حملہ بھی کر دیا' تو امریکہ کو مسز گاندھی کے دورہ امریکہ
مقصد کے بارے میں شک گزرا۔ اس شک نے بھارت کے بارے میں امریکہ ک
سازوں کے منفی رویئے کو تقویت پہنچائی۔ انہیں جنگ ناگزیر نظر آئی اور انہوں نے یح
گاندھی کے مابین مذاکرات کے آغاز کے لئے کوششیں تیز تر کر دیں۔ اگرچہ امریکہ نے
اور پاکستان کے مابین مذاکرات کی تجویز پیش کی' لیکن امریکی وزارت خارجہ کے ب
افسروں کا خیال تھا کہ نکسن اور کسنجر کی کوششیں بھرپور نہ ہونے کے علاوہ بروقت نہیں
لاحاصل ہیں۔ بعض امریکی افسروں کا کہنا ہے کہ بھارتی حملے پر وائٹ ہاؤس میں شدید غ
جولہر پھیلی' اسکی وجہ یہ تھی کہ صدر نکسن کو محسوس ہوا کہ اندرا گاندھی نے انہیں گمراہ کیا تھا۔ بھا
منفی رویئے نے امریکی انتظامیہ کے اس خیال کو بالکل واضح کر دیا کہ بھارت جارحیت
ہوا ہے اس کے مقابلے پر بھارت کی پوزیشن یہ تھی کہ ہمارے پاس اس کارروائی کے علا
چارہ کار نہ رہا تھا۔ دورہ امریکہ کے دوران مسز گاندھی نے کہا تھا: '' بنگال میں شرنارتھیوا
اب پھٹ پڑنے کو ہے...... ہمارے لئے مزید انتظار ممکن نہیں رہا۔'' مشرقی پاکستان پر حم
بھارت کے متعلق امریکی انتظامیہ کی رائے نہ صرف صحیح ثابت ہوئی' بلکہ امریکہ حکومت
سرکاری افسر جو بھارت کا دم بھرتے تھے بھارت کو جارح قرار دے رہے تھے۔

اندرا گاندھی کے دورے کے بعد واشنگٹن سپیشل ایکشن گروپ کے اجلاس زیاد
ہونے لگے۔ مسز گاندھی کے دورے کی تاریخ سے لے کر جنگ کے اختتام تک اس گرو
بیس پچیس اجلاس ہوئے ان اجلاسوں کے کئی شرکا کا خیال ہے کہ ان کا مقصد تو ان فی
تصدیق ثبت کرانا ہوتا تھا جو نکسن اور کسنجر پہلے ہی کر چکے ہوتے تھے۔ یہ عین ممکن ہے اس
میں کسنجر نکسن کے قاصد کا کردار ادا کر رہا ہو کہ 3 دسمبر 1971ء کے اجلاس میں اس نے
'' ہر آدھ گھنٹے بعد صدر مجھ پر برس پڑتے ہیں کہ ہم بھارت کے ساتھ سخت رویہ

رہے۔ انہوں نے مجھے ابھی ابھی طلب کیا تھا وہ یہ ماننے کو تیار نہیں کہ ہم ان کی خواہشات کے
طابق کارروائی کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارا جھکاؤ پاکستان کی طرف ہونا چاہئے۔ انہیں
چھ اس طرح کا احساس ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس کا الٹ نتیجہ نکلتا ہے۔''

نکسن رپورٹ 72ء کے مطابق بھارت اور پاکستان میں جنگ چھڑنے کے بعد امریکی
پالیسی کا مقصد یہ تھا کہ جنگ بندی کروائی جائی۔ اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے امریکہ
نے روس کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن روس نے سلامتی کونسل کی ان قراردادوں پر جن
یں جنگ بندی اور فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا تھا حق استرداد استعمال کیا۔ روس نے بین
لاقوامی کارروائی میں روڑے اٹکائے تا آنکہ مشرقی پاکستان پر قطعی قبضہ ہو گیا۔

امریکہ کے سامنے ایک اور چیز تھی۔ دوسرے علاقوں کے لئے یہ واقع کیسی نظیر قائم کرے
گا۔ علاوہ ازیں یہ بھی پیش نظر تھا کہ امریکہ کے حلیف پر حملے کے دوران عدم کارروائی کو روس یا
چین امریکہ کی کمزوری نہ سمجھ لیں۔ یہ خیال اس وقت خصوصی اہمیت اختیار کر گیا جب کسنجر نے
محسوس کیا کہ بھارت تو مغربی پاکستان کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے۔ نکسن رپورٹ کے مطابق
'' (6 دسمبر کو) ہمیں اس امر کا باوثوق ثبوت ملا کہ بھارت اس بات پر سنجیدگی کے ساتھ غور کر رہا
ہے کہ وہ پاکستان کی جانب کشمیر کے علاقے پر قابض ہو جائے اور مغرب میں پاکستان کی فوجی
طاقت کو تباہ کر دے۔ ہم اس ثبوت سے غفلت نہ برت سکتے تھے علاوہ ازیں ہم اس امر سے بھی
غافل نہ ہو سکتے تھے کہ جب ہم نے بھارت اور اس کے حامیوں سے اس کے برعکس صاف صاف
یقین دہانی کے لئے بار بار کہا تو ہمیں یہ یقین دہانی نہ کرائی چنانچہ بڑی جنگ کی پیش بندی کے لئے
ہمیں کارروائی کرنا پڑی۔'' یہ باوثوق ثبوت دراصل سی آئی اے کی رپورٹ تھی اس رپورٹ سے
کسنجر کے ان شکوک وشبہات کو تقویت ملی جن کا اظہار وہ واشنگٹن سپیشل ایکشن گروپ کے اجلاسوں
میں بار بار کر چکا تھا۔

یہ وہ صورتحال تھی جب جوابی کارروائی کے طور پر امریکہ نے خلیج بنگال میں نیوکلیائی طیارہ
بردار بحری جہاز انٹرپرائز بھیجنے کا فیصلہ کیا پاکستان کے قیام کے سلسلے میں نکسن کی مہم کے اس نازک
مرحلے پر صدر کے مشیر برائے قومی سلامتی نے پاکستان کی ناراضگی مول لینا موزوں نہ سمجھا۔
جولائی میں جب کسنجر کی بھارت کی تحکم پسند وزیراعظم سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے خاموش دباؤ

کی پالیسی کی وضاحت کی۔

نکسن نے یحییٰ سے یہ یقین دہانی بھی حاصل کر لی کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو ٹھکانے نہ لگایا جا
گا۔ یحییٰ خان' مجیب الرحمٰن سے تو نہیں البتہ کلکتہ سے آنے والے بنگالیوں کے ترجمان سے گف
شنید کریں گے اور امریکیوں کو مجیب کے وکیل کے توسط سے مجیب کے ساتھ نامہ و پیام کی اجاز
ہو گی۔ یحییٰ اس بات پر بھی رضامند ہو گئے تھے کہ دفاع کرنسی اور امور خارجہ کے علاوہ ہر
صوبے کو خود مختاری مل جائے گی اور دسمبر میں مشرقی پاکستان میں محدود سول حکومت بحال کر
جائے گی۔

نکسن نے بعد میں بتایا بھارت کو ہر مرحلے پر ان واقعات سے باخبر رکھا گیا مگر اس نے
دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔ اس کے برعکس بھارت نے مشرقی پاکستان میں گوریلا کارروائی کی جو
زیادہ زور شور سے کی دونوں ممالک نے اپنی افواج کو سرحدوں پر لا ڈالا اور کشیدگی میں خطرناک
تک اضافہ ہو گیا۔ امریکہ نے تجویز پیش کی کہ افواج سرحدوں سے واپس بلالی جائیں۔

یہ تجویز پاکستان نے قبول کر لی' مگر بھارت نے نہ مانی۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری ج
او تھانٹ نے مصالحت کیلئے اپنی خدمات پیش کیں۔ پاکستان نے ہمدردانہ جواب دیا اور ی
پیش کی کہ سرحد کے دونوں جانب اقوام متحدہ کے مبصرین تعینات کر دیئے جائیں۔ بھارت
مبصرین کی تعیناتی کو قبول نہ کیا۔ تب نکسن نے پاکستان کو تجویز پیش کی کہ فوجوں کی واپسی کی ط
پیش قدمی کرتے ہوئے پاکستان اپنی فوجیں یک طرفہ طور پر واپس بلالے پاکستان نے مشر
پر اسے قبول کر لیا کہ بھارت ایسے ہی اقدام کی یقین دہانی کرائے بھارت نے یہ یقین د
کرائی۔

نومبر کے آغاز میں جب وزیراعظم گاندھی وائٹ ہاؤس پہنچیں تو صدر نے انہیں مطلع
پاکستان نے ان سرحدی مقامات سے فوجیں واپس بلا لینے کی حامی بھر لی ہے جہاں دونوں م
کے توپخانے ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں۔ اس ملاقات کے دوران مسز گاندھی سے اس
ہلکا سا بھی اشارہ نہ ملا کہ بھارتی افواج بھرپور حملہ کرنے کو ہیں۔ اپنے سحر طراز مہمان کے
میں ضیافت کے دوران نکسن نے کہا آپ کے پتا جی نے تو نسل بھر امن کا خیال پیش کیا تھ
نے بطور نائب صدر اپنے دورہ بھارت کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

جب میں نے نہرو سے پوچھا کہ آپ کے ملک کو سب سے زیادہ کس چیز کی ضرورت ہے تو
ں نے جواب دیا تھا: ''بھارت کو جو شے درکار ہے اور دنیا کو جو شے درکار ہے وہ ہے نسل بھر
ن و عافیت۔''

حتیٰ کہ جب نومبر کے آخر میں بھارتی افواج نے بنگالی گوریلوں کی امداد اور پاکستان کی
وں کو خاموش کرنے کیلئے سرحد عبور کی تو بھی صدر اور ان کے مشیروں کو یقین نہ تھا کہ مسز گاندھی
ی کسنجر کے الفاظ میں ''ننگی جارحیت'' سے کام لیں گی اور ان لوگوں نے ذاتی سفارت کاری کے
یے اس آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ بھارت پاکستان اور روس سے دوبارہ اپیلیں کی
ئیں۔

نکسن نے بعد میں انکشاف کیا: ''یہ امر تو بالکل واضح تھا کہ اگر جنگ چھڑی تو بھارت جیت
ے گا مگر ہمارے خیال میں جنگ ناگزیر تھی اور نہ قابل قبول۔''

وزیر خارجہ راجرز کو امید تھی کہ روس' پاک بھارت کی جوش کھاتی ہنڈیا پر ڈھکنا برقرار رکھنے
ں مدد کرے گا تا کہ امریکی روسی تعلقات میں رخنہ نہ پڑے جو برلن کے معاہدہ راہداری سالٹ
LIMITATION TREATY SALTSTRATEGI
ARMAMEN مذاکرات اور نکسن کے مجوزہ دورہ ماسکو کے باعث نمایاں طور پر بہتر ہو گئے
ھے۔ برصغیر میں قیام امن کی ذمہ داری کیلئے دونوں نیوکلیائی عظیم طاقتوں کے مشترکہ اقدام کے
مکان کے بارے میں امریکہ نے روس سے سلسلہ جنبانی بھی کی۔

مگر روس' امریکہ کا ہاتھ جھٹک کر الگ جا کھڑا ہوا۔ روسی اسلحہ اور مگ لڑاکا طیاروں کے بل
تے پر جو پاکستان کے ناکارہ فوجی ساز و سامان سے کہیں بہتر تھے بھارت کو بھرپور حملے کی شہ ملی یہ
ممکن ہے کہ چین کے جوابی حملے کے خلاف روسی حفاظت کی یقین دہانی حاصل کئے بغیر مسز گاندھی
پاکستان کے خلاف بھرپور فوجی قوت کو حرکت میں لے آئیں۔

روس نے نکسن کو یقین دلایا کہ اگست 1971ء میں بھارت سے کئے گئے دوستی کے
معاہدے کا مقصد قیام امن کے سلسلے میں روسی اثر و رسوخ میں اضافہ ہے مگر صدر بڑے دکھ کے
ساتھ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس معاہدے اور سامان جنگ کی کھیپوں سے موجودہ بحران میں بھارت کو
روس کی سیاسی حمایت کی مزید یقین دہانی حاصل ہو گئی ہے۔

3 دسمبر بروز جمعہ اس کشمکش نے بھرپور جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ ایک سال پیشتر شرق

اردن کے ایام ہنگامی حالات کی مانند قومی سلامتی کونسل کے واشنگٹن سپیشل ایکشن گروپ (جماع
برائے خصوصی اقدام) کے وائٹ ہاؤس کے مغربی بازو والے کمرہ حالات (سچوایشن روم) م
روزانہ گرما گرم اجلاس ہونے لگے جن کی صدارت بالعموم کسنجر کیا کرتا تھا۔ سنٹرل انٹیلی جنس
ڈائریکٹر رچرڈ ہومز نے اس بات کی تصدیق کی کہ بھارت نے مشرقی پاکستان پر بھرپور حملہ ک
ہے اور ہوائی اڈوں اور دیگر اہم مقامات پر بمباری کے علاوہ ہر چہار اطراف سے سرحدیں عبو
لی ہیں۔

اگلے روز (4 دسمبر) کسنجر نے یہ بات تسلیم کرلی کہ حملہ آور آخر کار سارے مشرقی پاک
پر قابض ہو جائے گا۔ اسے کون روک سکتا ہے؟ فضا اور سمندر پر اس کی حکمرانی ہے اور پاک فو
تعداد میں نسبتاً بہت کم ہے زمینی لڑائیوں میں بیک وقت بھارتیوں اور بنگالی گوریلوں کے
کامیابی حاصل نہیں کرسکتی۔ مشرقی پاکستان کے دارالحکومت ڈھاکہ کے دن گنے جا چکے ہیں۔

جب جنگ چھڑی تو نکسن کا خیال تھا کہ ان کے سامنے دو راستے ہیں۔ وہ جنگ کے خ
ڈٹ جائیں اور اسے روکنے کی کوشش کریں یا پھر غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کر کے جنگ کو
چاپ تسلیم کرلیں۔ انہیں خدشہ تھا ''جنگ کو چپ چاپ مان لینے میں پاکستان کی بقا' دنیا کے
ممالک کے استحکام' قیام امن کے سلسلے میں بین الاقوامی کوششوں اور عظیم طاقتوں کے
تعلقات کیلئے بھیانک خطرات پنہاں تھے۔ یہ خطرات قابل قبول نہ تھے' چنانچہ انہوں نے
روکنے کی بساط بھر کوشش کی۔

انہوں نے سرکاری ترجمانوں کے توسط سے بھارت کی بھرپور فوجی کارروائی پر تنقید ک
ہوئے اسے عالمی امن و امان کو تہہ و بالا کرنے والا جارحانہ اقدام قرار دیا۔ انہوں نے اقوام
سے فوری جنگ بندی کرانے اور فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ امریکی نمائندے جارج بش
سلامتی کونسل سے قرارداد منظور کرانے کی تین بار کوشش کی مگر ہر بار روس نے حق استرداد است
کے ان کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ وائٹ ہاؤس کی رائے تھی کہ روس واضح طور پر اس لئے مزاح
ہے کہ اس کا حاشیہ نشین بھارت اپنی اس آرزو کی تکمیل کرلے جسے وہ ایک عرصے سے سینے
لگائے تھا یعنی مشرقی پاکستان میں اپنے مسلمان دشمن کی حکومت کو ختم کردے اور اس خطے م
حلقہ بگوش بنگلہ دیش کی الگ مملکت قائم کردے۔

علاوہ ازیں بھارت کی فتح یابی سے یہ بات بھی ظاہر ہو جائے گی کہ پاکستان کی س

زیادہ جنگی ساز و سامان سپلائی کرنے والا روس کا حریف چین بھی پاکستانیوں کو شکست سے بچانے
کے معاملے میں بے بس ہے......

7 دسمبر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک سو چار موافق گیارہ مخالف اور دس غیر جانبدار
ووٹوں سے جنگ بندی کی قرارداد منظور کرلی۔ اس سلسلے میں نکسن نے بعد میں اپنے خیالات کا
اظہار کرتے ہوئے کہا ''اقوام متحدہ کی بھاری اکثریت نے ہماری پوزیشن کی حمایت کی مگر روس
بین الاقوامی کارروائیوں میں مزاحم ہوا تا آنکہ مشرقی پاکستان پر بھارتی قبضہ ایک حقیقت بن گیا۔''

دسمبر کے اس منحوس ہفتے کے دوران میں نکسن کو اس امر کے شواہد ملے کہ مشرق میں اپنی
آسان فتح کے غرور میں بدمست ہو کر بھارت نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنی مسلح افواج کا رخ مغربی
پاکستان کی طرف موڑ دے گا تاکہ پاکستان کی فوجی قوت کو ختم کردے اور یہی نہیں بلکہ پاکستانی
قوم کو نیست و نابود کر ڈالے۔ نکسن نے بعد میں بتایا ''ہم اس ثبوت کو نظرانداز نہ کرسکتے تھے۔ ہم
اس حقیقت سے بھی غافل نہ تھے کہ ہم نے جب بھارت اور اس کے مددگاروں سے اس امر کی
واضح ضمانت طلب کی کہ ایسا نہ ہوگا تو ہمیں یہ ضمانت نہ ملی' چنانچہ ہمیں وسیع تر جنگ کی روک تھام
کیلئے کارروائی کرنا پڑی۔''

نکسن نے حکم دیا کہ بحریہ کے جنگی جہازوں کا بیڑہ بشمول طیارہ بردار نیوکلیائی طاقت کا حامل
انٹرپرائز بحر اوقیانوس سے بحر ہند کی جانب کوچ کر جائے۔ سرکاری طور پر تو اسے مشرقی پاکستان
کے میدان جنگ سے امریکیوں کے اخراج میں مدد کرنا تھی' مگر غیر سرکاری طور پر اس کا مقصد قوت
کی نمائش کے بل بوتے پر بھارت کو مغربی پاکستان پر حملہ آور ہونے سے باز رکھنا تھا۔ مخالفین نے
اسے غنڈہ گردی پر مشتمل پرانی سفارت کاری کی تجدید قرار دیا جس کا مقصد ان کے بقول عظیم
جمہوریت بھارت کے خلاف پاکستان کی فوجی آمریت کی امداد تھی۔

12 دسمبر کو نکسن نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے ہنگامی اجلاس کا مطالبہ کرتے ہوئے
اعلان کیا ''اب جب کہ بھارتی فوجی مشرقی پاکستان پر قریب قریب قابض ہو چکے ہیں' جنگ
جاری رکھنے کا مطلب اقوام متحدہ کے رکن ملک کی بقا کے خلاف مسلح جارحیت ہوگا۔ سلامتی کونسل
کے مستقل ارکان پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ عالمی امن کے خلاف اس خطرے کے خاتمے کیلئے
فوری کارروائی کریں۔''

روس کی امداد اور شاہانہ لطف و عنایت سے اگر بھارت اپنی مرضی کے مطابق اقوام متحدہ کے
ایک رکن ملک کے ٹکڑے کرسکتا ہے۔

امریکی ہاتھ کا کردار؟

جنگ دسمبر میں امریکہ کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ زندہ قومیں اپنے ماضی سے
سبق سیکھ کر مستقبل کی پیش قدمی کرتی ہیں۔ مصنف جنگی اور سیاسی مبصرین ڈین ہینڈل کی کتاب "
ایس فارن پالیسی ان دی انڈو پاکستان وار" میں امریکہ کا کردار ہی زیر بحث لایا گیا ہے۔

رابرٹ سٹراز ہیوپے کا کہنا ہے۔ کہ بین الاقوامی سیاست کا دارومدار تعاقب اقتدار پر ہے
"اور یہ کہ اگر تاریخ کے کسی بھی دور میں مختلف ممالک آپس میں مصروف پیکار رہے ہوں۔ تو ا
مقصد اپنے اقتدار کی توسیع یا حفاظت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا" ہنس مورگنتھو کا خیال ہے کہ ب
الاقوامی سیاست اقتدار کی جدوجہد کا دوسرا نام ہے۔ جس میں انسان اپنے جیسے دوسرے انسا
کے ذہن اور عمل پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یوں بھی کہا جاسکتا ہے۔ کہ بین الاقو
سیاست کا دارومدار کسی ملک کی اپنی بقاء پر ہوتا ہے۔ مختصراً یہ کہ بقا کے بغیر چونکہ دیگر مقاصد کا حص
ناممکنات میں سے ہے۔ لہٰذا کسی ملک کی خارجہ پالیسی کا اصل مقصد تو اپنی بقا ہی ہوتا ہے اور وہ
کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیگر اقدامات کرتا ہے۔

1947ء سے 1965ء تک کی پاکستان کی خارجہ پالیسی کا تجزیہ کرنے پر پتا چلے گا کہ
پالیسی کا مقصد قومی بقا تھا پاکستان اور بھارت کے مابین معاندانہ اور عدم اعتماد کی فضا کی ا
اساس ہندوؤں اور مسلمانوں کی آپس میں کشمکش ہے جو پاکستان کے قیام پر منتج ہوئی۔ پاک
میں عدم تحفظ کے احساس نے اس ملک کے قیام کی جدوجہد اور تقسیم ملک کے مسئلے پر ہندوؤ
مخالفت سے جنم لیا ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے برصغیر کے مسلمانوں کو ہندوؤں کے غلبے
خطرہ لاحق تھا اسی وجہ سے مسٹر جناح کی قیادت میں 1940ء میں مسلمانوں کے لئے الگ مملک
مطالبہ کیا گیا الگ مملکت کے حامی مسلمانوں نے "دو قومی" نظریئے کو پیش کیا جس کے م
ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو الگ الگ اور ہم پایہ قومیں گردانا گیا یہ پوزیشن کانگرس کی قیادت
لئے ناقابل قبول تھی جس کا دعویٰ تھا۔ کہ ہندوستان کو سیکولر ریاست بنایا جائے گا" چنانچہ پا

روز اول ہی سے عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا ہے۔ بھارت کے لیڈروں کے بیانات نے
پاکستان کے اس خیال کو تقویت پہنچائی کہ بھارت پاکستان کی مسلم ریاست کو ہڑپ کرنا چاہتا
ہے۔

صاف ظاہر ہے۔ قیام پاکستان کے بعد حکومت کا اولین فرض یہی تھا کہ وہ خود کو منظم کر کے
اپنے تحفظ کا بندوبست کرے خان لیاقت علی خان کے پروگرام کا اصل مقصد بھی اپنے تحفظ کی تلاش
تھا۔ پاکستان کو امید تھی بھارتی عزائم کا مقابلہ کرنے کے لئے اسے دولت مشترکہ کی حمایت حاصل
ہوگی لیکن یہ امید بھی اقلیدس کے خیالی نکتے کی مانند موہوم ثابت ہوئی۔ پاکستان نے اپنی خارجہ
پالیسی کا مقصد و منتہا مسلم بلاک کی تعمیر اور تشکیل بنایا' لیکن عربوں کی دوسرے معاملات میں
مصروفیت کے باعث پاکستان کو ناکامی ہوئی۔ اس کے مقابلے پر بھارت نام نہاد غیر جانبدار
تیسری دنیا کی قیادت کے حصول میں کامیاب ہوگیا اور بہت سے مسلم ممالک کو یہ پوزیشن بہت
اچھی لگی۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد امریکہ کی نگاہوں میں جنوبی ایشیاء اہمیت اختیار کر گیا۔ اب
امریکی پالیسی کا مقصد کمیونزم کے پھیلاؤ کو روکنا تھا۔ جب برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی۔ تو انہیں
دنوں امریکہ اور روس کے مابین سرد جنگ کا آغاز ہوا۔ امریکی پالیسی سازوں کے نزدیک پاکستان
کو اپنی جغرافیائی سیاسی اور سٹرٹیجک پوزیشن کی وجہ سے عالمی دفاعی انتظامات میں بڑی اہمیت
حاصل تھی۔ نہ صرف یہ کہ روس کے عین قریب امریکہ کو فضائی اڈوں کی سہولت حاصل ہوتا تھی بلکہ
شرق وسطیٰ اور تیل کے ذخائر کے نزدیک واقع ہونے کے باعث پاکستان سٹرٹیجک اہمیت کا
حامل تھا۔ چنانچہ امریکہ کے عالمی دفاعی نظام میں پاکستان کو حد درجہ اہم کڑی گردانا گیا۔

چنانچہ ادھر پاکستان کو اپنے تحفظ کی تلاش تھی اور ادھر کمیونزم کے خلاف امریکہ کو حلیف درکار
تھے یوں دونوں کے مفادات کا ملاپ ہوا۔ 1952ء میں امریکہ نے پاکستان سے رابطہ پیدا کر لیا
تھا کہ وہ شرق وسطیٰ کے دفاعی نظام میں شامل ہو جائے لیکن عرب ممالک کی مخالفت کے باعث
امریکہ نے مزید پیش قدمی نہ کی۔ پاکستان کو تو معلوم ہی تھا کہ امریکہ اس علاقے میں دفاعی انتظام
کی تلاش میں ہے چنانچہ اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فروری 1954ء میں امریکہ سے
فوجی امداد طلب کی اور کہا کہ یوں وہ اپنے تمام وسائل مادی ترقی میں کھپا سکے گا۔ اب صورت یہ تھی

کہ مفادات کا ملاپ تو ہو گیا۔ لیکن دونوں ممالک کے مقاصد یکساں نہ تھے۔

امریکہ کو پاکستان میں دلچسپی اس لئے تھی کہ وہ کمیونزم کے فروغ کے مقابلے میں ا
پوزیشن مستحکم کرنے کا خواہاں تھا۔ البتہ اس کا ایک نتیجہ ضرور نکلا مغربی کیمپ میں جانے کے باع
پاکستان نے روس کی دشمنی مول لے لی۔

جان فاسٹر ڈلس کا دور جب اختتام کو پہنچا تو امریکہ نے اس بات پر اصرار کرنا چھوڑ دیا کہ
کے مختلف ممالک کو مغربی یا کمیونسٹ کیمپ میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ اصل حقیقت تو
ہے کہ کینیڈی انتظامیہ نے غیر جانبدار ممالک کی حوصلہ افزائی کی علاوہ ازیں' کینیڈی انتظامیہ
بھارت سے خاص ہمدردی تھی پھر یہ بھی ہے کہ کیوبا کے بحران کے بعد امریکہ اور روس کے ما
مصالحتی دور کا آغاز ہو گیا۔

کسنجر نے تو یہاں تک کہا ہے کہ کینیڈی کے دور میں جنوبی ایشیاء میں امریکی پالیسی بھار
کے ساتھ معاشقے کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ اگرچہ کینیڈی نے ایوب خان کو یقین دہانی کرائی تھی
جنوبی ایشیاء کے خطرے میں پڑنے کی صورت ہی میں امریکہ بھارت کو فوجی امداد دے گا۔ اور ا
سلسلے میں پاکستان کے ساتھ پیشگی مشورہ کیا جائے گا لیکن 1962ء میں بھارت چین جنگ
نے پر امریکہ نے ہنگامی حالات کے تحت بھارت کو فوجی امداد دے دی۔ اس سلسلے میں کینیڈی
اپنی یقین دہانی کو پس پشت ڈالتے ہوئے پاکستان کے ساتھ پیشگی مشورہ بھی نہ کیا۔ علاوہ از
پاکستان کے نزدیک بھارت کو دی گئی فوجی امداد ضرورت سے زیادہ تھی۔

یہ وہ حالت تھے جب پاکستان نے امریکہ کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر رکھتے ہوئے
اور روس کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی چین کے ساتھ پاکستان کے قریبی تعلق
کی امریکہ نے مخالفت کی جبکہ روس مغربی ایشیاء کے ممالک نے یک جان ہو کر بھٹو کا ساتھ
عرب اقوام نے بھارت سے صاف صاف کہہ دیا کہ "جب تک پاکستان بنگلہ دیش کو تسلیم
کرتا...... ہم بھی اسے تسلیم نہ کریں گے۔" مجیب نے عرب سربراہوں کے نام ذاتی چھٹیاں
، مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا حتیٰ کہ جب مسز گاندھی نے انہیں خطوط لکھے تو انہوں نے خاموشی ا
کر لی۔ لیبیا کے معمر قذافی نے بھارت کو مورد الزام ٹھہراتے ہوئے جواب میں لکھا: "بھار
وہ ملک ہے جس نے جنگ چھیڑنے کا فیصلہ کیا۔"

مشرقی پاکستان کے بحران کے دوران عرب ممالک نے پاکستان کا ساتھ دیا تھا۔ بعض
ب ممالک کے کاروباری اداروں نے بھارتی فرموں کو دیئے ہوئے آرڈر منسوخ کر دیئے کویت
ایک کاروباری ادارے نے بھارتی فرم کو ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں چھٹی لکھی: یہ جنگ پاکستانی
لمانوں کے بچوں' عورتوں اور مردوں کو قتل کر رہی ہے۔ تمام مسلمان ہمارے بھائی ہیں۔
ے ساتھ کاروبار کر کے جو منافع حاصل کیا جاتا ہے۔ اس سے جنگی ہتھیار اور گولہ بارود خرید کر
ے مسلمان بھائیوں کو قتل کیا جا رہا ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے۔ آپ کے ساتھ تجارتی روابط اس
تک منقطع رکھے جائیں۔ جب تک یہ قتل و غارت گری ختم نہیں ہوتی۔"

وقت کے ساتھ ساتھ بھٹو کے رویئے میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ انہوں نے "تسلیم نہ کرنے" کے
ے تسلیم کرنے کے لئے مجیب سے ملاقات" کی شرط عائد کر دی راولپنڈی نے اس کے مطابق
ا کہ وہ فیلرز چھوڑے۔ اول اول انڈونیشیا نے مصالحت کرانے کی کوشش کی۔ انڈونیشیا نے بنگلہ
کو ترغیب دے دلا کر اسے اپنا نمائندہ بھیجنے پر آمادہ کر لیا تاکہ جکارتہ میں اس کی پاکستان کے
ندے کے ساتھ ملاقات ہو سکے بھٹو نے پیغام بھیجا کہ مجیب ان سے ملاقات کے لئے خود
رتہ پہنچیں۔

مجیب کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے نمائندے کو واپس بلا لیا جو اس وقت تک جکارتہ
چکا تھا۔ راولپنڈی کے رویئے سے انڈونیشیا کو اتنا دکھ ہوا کہ اس نے بنگلہ دیش کو فی الفور تسلیم کر
۔ برطانوی حکومت نے بھی مصالحت کی کوشش کی بھٹو نے پھر وہی مطالبہ دہرایا مجیب نے کہا
تک پاکستان بنگلہ دیش کو تسلیم نہیں کرتا میں بھٹو سے ملاقات نہ کروں گا۔

بعد میں بھٹو نے ماسکو کے ذریعے پیغام بھیجا کہ بھارت اس ملاقات کے لئے اپنا اثر و رسوخ
مال کرے یہ پیغام انہوں نے اس وقت بھیجا جب تمام جنگی قیدی بھارت منتقل ہو چکے تھے اور
رت کی فوجیں بنگلہ دیش خالی کر چکی تھیں اس سے پہلے وہ یہ کہا کرتے تھے جب تک بھارتی
یں وہاں قابض ہیں ڈھاکہ کے ساتھ کیسے سلسلہ جنبانی ہو سکتی ہے۔

جب میں نے بتایا کہ نئی دلی کو اس حد تک اثر و رسوخ حاصل نہیں' تو بھٹو نے کہا: "اب یہ کہنا
بھارت کو اس سے کوئی واسطہ نہیں۔" میرے نزدیک اصل صورت حال سے مطابقت نہیں رکھتا'
ا کہ ہمیں یقین ہے اگر بھارتی حکومت یا وزیر اعظم مسٹر مجیب الرحمٰن سے کہے "پہلے مذاکرات تو

کرلو پھر دیکھو کوئی نتیجہ نکلتا ہے یا نہیں'' تو مجیب اسے نہ ٹھکرائیں گے۔''

بھٹو سے میری یہ ملاقات مارچ 1972ء میں ہوئی تھی۔ اس ملاقات میں انہوں نے
کہا تھا کہ میں مجیب سے اس لئے ملاقات کرنا چاہتا ہوں تاکہ میں اپنے عوام کو بتا سکوں کہ
ملاقات ہوئی ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ ہمارے ساتھ کوئی واسطہ نہیں رکھنا چا
پاکستان سے واپسی پر میں نے مسز گاندھی کو بھٹو کی سوچ سے آگاہ کیا' تو وہ کہنے لگیں: ''تب
صاحب سے واقف نہیں'' مجیب سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کے دوران بھٹو نے تقدیم
نظر انداز نہ کیا تھا وہ سب سے پہلے مسز گاندھی سے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔

فی الحقیقت بھارت کے ساتھ مذاکرات کے آغاز کے لئے انہوں نے ولی خان کو ا
کرنا چاہا۔ بھارت نے یہ تجویز مسترد کر دی ولی خان نے مجھے بتایا: بھٹو کی خواہش تھی کہ میں
کر جنگی قیدیوں کی واپسی کے بارے میں مذاکرات کا آغاز کروں کامیابی کی صورت میں
بھارتی ایجنٹ گردانا جاتا ناکامی کی صورت میں یہ کہا جاتا ''دیکھا' ولی خاں ناکام رہا'' بھٹو
تھے کہ ان کا حریف ولی خان نہیں جو بھارت کے ساتھ اپنے رویئے کے باعث پنجاب کو قابل
نہیں'' بلکہ فوج ہے۔ بلاشبہ شکست نے فوج کے دوبارہ برسراقتدار آنے کے امکانات کم کر
تھے' مگر بھٹو خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھے۔

انہوں نے اپنے دوست گل حسن کو جسے خود انہوں نے کمانڈر انچیف مقرر کیا تھا' اور
کے سربراہ رحیم کو نکال باہر کیا۔ اس کی وجہ؟ بھٹو نے سنا کہ وہ راولپنڈی کلب میں بیٹھے شیخی
کہ ہم نے بھٹو کو تخت پر بٹھایا۔ انہوں نے مجھ سے کہا: اگر میں ناکام ہو گیا' تو فوج
برسراقتدار آجائے گی ''کیا تم لوگ پاکستان میں ایک اور ایوب خاں اور یحییٰ خان کو دیکھنا
ہو؟ اگر نہیں تو پھر میری مدد کیوں نہیں کرتے؟''

اپنی ملاقات کے دوران میں نے بھٹو سے کہا تھا: آیا آپ کشمیر کے سلسلے میں ٹرلیسٹے
کوئی حل قبول کرلیں گے؟ 20/اکتوبر 1945ء کو اٹلی اور یوگوسلاویہ کے مابین اس وقت
حد بندی کی بنیاد پر ٹرلیسٹے کی تقسیم کا معدہدہ ہوا تھا بھٹو کا جواب تھا ''میں جزوی طور پر ٹر
کے متعلق سوچ رہا تھا'' انہوں نے اس کی مزید وضاحت سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا
جانتے ہو یہاں بھی جن سنگھی موجود ہیں جو بیوفائی بیوفائی کی رٹ لگا دیں گے تاہم بعد میں

رف ہو گئے۔

فروری 1972ء میں جنگی قیدیوں کے مسئلے پر روس کے نائب وزیر خارجہ فریوبن نے ماسکو
بھارتی سفیر ڈاکٹر شلونکر سے تبادلہ خیال کرتے ہوئے کہا: اسلام آباد کے روسی سفارت خانے
ریعے بھٹو نے کہلوایا ہے کہ جنگی قیدیوں کی رہائی کے بارے میں ''دائیں بازو کی قوتیں'' ان
ید دباؤ ڈال رہی ہیں یہ بات بھارت کے مفاد میں ہے کہ پاکستان کو کمزور نہ ہونے دے
ت کے لئے اظہار دلجوئی سود مند ہوگا۔ روس کو پاکستان میں قدرے اثر و رسوخ حاصل ہے
م قائم رکھنا چاہتے ہیں کشیدگی نہ صرف بھارت بلکہ روس کی مفاد میں بھی نہیں ہے۔ آخر میں
نے خبردار کرتے ہوئے کہا: ''اگر برصغیر میں حالات جوں کے توں رہے تو چین کی حوصلہ
ہو گی ہو سکتا ہے وہ پاکستان کو ایک اور محاذ آرائی پر اکسائے۔''

مجیب ''جنگی قیدیوں'' پر مقدمہ چلانے پر اصرار کرتا رہا ان کا کہنا تھا آنے والی نسلیں ہمیں کیا
ں گی؟ ہم کم از کم ان پر مقدمہ چلائیں جن کے خلاف ہمارے پاس ناقابل تردید ثبوت موجود
مجھے بتایا گیا ڈھاکہ کو ایک ایسی دستاویز ملی ہے جس میں فرمان علی کے اپنے قلم سے تحریر ہے کہ
ے کے سبز نقشے کو لہو کے رنگ میں تبدیل کر دیا جائے گا۔

پاکستان کا استدلال تھا اس مقدمے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' کیونکہ فوجی تو علیحدگی پسندوں
لاف ادائیگی فرض میں مصروف تھے قید کے دوران نیازی نے بھارتی افسروں کو بتایا کہ میں
ت میں مقیم رہوں تو بہتر ہے' کیونکہ بنگلہ دیش اور پاکستان دونوں مجھ پر مقدمے چلانا چاہتے

14/مارچ کو جب بھٹو نے روس کا دورہ کیا تو روس نے اعلیٰ ترین سطح پر ملاقات کے لئے
ہموار کرنے کی غرض سے حکومتی نمائندوں کا اجلاس بلانے کی تجویز پیش کی انہوں نے
مبیجن سے کہا: اگر بھارت نے ارادہ بدل دیا ہے اور اعلیٰ ترین سطح کے اجلاس سے پیشتر وہ
ری اجلاس کا خواہاں ہے تو میں دستور العمل پر جھگڑنا نہیں چاہتا۔ مجھے سرکاری اجلاس کی تجویز
ا ہے۔

26/اپریل کو مری میں عزیز احمد اور ڈی پی دھر کی ملاقات ہوئی دھر نے یہ بات واشگاف
ظ میں کہی جنگی قیدیوں کی رہائی اور (مغربی محاذ پر) مقبوضہ علاقوں سے فوجوں کی واپسی کا

دارومدار برصغیر میں پائدار امن کے قیام پر منحصر ہے اب جھگڑا یہ پڑ گیا کہ اندرا۔ بھٹو ملاقا ایجنڈے میں کس موضوع کو اولیت حاصل ہونی چاہئے دھر' پائدار امن کو فوقیت دیتا تھا' مداخلت کرتے ہوئے دھر کی مان لی۔ جب مسئلہ کشمیر کا ذکر آیا' تو کسی خاص فارمولے پر ہوئی' تاہم معاہدہ ٹریسٹے کا تذکرہ ضرور ہوا۔ بھٹو نے فقط یہ کہا کہ حل کوئی ایسا ہونا چاہئے ج عوام کے لئے قابل قبول ہو۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ مسز گاندھی سے مسئلہ کشمیر پر تفصی چیت کریں گے۔ بھٹو نے دھر سے لندن کی اس ملاقات کا تذکرہ کیا جو نومبر 1961ء میں ہ ہوئی تھی۔

نہرو نے بھٹو سے کہا تھا: ''زلفی! میں جانتا ہوں' ہمیں کشمیر کا حل تلاش کرنا ہوگا مگر مشکل میں پھنس چکے ہیں کہ اپنے اپنے معاشرے کے نظام اور ڈھانچے کو ضعف پہنچائے میں سے نکل نہیں سکتے۔''

اپریل 1972ء میں جب میں بنگلہ دیش پہنچا' تو مجھے بنگلہ دیش کے رہنما ایک مش گرفتار نظر آئے...... اور وہ تھی بھارت کے خلاف نفرت کی ابتدا ــــ تاج الدین نے مجھ ''میری خواہش ہے مجھے موت آج ہی آن لے۔ آج کل بھارت کے اور بنگلہ دیش کے ا اتنے اچھے ہیں کہ مجھ میں انہیں خراب ہوتا دیکھنے کا یارا نہیں۔'' البتہ مجیب متردد نہ تھا' تاہم سے بہت سے اعلیٰ سرکاری ملازمین دفعۃً یہ محسوس کرکے کہ وہ اب چھوٹے سے اور غریب ملازم ہیں۔ بھارت کے خلاف دل کی بھڑاس نکالتے تھے۔

وہ اکثر کہتے: ''تمہارا ملک بہت بڑا ہے۔ تمہارے پڑوسی چاہیں یا نہ چاہیں۔ انہ تابع مہمل بننا ہوگا۔'' افسروں سے میری ملاقات ہوئی' ان میں سے اکثر نے گویا فرقت جذبے سے مجبور ہو کر ان دنوں کو یاد کرکے جب وہ پاکستان سول سروس کے رکن تھے' مجھ کیا پاکستان میں تمہاری فلاں فلاں سے ملاقات ہوئی' وہ میرے رفیق کار تھے۔

ڈھاکہ کا دفتر خارجہ اس بات پر جھلایا بیٹھا تھا کہ جس ملک میں بھی اس کا دفتر قائم یہی سننے میں آیا' تمہاری خارجہ پالیسی تو نئی دہلی کی کاربن کاپی ہے ڈھاکہ کے دفتر خارجہ افسر نے مجھے بتایا: کاش! کسی مسئلے پر ہم تمہاری مخالفت کر سکیں تاکہ ہمیں اپنی آزادا ڈالنے کا موقع تو ملے' یوں لگتا تھا اپنے ملک کے الگ تشخص کا ثبوت فراہم کرنے کے۔

جلد یا دیر بھارت مخالف طریق کار کو اپنانے کی طرف راغب ہو جائیں گے۔

عام آدمی اشیائے ضروریہ کی قلت اور گرانی کے ہاتھوں پریشان تھا۔ وہ اس پراپیگنڈے پر کان دھرنے لگا تھا کہ اس کے مصائب کی وجہ یہ ہے کہ ''ہر شے بھارت جا رہی ہے'' مجھ سے بار بار کہا گیا کہ بنگلہ دیش میں چاول اس وجہ سے گراں ہے کہ مغربی بنگال سے سامان تعیش کے عوض چاول اسمگل ہو رہا ہے مولانا بھاشانی جیسے لیڈروں نے بھی ان شعلوں کو خوب ہوا دی بھارت مخالف گروہ نے 19/ مارچ 1972ء کو طے پانے والے بھارت بنگلہ دیش معاہدہ دوستی کو بھی خوب استعمال کیا۔

یہ معاہدہ بھارت روس معاہدے کی طرز پر تھا تاہم اس میں یہ بھی کہا گیا: ہر ایک ملک یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ خفیہ یا کھلے طور پر کسی ایک یا زیادہ ممالک سے مل کر ایسی ذمے داری نہ اٹھائے گا جو اس معاہدے سے مطابقت نہ رکھتی ہو'' غالباً یہ الفاظ بھارتی رائے عامہ کے اس حصے کی دلجوئی کے لئے تحریر ہوئے تھے جسے مجیب کی قید کے دوران بھٹو اور مجیب کے مابین کسی خفیہ مفاہمت کا شبہ تھا۔ ضمناً یہ الفاظ ماسکو کو بھی پسند نہ تھے ہندو پناہ گیروں کی واپسی نے بھی بھارت کے خلاف جذبات کو جنم دیا۔

25/ مارچ کو فوجی کارروائی کے بعد بھارت میں پناہ لینے والے ہندوؤں کی املاک مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں بنگلہ دیش کے قیام کے بعد یہ املاک ہندوؤں کو بحال ہو گئیں پاکستان اور دوست عناصر نے جو خاصے سرگرم دکھائی دیتے تھے' پراپیگنڈا کیا کہ ۱۹۴۷ء کے ہندو پناہ گیر بھی واپس آ رہے ہیں چین نواز عناصر نے بھی بھارت کے خلاف جذبات برانگیختہ کئے۔

مجیب کو یقین تھا کہ بھارت بنگلہ دیش تعلقات کو گزند پہنچانے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جغرافیائی اقتصادی اور ثقافتی لحاظ سے ان دو ممالک میں حد درجہ ارتباط ہے مجیب نے کشمیر جانے کی بھی پیش کش کی تاکہ وہ کشمیریوں کو مشرقی بنگال میں پاکستان کے اقدامات سے سبق حاصل کرنے کا مشورہ دیں لیکن 1974ء میں مجیب سے جب میری پھر ملاقات ہوئی تو انہوں نے ارادہ بدل لیا تھا۔ وہ کشمیر پر کوئی گفتگو کرنا نہ چاہتے تھے اور جب میں نے ان کی پہلی پیش کش یاد دلائی تو انہوں نے جواب دیا: ''مجھ سے ایسے سوالات مت کرو۔''

بھارتی امور خارجہ کی وزارت نے چوٹی کی ملاقات کے لئے چند نقشے تیار کر رکھے تھے۔

ایک میں کشمیر کی پرانی جنگ بندی لائن کو بین الاقوامی سرحد میں تبدیل کیا گیا تھا دوسرے میں ا
سرحدیں تھیں' جن کی پیش کش 1962ء کی چین - بھارت جنگ کے بعد مذاکرات کے دوران
سورن سنگھ نے بھٹو کو کی تھی اور جس کے تحت پاکستان کو تین ہزار مربع میل پر مشتمل مزید علاقہ ملنا تھا
ایک اور نقشہ بھارت کے فوجی تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر بنایا گیا تھا۔ اگر پاکستان کو مسئلہ کشمیر حل کر
مطلوب تھا تو اسے موجودہ خط متارکہ جنگ کو قبول کرنا پڑتا تاہم شملہ ملاقات سے پہلے طرفین مسئلہ
کشمیر کو ایک طرف رکھنے پر تیار تھے۔

29/ 1972ء کو شملہ مذاکرات کا آغاز ہوا مسز گاندھی نے رسمی طور پر مذاکرات کا آغا
کرتے ہوئے کہا: مشکلات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دونوں ممالک کو کسی تیسری پارٹی کی مداخلت
کے بغیر سمجھوتہ کرنا چاہئے۔ بھٹو نے اعلان تاشقند پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا: ابتدا ہی سے
طرفین نے غیر لچک دار رویہ اپنا رکھا تھا اور نتیجہ یہ ہے کہ "مرد بچہ" پیدا ہوا انہوں نے پاک بھارت
تعلقات کے ضمن میں فراخدلی سے کام لینے کی اپیل کی طرفین دوبارہ اس قضیئے میں الجھ کر رہ گئے
جس کے باعث مری کے مذاکرات قریب قریب ناکام ہو چلے تھے۔ پائدار امن یا جنگی قیدیوں
مسئلہ..... پہلے کس پر گفتگو ہو؟۔

بعد ازاں کشمیر کا دوامی مسئلہ آیا۔ بھٹو نے کہا: میں کشمیر پر مذاکرات کرنے کی پوزیشن میں
نہیں پاکستانیوں کی نگاہ میں یہ سارا معاہدہ امن مشکوک ہو جائے گا' کیونکہ وہ کشمیر کے بارے میں
خفیہ شق فرض کرلیں گے "میری پشت دیوار سے لگی ہے میں مزید رعایت نہیں دے سکتا" اس مسئلہ
پر بحث کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھی جائے۔ "ایسے معاملات پر جلد بازی سے کیا حاصل؟ م
خیال ہے بعض اوقات جلد بازی سے ایسے معاملات لاینحل حد تک الجھ جاتے ہیں۔ یہ ہمارے
لازمی کیوں ہو کہ ہم تمام مسائل حل کر ڈالیں؟" بھارت نے معاہدہ ٹریسٹے کا حوالہ دیتے ہو
دریافت کیا آیا اس قسم کا کوئی معاہدہ تصفیئے کی بنیاد بن سکتا ہے؟ بھٹو نے جواب دیا اس معاہدہ
میں دونوں ممالک کے نقطہ ہائے نظر اصولی طور پر تسلیم کر لئے گئے تھے' تاہم بھٹو کی بڑی دلیل یہ
"کشمیر کے معاملے پر پاکستان کو اپنی رائے عامہ کا خیال رکھنا ہوگا کشمیر پر ابھی اور اسی وقت
مذاکرات کے لئے نہ کہا جائے میں ابھی کسی فارمولے کو اگر دریافت بھی ہو جائے لوگوں سے منوا
سکوں گا۔"

بھٹو نے مسز گاندھی سے کہا: آپ کم از کم جنگی قیدیوں کو تو رہا کر دیں۔ بھارت کا یہ خدشہ
دور کرنے کے لئے کہ جنگی قیدیوں کو دوبارہ مسلح نہ کر دیا جائے بھٹو نے کہا: میں انہیں فوجی خدمات
سے سبکدوش کر دوں گا۔ بنگلہ دیش کے سلسلے میں انہوں یہ تاثر دیا کہ اگست 1972ء کے وسط تک
اسے تسلیم کر لیا جائے گا اور ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا: ماہ رواں کے آخر تک مجیب سے میری
ملاقات ہوگی

بھٹو کے افسروں نے بھارتی افسروں سے کہا: اگر بھٹو کو خالی ہاتھ جانا پڑا تو ان کی پوزیشن
کمزور ہو جائے گی تاہم عین آخری لمحے میں بھارت نے مقبوضہ علاقے خالی کرنے پر رضامندی کا
اظہار کر کے پاکستانی وفد کو ممنون کر دیا۔ بھارتی فوج کو غیر آباد علاقوں میں قیام پر وقت پیش آ رہی
تھی اسے معلوم تھا کہ یہ علاقے آخر کار خالی کرنا ہی ہوں گے۔

کچھ عرصے سے بھارت کی خواہش تھی کہ اقوام متحدہ کے مبصرین جنگ بندی لائن سے
واپس چلے جائیں۔ بھارت کے نزدیک بھارت اور پاکستان کے مابین جنگ بندی لائن پر
سمجھوتے کے باعث ان مبصرین کی ضرورت نہ تھی۔ راولپنڈی کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد
بھارت نے اس نوعیت کا اعلان کر دیا۔ بھٹو "17/ دسمبر 1971ء کی جنگ بندی کے نتیجے میں
کنٹرول لائن" کا احترام کرنے پر رضامند ہو گئے مگر اس عبارت کے نیچے انہوں نے اپنے قلم سے
"طرفین کے تسلیم شدہ نقطہ نظر کو نقصان پہنچائے بغیر" کا اضافہ کر دیا جو بھارت کے لئے قابل قبول
تھا۔

شملہ معاہدے پر 3/ جولائی کو اس وقت دستخط ہوئے جب قریب قریب ہر شخص کو چوٹی
کانفرنس کی ناکامی کا یقین ہو چکا تھا..... سمجھوتا اتنی تاخیر سے اور اتنا اچانک ہوا کہ معاہدے کی تصحیح
شدہ نقل تیار کرنے کے لئے کوئی ٹائپ رائٹر موجود نہ تھا حکومت پاکستان کی مہر بھی موجود نہ تھی
کیونکہ اسے ایسے تمام سامان کے ساتھ چنڈی گڑھ بھیجا جا چکا تھا جسے شملے سے ہیلی کاپٹر پر ساتھ
لے جانا مطلوب نہ تھا چونکہ اس معاہدے پر حکومت پاکستان کی مہر نہ لگائی جا سکی' اس لئے بھارت
نے بھی اپنی مہر نہ لگائی۔

پاکستان خوش تھا کہ اسے اپنے دونوں مقاصد میں سے کم از کم ایک کے حصول میں تو کامیابی
ہوئی اسے امید تھی کہ کچھ عرصے بعد عالمی رائے عامہ کا دباؤ اس حد تک بڑھے گا کہ بھارت کو جنگی

قیدی چھوڑنا پڑ جائیں گے......نئی دلی کو اس معاہدے میں یہ فائدہ نظر آیا کہ پاکستان نے پہلی با
واشگاف الفاظ میں تسلیم کیا کہ بھارت کے ساتھ تنازعات کے حل کے سلسلے میں وہ قوت استعمال نہ
کرے گا اعلان تاشقند میں قوت کے استعمال سے دستبرداری کا ذکر کنایۃً تھا' اتنی صراحت سے نہ
تھا جتنا معاہدہ شملہ میں بھارت نے پاکستان سے یہ بھی تسلیم کرالیا کہ باہمی تنازعات کسی اور پارٹی
کی مداخلت کے بغیر دوطرفہ طور پر طے کیا جائیں گے یہ بھی معاہدہ تاشقند سے بہتر صورت تھی
کیونکہ معاہدہ تاشقند تو روسی قائدین کی عدم موجودگی میں عالم وجود ہی میں نہ آتا۔

19 ستمبر 1973ء کو سہ طرفہ مراجعت وطن کا آغاز ہوا پاکستان سے بنگالی' بنگلہ دیش سے
پاکستان اور بھارت سے جنگی قیدی جانے شروع ہوئے سات ماہ بعد 9 اپریل 1974ء کو ایک
بچانوے جنگی قیدیوں کی رہائی کے معاہدے پر بھی دستخط ہو گئے اس مراجعت وطن کے آغاز پر
بنگلہ دیش سوچنے لگا کہ پاکستان اسے اب چند دنوں میں تسلیم کرلے گا۔ جب خاصے عرصے تک
کچھ نہ ہوا' تو بنگلہ دیش کو بے قراری ہوئی اور اس نے اپیل کی۔

سب سے پہلے سابق وزیر میزان الرحمٰن چوہدری کو بغداد بھیجا گیا بعدازاں رنگون میں بنگلہ
دیشی سفیر (جو پاکستان کے پیکنگ میں سابق سفیر بھی تھے) کے۔ ایم قیصر اور انڈونیشیا میں بنگلہ
دیشی سفیر کے کے نبی کی خدمات سے استفادہ کیا گیا۔ پاکستانی صنعت کار اور مجیب کے دوست
یوسف ہارون کی خدمات سے لندن میں فائدہ اٹھایا گیا۔ ہر بار بھٹو نے یہی کہا: میں بنگلہ دیش تسلیم
کرلوں گا' بشرطیکہ شیخ مجیب مجھ سے کسی اور ملک میں ملاقات کریں۔ یہ بنگلہ دیش کو منظور نہ تھا
چنانچہ بات آگے نہ بڑھی۔

اس کے بعد ڈھاکہ نے راولپنڈی پر دباؤ ڈالنے کے لئے بھارت سے جنگی قیدیوں کی
مراجعت وطن روکنے کو کہا۔ دلی کا جواب تھا: مسلسل معاشی بوجھ کے باعث اپنے ہی ملک میں
مخالفانہ ردعمل پیدا کرنے کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر بھی اس کے اچھے اثرات نہ ہوں گے ڈھاکہ
نے دریافت کیا: آیا ایک سو بچانوے جنگی قیدیوں پر مقدمہ چلانے کی تیاری شروع کر دی جائے'
اس پر بھارت نے کوئی اعتراض نہ کیا' مگر اس وقت تک یہ بات ''کھلا راز'' بن چکی تھی کہ بنگلہ دیش
مقدمہ چلانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

اس کا مقصد تو محض دھمکا کر پاکستان سے خود کو تسلیم کرانا ہے۔ اسی اثنا میں پاکستان کے

ے میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ اس نے مجیب بھٹو ملاقات پر اصرار نہ کیا۔ البتہ اس خواہش کا اظہار
ر کیا کہ یہ مقدمہ ختم کر دیا جائے۔ اس مرتبہ پاکستان نے پیش قدمی کی۔ اس نے پہلے تو جنیواء
پھر ہانگ کانگ اور اس کے بعد نیویارک میں بنگلہ دیش کے ساتھ رابطہ قائم کیا' مگر اس بار پھر
پنڈی نے اصرار کیا کہ پہلے بنگلہ دیش مقدمہ ختم کرنے کا اعلان کرے' اس کے بعد اسے تسلیم کر
ائے گا۔

اس وقت تک اسلامی سربراہ اجلاس میں شمولیت اور امیر عرب ممالک سے ملنے کا شدید
ش مند تھا۔ بنگلہ دیش کے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ان کا سیکولرازم انہیں اس امر کی اجازت
ہے کہ وہ مذہبی اجلاس دسمبر 1971ء کے آغاز میں بھارت اور پاکستان کے مابین جنگ
نے سے صدر نکسن کو دھچکا لگا۔ علاوہ ازیں تلاش امن کے لئے ان کی مہتم بالشان حکمت عملی
نے خطرے سے دوچار ہو گئی۔

نکسن خاموش سفارتی اثر ورسوخ بروئے کار لاتے ہوئے اس تنازعے کی شدت کو کم کرنے
وشش کر رہے تھے جو بھارت اور اس کے پڑوسی مسلمان ملک پاکستان کے مابین جس سے
ت کو سخت نفرت تھی' پیدا ہو گیا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ بھارت جسے روس نے مسلح کیا تھا اور چین
مؤکل پاکستان کے مابین جنگ سے ماسکو اور پیکنگ سے ان کی اعلیٰ ترین سطح کے ملاقاتوں کا
د بھکٹائی میں پڑ جائے گا۔

گو صدر نکسن نے چوٹی کی ملاقاتوں' ویت نام کی جنگ کے سلسلے میں خفیہ مذاکرات مشرق
ا کی کشیدگی میں کمی' امریکی ڈالر کے استحکام اور اسلحہ کے کنٹرول کے معاہدے پر موسم گرما اور
ل میں زیادہ توجہ مرکوز کئے رکھی' مگر انہوں نے پاک بھارت کے تصادم کے خطرے کو کم تر
ت دی۔ شروع میں تو برصغیر کی کشیدگی سے واشنگٹن کوئی الحقیقت کوئی واسطہ نہ تھا۔ یہ مسلمان
تان کے دونوں کے بازوؤں کا آپس میں جھگڑا۔ تھا کہ ان میں ہزاروں میل کا جغرافیائی بعد تھا
ان کے درمیان دیو قامت بھارت حائل تھا۔ حکومت پر مغربی پاکستان کے پنجابیوں کا غلبہ تھا جو
رق میں چھوٹے چھوٹے کچے گھروں میں رہائش پذیر غریب بنگالیوں کو حقارت سے دیکھتے
۔ دسمبر 1970ء کے انتخابات کے نتیجے میں عوامی لیگ کو بنگالیوں کے لئے زیادہ خودمختاری کا
البہ کر رہی تھی' قومی اسمبلی اکثریت حاصل ہو گئی۔ مارچ 1971ء کے آخر میں جب عوامی لیگ

اور حکومت کے درمیان مذاکرات ناکام ہوئے' تو پاکستان کے فوجی آمر جنرل یحیٰی خان
مخالفت کو کچل ڈالنے کے لیے فوجی کارروائی کی۔ عوامی لیگ پر پابندی عائد کر دی گئی اور اس
قائد شیخ مجیب الرحمٰن پر غداری کا الزام لگا کر اسے حوالہ زنداں کر دیا گیا۔

نکسن کے مخالفین نے الزام لگایا کہ انہوں نے نہ صرف فوج کے ظلم و ستم کے خلاف
امریکی اسلحہ مہیا کیا گیا تھا لب وا نہ کئے' بلکہ ساڑھے تین کروڑ پاؤنڈ کی مالیت کی فوجی امداد کا
بند کرنے میں بھی تاخیر سے کام لیا۔ اس الزام کا نکسن نے یوں جواب دیا۔ ''امریکہ کے فوجی
نہ کارروائی کی حمایت کی اور نہ ہی اس سے اغماض برتا۔ فوری کارروائی کرتے ہوئے ہم نے ا
میں پاکستان کے لیے فوجی ساز و سامان کے لائسنسوں کا اجراء اور تجدید بند کر دی'' گزشتہ سال
ہتھیاروں کی ترسیل کا وعدہ کیا تھا ''اس پر عمل درآمد روک دیا اور اقتصادی ترقی کے لیے قرض
کے کوئی نیا وعدہ نہ کیا۔ اس کارروائی کے باعث ساڑھے بائیس کروڑ پاؤنڈ مالیت کے اسلحہ کی ترسیل
رک گئی۔ پچاس لاکھ پاؤنڈ کی مالیت سے کم کے فاضل پرزے پہلے سے جاری شدہ لائسنسوں
سپلائی کئے گئے اور نومبر کے آغاز سے سپلائی کا سلسلہ کاملاً منقطع کر دیا گیا۔''

کرسی صدارت پر میرا حق ہے

شیخ مجیب الرحمٰن نے بنگلہ دیش کے صدر کا عہدہ سنبھالنے کے بعد جو پہلا اور اہم ترین انٹرویو دیا وہ ان سے بی بی سی کے عالمی شہرت یافتہ ڈیوڈ فراسٹ نے لیا تھا۔ اس بات کا خیال رہے کہ تب شیخ مجیب الرحمٰن کے پاس سوائے بھارتی حکمرانوں کی ہاں میں ہاں ملانے اور پاکستانی سیاستدانوں کو برا بھلا کہنے کے اور کچھ نہیں تھا۔ اس جذباتی فضا میں انہوں نے جو بھی انٹرویو دیا اس میں شک نہیں کہ اس میں مبالغہ زیادہ اور حقیقت کم ہو گی لیکن تاریخ کے کسی بھی طالب علم کے لئے اور خصوصی طور پر ان لوگوں کے لئے جو سقوط مشرقی پاکستان کے حقائق کی تلاش میں رہتے ہیں یہ انٹرویو خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ انٹرویو انگریزی متن کی ساتھ سب سے پہلے کراچی کے ایک ہفت روزہ ''آؤٹ لک'' نے شائع کیا تھا۔ اس انٹرویو کو بی بی سی اور دیگر اسلام اور پاکستان دشمن اداروں نے خوب خوب اچھالا۔ بھارتی اخبارات نے ہندی' اردو' گجراتی' مراٹھی' پنجابی' تامل اور بنگالی زبان میں اس کے تراجم شائع کئے اور آر ایس ایس' ہندو وشو پریشد' شوبنا جیسی پاکستان دشمن تنظیموں نے لاکھوں کی تعداد میں مختلف زبانوں میں پمفلٹ کی صورت شائع کر کے تقسیم کیا۔

فراسٹ: اس رات سے قبل جب مغربی پاکستان کی فوجوں نے آپ پر چڑھائی کی وہ لوگ آپ کے ساتھ مذاکرات کر رہے تھے۔ اس رات آپ گھر پر تھے جس رات آپ کو گرفتار کیا گیا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو ٹیلیفون پر اس امر کی اطلاع مل گئی ہو گی کہ فوج راستے میں ہے۔ پھر بھی آپ نے گھر پر رہنے اور گرفتار ہونے کا فیصلہ کیوں کیا؟

یہ بھی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ سر شام ہی ان کے کمانڈوز نے میرے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا تا کہ میں گھر سے نکلوں تو مجھے قتل کر دیا جائے اور الزام بھی خود میرے ہی عوام پر لگ جائے۔ اس کے بعد وہ کچھ اس طرح کا اعلان کرتے کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو بنگلہ دیش کے انتہا پسندوں نے قتل کر دیا۔

فراسٹ آپ نے فرار کیوں اختیار نہ کیا؟ میرا مطلب ہے کہ آپ چاہتے تو کلکتہ جا سکتے تھے

مجیب اگر میں نے روپیہ استعمال کیا ہوتا اور میں واقعتاً فرار ہونا چاہتا تو کہیں بھی جا سکتا تھا۔ لیکن میں اپنے لوگوں کو کیونکر چھوڑ سکتا تھا۔ میں قوم کا رہنما ہوں۔ میں لڑ سکتا ہوں، مر سکتا ہوں، میں نے اپنے لوگوں سے یہی کہا کہ وہ ان حالات کا مقابلہ کریں۔

فراسٹ بہت خوب! یہی وجہ ہے کہ اس قوم کے سب لوگ آپ پر اعتماد کرتے ہیں بلکہ اب تو آپ کو تقریباً خدا سمجھنے لگے ہیں۔ کیا ایسا نہیں؟

مجیب میں یہ نہیں کہتا، بہر کیف میں محب وطن لوگوں کی زندگیاں بچانا چاہتا تھا لیکن ان حیوانوں نے مجھے گرفتار کرتے وقت میرا گھر تباہ کر دیا۔ آبادی کے وسط میں واقع اس گھر میں میری اسی سالہ ماں اور نوے سالہ باپ بھی رہائش پذیر تھے۔ فوج نے میرے باپ کو گھسیٹ کر گھر سے نکالا اور ان کی نظروں کے سامنے میرے گھر کو آگ لگا دی، میرے والدین کے پاس سر چھپانے کے لئے جگہ نہ رہی۔

اسی طریقے سے انہوں نے ہر شے کو نذر آتش کر دیا۔ میں نے سوچا کہ اگر وہ مجھے گرفتار کر لیں، تو کم از کم میرے عوام کو قتل نہیں کریں گے۔ میں جانتا تھا کہ میری جماعت بہت مضبوط ہے اس لئے میں نے اپنے ساتھیوں کو خوب اچھی طرح منظم کیا ہوا تھا میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ تم ایک ایک انچ زمین کے لئے لڑنا پڑے گا اور ہو سکتا ہے یہ میرا آخری حکم ہو......

فراسٹ مغربی پاکستانیوں نے آپ کو گرفتار کیسے کیا۔ غالباً واقعہ رات کے ڈیڑھ بجے پیش آیا۔ ہوا کیا تھا؟

مجیب میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ خوابگاہ میں تھا۔ جب انہوں نے کھڑکی کے ذریعے گولیاں چلانا شروع کیں، جیسا کہ آپ محسوس کر سکتے ہیں، یہ کھڑکی ٹوٹ گئی اور گولیاں کمرے میں آنے لگیں۔ میرا چھ سالہ بچہ بستر پر سو رہا تھا۔ میں آپ کو دکھاتا ہوں۔

فراسٹ آپ اس وقت تھے کہاں؟

مجیب میں اس جگہ تھا، یہ میرا بستر ہے۔

فراسٹ اور مشین گن کی گولیاں کہاں سے اندر آئیں؟

مجیب ان کھڑکیوں میں سے۔

ف آپ کی بیوی بھی یہیں تھی؟

جی ہاں، اس کے ساتھ دو بچے بھی تھے۔

ف پاکستانی دستے کس سمت سے آئے؟

تمام اطراف سے۔ وہ اس طرف سے گولیاں چلا رہے تھے۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ دونوں بچوں کو لے کر اسی جگہ بیٹھ جائے اور میں باہر نکلا۔

ف آپ اس راستے سے باہر گئے۔

جی ہاں، میں اس راستے سے نکلا، اس سے پہلے میں نے اپنی بیوی کو الوداع کہا۔

ف انہیں یہیں چھوڑ دیا؟

جی!

ف آپ کی بیوی کچھ بولی نہیں؟

وہ چپ رہی اور ایک لفظ تک منہ سے ادا نہ کیا۔ میں نے اسے بوسہ دیا۔ ایک الوداعی بوسہ! پھر میں باہر نکل آیا۔ وہ کھڑکی سے گولیاں چلا رہے تھے۔ میں نے دروازہ کھولا اور باہر آ گیا میں نے بلند آواز سے کہا ”تم گولیاں چلانا بند کر سکتے ہو، میں یہاں موجود ہوں، میری آواز سن کر وہ سب اطراف سے میری طرف آنے لگے۔ وہ میرا نشانہ لینا چاہتے تھے۔ اچانک ایک افسر آگے بڑھا، اس نے میرا کالر اس طرح پکڑا اور اپنے ساتھیوں سے کہا اسے گولی مت مارو۔“

ف کیا صرف ایک افسر نے انہیں روکا۔

جی ہاں! اس وقت صرف ایک افسر نے ہی انہیں روکا تھا۔ پھر وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ یہاں وہاں گھسیٹتے ہوئے اور گردن پر سے دھکیلتے اور پشت پر بندوقوں سے دھکے دیتے ہوئے۔ انہوں نے مجھے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ پھر بھی وہ مجھے دھکیلتے رہے۔ میں نے کہا ٹھہرو۔ مجھے اپنا پائپ اور تمباکو لے آنے دو اور بیوی سے بھی رخصت ہونے دو۔ انہوں نے مجھے جانے دیا۔ میں نے اپنا تمباکو اور پائپ لیا اور بیوی کو خدا حافظ کہا۔ میں وہاں سے چلنے لگا تو اردگرد کے مکانوں سے اٹھتے ہوئے شعلوں کو بخوبی دیکھ سکتا تھا اور سارے ڈھاکہ پر مارٹروں سے حملوں کی آوازیں سن سکتا تھا۔

فراسٹ — اور جب آپ نے دھان منڈی میں اپنے 23 نمبر کے مکان کو چھوڑا تو کیا آ سوچ سکتے تھے کہ آپ دوبارہ اس مکان کو دیکھیں گے؟

مجیب — میرا خیال تھا کہ اب دوبارہ اسے نہیں دیکھ سکوں گا۔ البتہ اس امر کا اطمینان تھا میں نے ایک لیڈر کی حیثیت سے موت کو قبول کرلیا تو میری قوم کے لوگ مجھ پر نہیں ہوں گے اور اگر میں نے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تو میری قوم لوگ دنیا کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہ ہو سکیں گے۔

فراسٹ — آپ نے ایک بار کہا تھا کہ تم کسی ایسے شخص کو موت کے سپرد نہیں کر سکتے جو خو کے لئے تیار ہو۔

مجیب — ہاں میں نے یہی کہا تھا۔ آپ ایک شخص کو جسمانی طور پر موت سے ہمکنار کر لیکن اس کی روح کو ختم نہیں کر سکتے۔ ہرگز نہیں کر سکتے۔ یہ میرا ایمان ہے' مسلمان ہوں اور مسلمان صرف ایک بار مرتا ہے' میں اس قوم کا رہنما ہوں اور کو شے نہیں جو اس قوم کی طرف سے مجھے نہ مل سکی ہو۔ وہ میرے لئے سب کچھ تیار ہے۔ صرف اس لئے کہ میں بھی اس کے بدلے میں اپنی ہر شے قوم کرنے کو تیار ہوں اور میں انہیں آزاد رکھنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے بچوں کو خو چاہتا ہوں۔ ان کی آزادی ہی میری آخری خواہش تھی جو آپ جانتے ہیں چکی۔ سپاہیوں نے میرے گھر کا فرنیچر' میری کرسیاں' میرے آئینے' میرے اور میرے بچوں کے کپڑے تک نہیں چھوڑے لیکن جس چیز کا مجھے سب افسوس ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے میری زندگی بھر کا سرمایہ لوٹ لیا۔ میرے پینتیس سالہ سیاسی زندگی کی ڈائریاں تھیں' میرے پاس نہایت قیمتی اور اعلیٰ لائبریری تھی۔ انہوں نے میری ایک کتاب تک نہیں چھوڑی اور میری د سب کی سب لے گئے۔ ہر چیز پاکستانی فوج نے اپنے قبضے میں کر لی۔

فراسٹ — میں بار بار پھر یہ سوال کرنا چاہوں گا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ انہوں چیزیں کیوں چھین لیں؟

مجیب — میں کچھ نہیں جانتا۔ شاید وہ انسان نہیں ہیں' وہ...... وہ جنونی ہیں۔ میری چیز

معمولی ہیں اور میں ان کی پروا نہیں کرتا۔ آپ ایسی بات پر غور کریں کہ انہوں نے دو سال کے بچے کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔ ایک سال کے بچے کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ پانچ سال کے بچوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ عورتوں کی بھی جان لے لی۔ میں تو سمجھتا ہوں ان کے سینے میں دل ہی نہیں۔ میں نے آپ کو دکھایا ہے کہ انہوں نے غریب لوگوں کی جھونپڑیاں کیسے جلائیں۔ آگ جب ان جھونپڑیوں میں لگی تو ان غریبوں کو اپنے اپنے گھروں سے نکلنا پڑا۔ مجبوراً...... اور ہزاروں کی تعداد میں یہ لوگ باہر کھڑے ہو گئے۔

ٹ — اور جب یہ لوگ اپنے اپنے گھروں سے جو جل رہے تھے' باہر نکلے تو ان پر گولیاں چلائیں گئیں؟

ب — یہ ٹھیک ہے۔

ٹ — انہوں نے ہر شخص کے ساتھ یہی سلوک کیا؟

ب — جی ہر شخص کے ساتھ۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہر شخص مجیب الرحمٰن کا پیروکار ہے اور ہر شخص کو ختم کر دینا چاہئے۔

پھر انہوں نے کورٹ مارشل کیا اور پانچ فوجی اور ایک سول آفیسر کے سامنے مجھ پر مقدمہ گھڑا اور مقدمے کی کارروائی کو خفیہ رکھا گیا۔ یہ سب لائل پور جیل میں ہوا۔

ٹ — انہوں نے آپ پر الزام کیا لگائے تھے؟

ایک الزام حکومت کے خلاف بغاوت کا تھا۔ ایک الزام مسلح افواج کے خلاف بغاوت کا تھا۔ ایک الزام بنگال کو آزاد کرانے کا تھا۔ کل بارہ الزامات تھے اور ان میں سے چھ الزامات ایسے تھے جن کی سزا پھانسی ہے۔

ٹ — کیا آپ کی طرف سے صفائی کا بندوبست تھا؟

حکومت نے پہلے وکیل صفائی کا بندوبست کیا تھا۔ یہ مسٹر بروہی تھے۔ لیکن جب میں نے صورت حال دیکھی تو سوچا اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

ٹ — میں سمجھا نہیں

میری صفائی پیش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ کیونکہ یہ ایک مقدمہ نہ تھا ڈرامہ تھا۔ میں

اس عدالت کے سامنے کھڑا ہوا اور میں نے کہا "مسٹر جسٹس" براہ کرم صفا
سے کہئے کہ وہ چلے جائیں۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں یہ مقدمہ محض ایک مذاق
ایک شہری ہوں' میں کوئی فوجی نہیں اور میرا کورٹ مارشل کر رہے ہیں اور م
صرف صدر نہیں وہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی ہیں جو اس مقد
ایڈمنسٹریٹری کر رہے ہیں۔ وہی آخری اتھارٹی ہیں اور وہ اس کورٹ کے فا
بھی ہیں۔

فراست: کیا آپ مقدمے کی کارروائی میں حصہ لیتے رہے' یا آپ نے اس سے علیٰ
کر لی؟

مجیب: مجھے بہر حال کارروائی کا حصہ بننا پڑا' کیونکہ میں ان کا قیدی تھا۔

فراست: ظاہر ہے' کیا ان لوگوں کو میرا مطلب ہے' اس گروپ کو جس نے مقدمے
میں حصہ لیا سرکاری طور پر کوئی ہدایات دی گئی تھیں؟

مجیب: ۴ر دسمبر کو جب کورٹ نے ساعت مکمل کر لی تو یحییٰ خاں نے ان تمام ججو
بلایا تاکہ اپنا فیصلہ منوا سکے۔ وہاں ان لوگوں نے مجھے پھانسی دینے کا فیصلہ

فراست: اور مجھے یقین ہے کہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ آپ کی ساتھ والی کوٹھڑی میں آ
ایک قبر کھودی جا رہی ہے۔

مجیب: جی ہاں۔ انہوں نے مجھے لائل پور جیل سے میاں والی جیل منتقل کر دیا
کوٹھڑی کے نزدیک ہی وہ میری قبر کھود رہے تھے۔

فراست: کیا آپ کو معلوم تھا کہ وہ ایسا کر رہے ہیں؟

مجیب: ہاں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور میں نے کہا ٹھیک ہے' میں
میری قبر ہے' اور میں اس کے لئے تیار ہوں۔

فراست: کیا انہوں نے تسلیم کیا تھا کہ یہ قبر آپ کے لئے ہے؟

مجیب: انہوں نے کہا۔ نہیں' ہم تو اس گڑھے کو آپ کے لئے شیلٹر بنا رہے ہیں
کے دوران آپ اس کے اندر پناہ لے سکیں۔ میں نے کہا اس کی دیوار
سے بہت چھوٹی ہے' مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش مت کرو' میں سب جانتا

راست: اور اس لمحے آپ کے خیالات کیا تھے؟

یب: میں پورے نو ماہ تک یہ سوچتا رہا تھا کہ کسی بھی وقت یہ لوگ مجھے قتل کر سکتے ہیں۔

راست: اور آپ نے اس صورتحال کا مقابلہ کیسے کیا؟ کیا آپ دعا کرتے ہیں۔!

یب: ہاں میں نے دعا مانگی اور مجھے یقین ہے کہ میں ایسے حالات کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔
کیونکہ مجھے اپنی سچائی پر یقین ہے اور میں نے ایسے حالات کا مقابلہ کیا کیونکہ میں عوام
کے لئے کچھ کرنے کا عزم رکھتا تھا۔

است: مثال کے طور پر کیا آپ کو اپنی بیوی بچوں کا خیال پہلے آتا تھا یا ملک کا۔

یب: میں ہمیشہ اپنے ملک اور اس کے عوام کے بارے میں سوچتا تھا۔

است: کیا اس لئے کہ انہیں آپ کی یہ سوچ درکار تھی!

ب: ہاں! اور اس لئے بھی کہ آپ جانتے ہیں کہ ہر شخص کو ایک نہ ایک دن مرنا ہوتا ہے آج'
کل یا پرسوں یا اس کے بعد۔ میں دعا کرتا تھا کہ میرے عوام میں سے ہر شخص میرے
بعد مرے۔

است: پھر آپ اس مشکل سے کیسے بچے' کیونکر بچے' کس نے آپ کو اس قبر سے بچایا؟

ب: میں سمجھتا ہوں۔ خدا نے' خدائے برتر نے اس مشکل سے مجھے بچایا۔ اور اس کے
بعد میرے عوام کے اس جذبے نے جو باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

است: کیا ایک موقع پر جیلر نے آپ کی جان بچائی۔ کیا ایک ایسے وقت پر وہ آپ کو نکال
لے گیا جب یحییٰ خاں آپ کو منگوانا چاہتا تھا تاکہ قتل کروا سکے۔ میں نے اس جگہ ایسا
ہی پڑھا تھا۔

ب: انہوں نے جیل کے اندر ہی ایک سچوایشن پیدا کر دی تھی۔ انہوں نے کچھ قاتلوں کو جیل
میں بھیجا جنہوں نے قیدیوں سے مل کر ہنگامہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ محافظ اس ہنگامے
کی آڑ میں مجھے قتل کر دیتے لیکن ایک افسر نے جو میرا انچارج تھا' مجھے وہاں سے
نکالا۔ کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ جہاں تک اس افسر کا تعلق ہے' وہ جانتا تھا کہ یحییٰ خان کے
دن پورے ہو چکے ہیں۔ ایک رات تین بجے کے قریب وہ مجھے جیل سے باہر لے گیا
اور دو دن تک اپنے بنگلے میں کسی گارڈ یا سپاہی کے بغیر رکھا۔ اس کے بعد وہ مجھے ایک

دور افتادہ علاقہ چشمہ بیراج لے گیا۔ چشمہ بیراج کالونی میں اس نے مجھے یا
تک رکھا۔ چند افسروں کے سوا اور کسی کو معلوم نہ تھا میں کہاں ہوں۔

فراسٹ مجھے تعجب ہے نہ جانے ان افسروں کے ساتھ بعد میں کیا سلوک ہوا ہوگا؟

مجیب میں نہیں جانتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اب وہ ان کے ساتھ کوئی سختی کریں گے۔ بہ
میں ان کے لئے دعا گو ہوں۔

فراسٹ یحییٰ خان اقتدار مسٹر بھٹو کے حوالے کر رہا تھا تو بھی آپ بچ رہے۔ مجھے معلو
کہ یحییٰ خاں نے ایک بار پھر مسٹر بھٹو کو مشورہ دیا تھا کہ آپ کو پھانسی پر لٹکا دیا
کیا یہ سچ ہے؟

مجیب مسٹر بھٹو نے مجھے یہی بتایا تھا کہ جب یحییٰ خان انہیں اقتدار منتقل کرنا چاہتا تو
نے کہا ''مسٹر بھٹو میں نے شیخ مجیب الرحمان کو اس سے پہلے قتل نہ کر کے بہت
ہے۔

فراسٹ اس نے واقعی یہ کہا؟

مجیب ہاں، اور اس نے یہ بھی کہا کہ براہ مہربانی اقتدار منتقل کرنے سے قبل شیخ مجیب ا
قتل کرنے کا آرڈر پچھلی تاریخ میں رہنے دو، پہلے اسے پھانسی دی جائے، پھر میں
تمہارے سپرد کروں گا لیکن مسٹر بھٹو نے انکار کر دیا۔

فراسٹ کیا مسٹر بھٹو نے آپ کو بتایا تھا کہ اس نے یحییٰ خان کو کیا جواب دیا؟

مجیب مسٹر بھٹو نے کہا تھا کہ میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اس کا ردعمل
خوفناک ہوگا۔

مسٹر بھٹو نے کہا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار فوجی اور شہری بھارت اور بنگلہ دیش ک
فوجوں کے پاس گرفتار ہیں۔ اگر تم مجیب الرحمان کو قتل کر دو اور میں اقتدار سن
تو مغربی پاکستان میں ان میں سے ایک فرد بھی بچ کر نہ آ سکے گا اور مغربی پاک
اس کا ردعمل اور میری پوزیشن خراب ہو جائے گی۔ یہ ساری بات مسٹر بھٹو نے
طرح بتائی تھی اور میرے پاس یقین کرنے کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ بہر کیف
بھی مسٹر بھٹو کا شکر گزار ہوں۔

فراسٹ آج وہاں یحییٰ خان موجود ہے۔ اگر آپ کا اس شخص کے ساتھ آمنا سامنا ہو جائے تو
آپ اسے کیا کہیں گے؟

مجیب وہ ایک مجرم ہے میں اس کی تصویر تک دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

فراسٹ وہ کیوں؟

مجیب اس نے اپنے سپاہیوں، اپنی فوج کے ساتھ بنگلہ دیش کے تیس لاکھ عوام کو قتل کیا ہے۔

فراسٹ مسٹر بھٹو نے یحییٰ خان کو ایک گھر میں نظر بند کر رکھا ہے آپ کے خیال میں مسٹر بھٹو کو
اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے

مجیب میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں، یہ معاملہ ان دونوں کا ہے آپ بنگال کی بات کریں
آپ جانتے ہیں بنگال میں اس دوران کیا ہوا؟ تیس لاکھ افراد جن میں بچے عورتیں
دانشور کسان مزدور اور طالب علم شامل تھے قتل کر دیئے گئے اس کے علاوہ خوراک کے
تمام گودام ضائع کر دیئے گئے

فراسٹ آپ کو مقتولین کی صحیح تعداد کا علم کیسے ہوا؟

مجیب میرے پاس بہر حال ایک مشینری ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میری واپسی سے
پہلے ہی انہوں نے اعداد و شمار مرتب کرنا شروع کر دیئے تھے اس کے علاوہ میرے
پاس ملیشیا فوج ہے اپنی عوامی لیگ ہے جس کی ہر شاخ ہر گاؤں میں ہے ملک کے ہر
ایک حصے سے پیغامات آتے ہیں ہم نے آخری گنتی ابھی نہیں کی مقتولین کی تعداد اس
سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔

فراسٹ اور یہ سب لوگ بے گناہ مارے گئے؟

مجیب یہ لوگ مکمل طور پر صلح پسند تھے اور اپنے گھروں میں رہتے تھے جو دیہات میں تھے انہیں
جنگ کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔

فراسٹ یہ سب قتل مسلمانوں نے کئے مسلمانوں ہی کو قتل کیا؟

مجیب ہاں کم از کم وہ لوگ (قاتل) مسلمان ہونے کا دعویٰ ضرور کرتے ہیں حالانکہ ایک
مسلمان دوسرے مسلمان بالخصوص مسلمان عورت کو کیونکر قتل کر سکتا ہے؟

فراسٹ انہوں نے یہ سب کیسے کیا؟

مجیب: ہاں انہوں نے یہ سب کچھ کیا ہم نے ہزاروں افراد کو ان مظالم سے نجات دلا
ابھی تک انہیں کیمپوں سے لا رہے ہیں ان عورتوں کے خاوند مارے گئے ہیں ان
والدین مارے گئے ہیں
ہاں ان لوگوں نے بنگالی لڑکیوں کی ان کے باپوں کے سامنے عصمت دری کی
نے ماؤں کی انکے بیٹوں کے سامنے عزت لوٹی آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے
اپنے آنسوؤں کو روک نہیں سکتا ان لوگوں نے یہ سب کیا اور اب یہ مسلمان ہو
دعوٰی کرتے ہیں
کیا آپ کو قتل عام کی داستانیں معلوم ہیں میرے ایک دوست تھے میری پار
معتمد ترین لیڈر، مشیر رحمان ان کا نام تھا وہ بنگلہ دیش کی حکومت میں وزیر
انہوں نے مشیر رحمان کو چار دن تک سخت عذاب دیا پہلے انہوں نے اس کا ایک
کاٹا پھر دوسرا، پھر اس کے کان کاٹے پھر اس کی ٹانگیں 24 دن تک اس غریب
جسمانی اذیتیں دیتے رہے۔
اور پھر یہ سب اسی کے ساتھ نہیں ہوا بیشمار لوگ تھے بے شمار ورکرز
شمار سرکاری افسر تھے جنہیں گرفتار کرلیا گیا اور سات سے دس دن تک سخت قسم
کچھ کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ایک چیتا بھی اگر انسان کو قتل کرتا
طرح سے نہیں کرتا

فراست: اور وہ اس قتل عام سے چاہتے کیا تھے؟

مجیب: وہ انتظامیہ پر قابو پانا چاہتے تھے وہ اس زمین کو ایک کالونی بنا کر رکھنا چاہتے تھے

فراست: اور انہوں نے 150 دانشوروں کو گرفتار کیا اور قتل کر دیا حالانکہ جنگ ختم ہو رہی تھ

مجیب: جی ہاں ڈھاکہ میں ہتھیار ڈالنے سے صرف ایک دن پہلے یہ دانشور قتل کیے گئے
کی تعداد 150 نہیں، 300 تھی ان لوگوں کا تعلق زیادہ تر یونیورسٹی سے اور
کالج سے تھا۔

فراست: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یحیٰی خان ایک کمزور آدمی تھا اور دوسروں کے اشاروں
تھا یا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ خود سے ایک شیطان تھا؟

یب: وہ یقیناً خود سے شیطان تھا اور اس کے دوست بھی شیطان تھے یحیٰی خان ان سب
کاموں کی ذمہ داری دوسروں پر ڈال کر بری الذمہ نہیں ہو سکتا وہ مکمل طور پر ایک مکروہ
انسان تھا ایک خطرناک انسان میں نے یہ اندازہ اسی وقت کر لیا تھا جب وہ اس ملک کا
صدر تھا اور میں اکثریتی پارٹی کا لیڈر اور ہمارے مذاکرات ہوئے تھے۔

راست: اس نے آپ کو تاریکی میں رکھا...... کیا نہیں؟

یب: وہ مجھے تاریکی میں نہیں رکھ سکتا تھا میں خوب سمجھتا تھا وہ کیا کرنا چاہتا ہے لیکن میں اس پر
ضرب لگانے کی تیاری کر رہا تھا اور بالآخر اس نے ضرب کھائی
میرے لوگ یہاں سے ہجرت کر گئے

راست: آپ کے خیال میں مسٹر بھٹو کے لئے کیا مناسب ہے وہ اس کے ساتھ کیا سلوک
کریں؟

یب: میرے خیال میں اس پر مکمل مقدمہ چلانا چاہئے کھلی عدالت میں مقدمہ

راست: کیا آپس سمجھتے ہیں مسٹر بھٹو ایسا کریں گے؟

یب: انہیں ایسا کرنا چاہئے

راست: اب آپ کا مسٹر بھٹو کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اب یا کسی
نہ کسی دن مسٹر بھٹو وزیر اعظم یا صدر پاکستان کی حیثیت سے ڈھاکہ میں آئیں گے کیا
وہ کبھی آپ سے مذاکرات کے لئے یہاں آئیں گے؟

یب: میں کچھ نہیں جانتا، کچھ بھی نہیں جانتا لیکن اب انہیں اس حقیقت کا احساس ہونا چاہئے
کہ بنگلہ دیش ایک آزاد ملک ہے اور اب یہ شور مچانے سے کوئی فائدہ نہیں کہ بنگال انکا
علاقہ ہے یہ انکا علاقہ نہیں ہے اگر وہ ابھی تک ایک پاکستان کے نعرے پر مضبوطی سے
جمے ہوئے ہیں تو انہیں بخوبی علم ہونا چاہئے کہ میں اکثریتی پارٹی کا لیڈر رہوں اور میں
یہ دعوٰی کر سکتا تھا کہ میں پاکستان کا صدر رہوں اور ایڈ منسٹریٹر ہوں اور یہ کہ سارا پاکستان
میری ملکیت ہے میں نیشنل اسمبلی کی ایک میٹنگ بلا سکتا ہوں اور سارے ملک کا نام
بنگلہ دیش رکھنے کا اعلان کر سکتا ہوں کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ 1970ء کے انتخابات
کے نتیجے میں جو اسمبلی وجود میں آئی اس میں اکثریت عوامی لیگ کو حاصل تھی جو میرے

پاس ہے یہاں بنگلہ دیش میں ہے میں انہیں بتا سکتا ہوں کہ مغربی پاکستان بھ
حدود میں ہے میں بھٹو صاحب سے کہہ سکتا ہوں کہ تشریف لے جائے اور انہیر
ہوں کہ میں پنجاب سندھ اور بلوچستان کے گورنر مقرر کر رہا ہوں' میں انہیر
ہوں کہ یہ میرے علاقے ہیں آپ کو یہاں سے رخصت ہو جانا چاہئے ورنہ
فوجیں اتحادی فوجوں کے ساتھ وہاں بھیج دوں گا اور مغربی پاکستان پر بھی قبضہ
گا۔

لیکن میں مسئلے کو الجھانا نہیں چاہتا مجھے علاقے کی کوئی خواہش نہیں مسٹر بھ
پاکستان کے علاقے سے خوش رہیں جو ان کی خواہش ہے اگر وہ مغربی پاکستان ہی کا نام ا
کے خوش ہو سکتے ہیں تو انہیں ایسا کرنے دیجئے مجھے کوئی اعتراض نہیں میں بنگلہ دیش
لوگوں کے ساتھ خوش ہوں اور بنگلہ دیش اب ایک آزاد اور خود مختار ریاست ہے۔

امریکہ کے سابق وزیر خارجہ

ہنری کسنجر کی یادداشتیں

71ء میں جب المیہ مشرقی پاکستان رونما ہوا تو ڈاکٹری ہنری کسنجر نکسن حکومت کے وزیر خارجہ تھے اور پاکستان کی معاونت سے اس سے چند ماہ پہلے انہوں نے ایک محیر العقول کارنامہ انجام دیا کہ وہ پاکستان کے دورے پر آئے اور مری میں سیر کرنے کے بہانے پیکنگ جا پہنچے اس طرح امریکہ اور چین کے درمیان پہلا تاریخی نوعیت کا سفارتی رابطہ ہوا جس میں مرکزی کردار پاکستانی حکومت نے ادا کیا تھا خود ڈاکٹر ہنری کسنجر کے کہنے کے مطابق امریکہ اور چین کے درمیان پاکستان نے پل کا کردار ادا کیا اور وہ اس سلسلے میں پاکستانی حکومت کے احسان مند بھی رہے لیکن مقام حیرت ہے کہ پاکستان پر چند ماہ بعد ہی جب برا وقت آیا تو امریکہ خواہش کے باوجود پاکستان کی مدد نہ کر سکا نکسن انتظامیہ جسے پاکستان حمایتی ہونے کا طعنہ دیا جاتا تھا سوائے زبانی جمع خرچ کے اور کچھ نہ کر سکا اس کے اسباب کیا تھے آیئے تب امریکہ کے وزیر خارجہ ڈاکٹر ہنری کسنجر کی زبانی سن لیجئے۔

ہر ملک میں کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جاتا ہے جو چیخ چیخ کر عقل انسانی کی نارسائی کا اعلان کرنے لگتا ہے جس سال ویت نام کا مسئلہ غیر یقینی صورت حال سے دو چار تھا جس سال چین سے تعلقات کا آغاز ہوا اور جس سال روس کے ساتھ تعلقات میں بہتری کی صورت پیدا ہوئی اس سال جنوبی ایشیا میں بحران کا ظہور پذیر ہونا امریکی انتظامیہ کے سان گمان میں بھی نہ تھا مگر ستم ظریفی ملاحظہ ہو مشرقی پاکستان کا سمندری طوفان اس بحران کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور یوں لگا جیسے یہ طوفان ہماری منصوبہ بندی کی کوتاہی اور ہنگامی نوعیت کو فقط اظہر من الشمس کرنے کے لئے آیا ہو۔

جنوب میں بحر ہند شمال میں ہمالیہ مغرب میں لاکھوں انسانوں کو آسمان سے الگ تھلگ کرتے والے ہندوکش کے فلک پیما پہاڑ اور مشرق میں بنگال کے دریائی اور دلدل علاقے کے درمیان برصغیر ہزارہا سال سے اپنی دنیا آپ بنائے قائم ہے موسم گرما میں اس کے شمالی میدان شدت کی تپش اور موسم سرما میں سخت سردی کی لپیٹ میں آجاتے ہیں اس کا سرسبز و شاداب جنوبی

علاقہ سکون اور راحت کا منظر پیش کرتا ہے یہاں کے عوام کی مختلف زبانیں پہاڑی دروں قریبی صحراؤں اور کبھی کبھار بحری راستے کے ذریعے قافلہ در قافلہ آنے والے فاتحین کی تصدیق کرتی ہیں ہن منگول یونانی اہل فارس مغل افغان پرتگال اور آخر میں انگریز فاتحین نے اپنی سلطنتیں قائم کیں اور پھر مٹ گئے برصغیر کے کروڑوں باشندے انکی آمد اور رخصت سے لاپرواہ ہے

چین کے عوام نے اپنے مضبوط اور کامیاب قانونی ڈھانچے اور ثقافت کے بل بوتے پر بیرونی حملہ آوروں کو خود میں کاملاً مدغم کر لیا مگر ہندوستان کے باشندوں نے تعاون کے بجائے تفریق اور علیحدگی پسندی کے ہتھیار سے اجنبی فاتحین کا مقابلہ کیا فاتحین نے بے تعلقی کی فضا میں اپنی عظمت کے اعتراف اور اہمیت کے اظہار کے طور پر بڑی بڑی اور ناقابل یقین یادگاریں قائم کیں مگر ہندوستان کی مختلف اقوام نے یہ سب کچھ برداشت کیا مگر انہوں نے فاتحین سے ایسے تعلقات رکھے کہ بیرونی اثرات کو خود میں سرایت نہ ہونے دیا مشرق وسطیٰ کی مانند برصغیر میں عظیم ادیان نے جنم لیا تاہم مشرق وسطیٰ کے مقابلے پر یہاں کے ادیان عروج و حصول عظمت کے نہیں بلکہ انکساری اور صبر و قناعت کے ادیان ہیں برصغیر کے ادیان نے مسیحائی تکمیل اور عظمت انسانی کی پیمبرانہ مناظر پیش کرنے کی بجائے انسانی زندگی کی بے بضاعتی بے یقینی اور کمزوری کے درس سے لوگوں کو متاثر کیا انہیں ذاتی رست گاری کے بجائے ناقابل تغیر قسمت پر صابر و شاکر رہنے کا سبق سکھایا۔

جہاں جنم ذات پات کا تعین کرتا ہے وہاں ناکامی ذات کا احساس مقصود ہوتا ہے اور انسانی صلاحیت کی پرکھ کا دارومدار آپ اپنی قسمت کے بدلنے کے خیال کے بجائے قسمت پر صابر و شاکر رہنے اور اسے برداشت کرنے کی قوت پر ہوتا ہے ذات پات اور چھوت چھات کا نظام ان تہذیبوں کے لئے کوئی کشش نہیں رکھتا جو اپنی زندگی میں ہی خود اپنی قسمت بنانے کا عزم رکھتی ہوں اگر وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو ہندوؤں کا مذہب غیر معمولی تسکین خاطر اور غم خواری پر قائم ہے ہندومت خود پسندانہ اور قائم بالذات SELF CONTAINED ہے اور کسی نومذہب شخص کو قبول نہیں کرتا اگر کوئی شخص پیدائشی طور پر ہندو نہ ہو تو اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کی برکتوں اور سماجی پوزیشن سے محروم رہنا پڑتا ہے چنانچہ اس عدم ادغام کے نظام میں بیرونی تسخیر فقط بے معنی ہے۔

ہندو سماج غیر ہندو کو کوئی اہمیت و حیثیت دینے کو تیار نہیں اور یوں غیر ملکیوں کی صد ہا سال کی حکمرانی کے ایام میں ہندو تہذیب زندہ اور پائندہ اور بعض اوقات فروغ پذیر رہی بلاشبہ بے شمار حملہ آوروں نے فقط فن تعمیر کا اور انسانی ورثہ چھوڑا مسلمان فاتحین کے دور میں نچلی ذات کے انبوہ کثیر کو تبدیلی مذہب کے ذریعے اپنی قسمت بدلنے کا موقع ملا کہ اسلام میں نومسلموں کا مکمل ادغام ہو جاتا ہے تاہم انہیں جزوی کامیابی نصیب ہوئی کیونکہ نومسلم تبدیلی مذہب کے بعد ہندو سماج میں اس قدر و قیمت سے محروم کر دیئے گئے جو نچلی ذات سے تعلق رکھنے کے باوجود انہیں حاصل تھی یوں اس مذہبی نفرت کا آغاز ہوا جس نے کئی نسلوں سے برصغیر میں پھوٹ ڈال رکھی ہے۔

برصغیر کے آخری فاتحین انگریز تھے جنہوں نے مغلوں سے حکمرانی چھینی شمال میں چند ہندو حکمرانوں کو اقتدار سے محروم کیا اور جنوب کے دیسی ہندو حکمرانوں کی پشت پناہی کی اور یوں عرصہ دراز کی روایت کو دہرایا تاہم ایک لحاظ سے یہ بات اہم ہے انگریزوں کی فتح برصغیر مختلف تھی یہ تسلیم کہ تسخیر برصغیر اس لحاظ سے ممکن ہوئی کہ سالہا سال کی روایت کے عین مطابق تبدیلی حکمرانوں کے معاملے میں طریقہ قدیم کو اپنایا گیا اور اس کی نفسیاتی بنیاد یہ تھی کہ ابھی قومیت کا تصور ظہور پذیر نہ ہوا تھا لیکن یہ انگریز حکمران ہی تھے جنہوں نے برصغیر کو سیاسی تشخص بخشا کہ برصغیر میں اس سے پہلے فقط مذہب ثقافتی اور جغرافیائی بنیادیں موجود تھیں۔

انگریزوں نے برصغیر کی تاریخ میں پہلی بار قانون انتظامیہ اور حکومت کی یکساں اور ہم رنگ عمارت تعمیر کی پھر انہوں نے برصغیر کو آزاد خیالی اور قومیت کی مغربی اقدار سے روشناس کرایا یہ عجیب بات ہے کہ انگریزوں کی بخشی ہوئی جمہوریت اور قومیت کی ان اقدار نے اظہار ثقافت کو سیاسی تحریک میں تبدیل کر کے انگریزوں کو غیر ملکی حکمران بنا دیا انگریزی درس گاہوں کے تعلیم یافتہ ہندوستانی لیڈروں نے اپنی اپنی اقوام کے لئے اپنے حکمرانوں کی اقدار کے حصول کا مطالبہ کیا انگریزوں کی نیم دلانہ مزاحمت سے یہ امر مترشح ہوا کہ آزادی کی عملی جدوجہد سے پہلے ہی انگریز اخلاقی جنگ میں شکست کھا چکے تھے۔

قومیت کا تصور جب ابھر کر سامنے آیا تو متعدد حملہ آوروں کے سیلاب سے جنم لینے والی مختلف زبانیں بولنے والی قومیتیں جو ناقابل بیان افلاس زدہ اور بڑی تعداد میں تھیں متحد ہونے کے بجائے الگ الگ ہو گئیں کل آبادی کا تقریباً ایک تہائی حصہ مسلمانوں پر مشتمل تھا ان کی کثیر

تعداد مغربی پنجاب اور مشرقی بنگال میں مرتکز تھی علاوہ ازیں مسلمان ہندوستان بھر کے اہم ع
میں بھی پھیلے ہوئے تھے ان کی اکثریت کو ہندو معاشرے نے اچھوت سمجھ رکھا تھا اور انہیں
لادینی ریاست میں رہنا قابل قبول نہ تھا جس پر ان لوگوں کا غلبہ ہو جنہوں نے ان مسلمانوں
ساتھ صدیوں سے حقارت آمیز سلوک کیا ہو چنانچہ 1947ء میں مذہبی بنیادوں پر ملک کی تـ
حل پیش کر دیا گیا۔

یہ وہ حالات تھے جب ناقابل بیان نفرت اور فرقہ وارانہ فسادات کے درمیان پاکستا
بھارت کی مملکتیں وجود میں آئیں پاکستان کے دو یونٹ تھے مغربی یونٹ جس میں پنجابیوں
حاصل تھا اور مشرقی بنگال

ان دونوں کے مابین ہزاروں میل پر پھیلا بھارتی علاقہ تھا ان کی زبان ایک نہ تھی
وحدت کی بنیادی تاریخ تھی اور نہ معیشت بلکہ اسلام تھا اور ہندو غلبے کا مشترکہ خوف پاکستا
ہندوستانی نیشنلسٹوں کو ایک آنکھ نہ بھائی کہ یہ لوگ آزادی کی تحریکوں کے دوسرے قائد
مانند سابق نو آبادیاتی حکمرانوں کے تسلط علاقے پر اپنی حکمرانی کا خواب دیکھتے تھے علاوہ
بھارت کو اپنی ہمسایہ مسلم مملکت کی موجودگی خود اپنی قومی وحدت کے لئے خطرہ نظر آئی وہ
تھے کہ پانچ کروڑ سے زائد مسلمان جو بھارت میں مقیم ہیں جلد یا بدیر اپنے الگ قومی تشخص
کریں گے یا پھر یہ کہ پاکستان کے قیام کا حل دراصل غیر ضروری طور پر نافذ کیا گیا ہے اد
بھارتی نیشنلسٹ اس امر کا اعلان کرتے نہ تھکتے تھے۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے اسے ا
تھا کہ ادنیٰ ترین ذات سے تعلق رکھنے والے ہندو تک خود کو مسلمانوں سے کہیں بالاتر نظا
سمجھتے ہیں اور پاکستان نے اپنے بڑے ہمسایہ ملک کو خوف، آزردگی اور بعض اوقات نفرت
سے دیکھا''

پیچیدہ اور اوق ہندوؤں اور سیدھے سادھے اور بے تکلف مسلمانوں میں صدہا سا
ساتھ رہنے کے باوجود جتنا بعد ہے اتنا ہمیں کسی اور جگہ پرانے ہمسایوں میں بمشکل ہی نظ
گا۔ اس عدم اشتراک کا انعکاس فن تعمیر کے اختلاف میں بھی ہوتا ہے عمدہ تعمیر کے حا
مندروں کے کئی کونے کھدرے ہوتے ہیں اور ان میں بظاہر لامحدود جزئیات ہوتی ہیں مگ
مفہوم یا منظر کا کوئی واحد تاثر نہیں ہوتا مغلوں نے برصغیر کے ایک تہائی حصے یعنی شمال میں قلع

بد کا جال بچھایا یہ قلعے اور یہ مساجد وسیع و عریض ہیں نفاست کے آئینہ دار ہیں رومانوی انداز
ہیں اور انکی لشکارے مارتی فراواں شان گرم میدانی علاقے میں آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتی ہے
ن میں لگے ان گنت چشمے ارد گرد کے ناگوار ماحول سے چھٹکارا دلاتے اور قدرے کم پیچیدہ
ں تک جو حملہ آور کی دسترس سے باہر رہے رسائی کے ہڑکے کا اظہار کرتے ہیں

1950ء اور 1960ء کے دہاکوں میں ان دونوں ممالک کی باہمی چپقلش سے لاعلم امریکہ
ان دونوں کو اپنے خیال اپنے منصوبے میں فٹ کرنے کی کوشش کی بھارتی وزیر اعظم جواہر لال
کے اس دعوے کے صحیح مفہوم کو ہم سمجھ نہ پائے کہ وہ عالمی معاملات کا غیر جانبدار اور اخلاقی
ف ہے ہم اس حقیقت کا بھی ادراک نہ کر پائے کہ یہ عین وہی پالیسی ہے جس پر گامزن ہو کر
ا کمزور قوم اپنی اصل قوت سے کہیں زیادہ اثر و رسوخ حاصل کرنے کی خواہش مند ہوتی ہے
وازیں ہم اس امر کا بھی اندازہ نہ لگا پائے کہ بھارت اپنے عالمی درس پر عملدرآمد کے لئے
ات مول لینے کی پوزیشن میں نہیں سوائے برصغیر پاک و ہند کے جہاں اس نے اپنی بالادستی کا
ب دیکھ رکھا ہے اور ہم نے پاکستان کو کمیونسٹ جارحیت کے خلاف اپنا ممکنہ فوجی حلیف شمار کیا

ہم نے یہ امر مطلقاً تسلیم نہ کیا کہ اکثر پاکستانیوں کو بھارت کی جانب سے اپنی سلامتی کا اصل
ولاحق ہے وہی بھارت جسے ہم نے مجرد اخلاقیات کے مندر میں بت بنا کر سجایا تھا اور جو
تان کو مسلح کرنے کی ہماری خواہش کو اپنے لئے ایک چیلنج سمجھتے ہوئے (بھارت کے خوشنودی
ل کرنے کی) ہماری کوششوں پر پانی پھیر رہا تھا

ہم نے بیک وقت بھارت کی سیاسی حمایت کے حصول کا مبالغہ آمیز انداز لگایا اور پاکستان
جانب سے فوجی طاقت کے حصول کی کوشش کے اصل ہدف کو نہ سمجھا ہم عالمی رائے عامہ کے
لے میں جس کی نمائندگی کا بھارت دعویدار تھا ضرورت سے زیادہ حساس نکلے ساتھ ہی ہم نے
وزم کو محدود رکھنے کے منصوبے میں پاکستان کو بھی شامل سمجھا حالانکہ اسے اس منصوبے سے
اں نہ تھا ہم نے مشترکہ دفاع کے قانونی فریضے کو کمونسٹ جارحیت کا زبردست توڑ سمجھا
جود یکہ مذکورہ فوجی اشتراک کے ارکان ایک دوسرے کی کمک کو پہنچنے کی پوزیشن میں نہ تھے اور نہ
ل ایک دوسرے کے نقطہ نظر سے اتفاق تھا سینٹو اور سیٹو میں پاکستان ہمارا اتحادی بن گیا اور یوں
امریکی فوجی امداد کا مستحق ٹھہرا جو درحقیقت کمیونسٹ جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لئے مقصود تھی؛

لیکن اس امداد میں بھارت کو شکوک و شبہات کی بنا پر مختلف مقاصد نظر آئے۔

ڈیموکریٹک پارٹی نے جب آئزن ہاور انتظامیہ کے ان فوجی معاہدوں پر تنقید کرتے ہو
انہیں مبالغہ آمیز فوجی سوچ کا مظہر قرار دیا تو امریکہ میں ان معاہدوں پر بحث چھڑ گئی بھارت ا
لبرلز کا حد درجہ منظورِ نظر بن گیا کہ انہیں بھارت کی جمہوریت پسندی میں قومی اشتراک کی
بنیادیں نظر آئیں اور معاشی میدان میں اس کی متوقع کامیابی میں کمیونسٹوں کے اس دعوے کا
مستقبل انہی کا ہوگا بہترین بطلان دکھائی دیا۔ چنانچہ یہ امر تعجب خیز نہیں کہ 1961ء میں انتظا
کی تبدیلی کے بعد پاکستان میں واشنگٹن کی دلچسپی میں نمایاں کمی پیدا ہوئی اور فوجی ساز و سامان
ترسیل کی جگہ امریکی تحفظ کی بڑھی ہوئی یقین دہانیوں نے لے لی ان یقین دہانیوں میں ان کو
اضافے نے 1971ء میں ہمیں چکرا کے رکھ دیا تھا اور اس سارے عرصے میں بھارتی بڑی ثا
قدمی اور ہوشیاری سے پاکستان اور امریکہ کے مابین فوجی تعلقات کو ضعف پہنچانے
جدوجہد میں مصروف رہا باوجود یہ کہ اس وقت تک بھارت اپنی اسلحہ سازی کی صنعت میں ن
اضافہ کر چکا تھا اور اس نے روس سے بڑی مقدار میں فوجی ساز و سامان کی سپلائی وصول کرنا ش
کر دی تھی

1965ء کی پاک بھارت جنگ نے ہمیں کسی حد تک اس بکھیڑے سے نجات حا
کرنے کا موقع فراہم کر دیا امریکہ نے طرفین کو ہر قسم کے فوجی ساز و سامان کی ترسیل بند کر
(67-1966ء میں اس پالیسی میں معمولی سی ترمیم کی گئی جس کے باعث فاضل پرزوں او
مہلک سامان کی ترسیل ممکن ہوئی) بادی النظر میں یہ مساوی سلوک دراصل ایک فریب تھا جو
عملی نتیجے میں پاکستان کو نقصان پہنچا کیونکہ بھارت نے اپنا زیادہ تر اسلحہ اپنے کارخانوں میں
یا کمیونسٹ اقوام سے حاصل کیا صدر جانسن نے اس اقدام میں مضمر ناانصافی کا احساس ک
ہوئے تیسرے فریق (تھرڈ پارٹی) مثلاً ترکی کے ذریعے پاکستان کو چند قبروک شدہ ٹینک
کرنے کا وعدہ کر لیا تاہم وہ اس وعدے کو نبھانے میں ناکام رہا کیونکہ ایک طرف اسے خدشہ
اس جزوی طور پر اہم فیصلے کے باعث کہیں کانگریس میں اس کی زوال پذیر حمایت میں مزید
نہ ہو جائے اور دوسری طرف تیسرے فریقین (تھرڈ پارٹنر) نے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کی
برصغیر کے متعلق مجھے اپنے تجربے کی بنا پر اس امر سے خبردار ہونا چاہئے تھا کہ یہاں جا

خیال پھیلا ہے 1962ء میں جب تکنیکی طور پر میں صدر کینیڈی کا مشیر تھا تو امریکہ کی
ن ایجنسی (یوسیا) نے برصغیر میں میری تصاویر کے سلسلے کا اہتمام کیا بھارت میں ہمارے
ن کینتھ گلبرائتھ کو جو میرا اچھا دوست ہے اپنے حساس اور عدم تشدد کے قائل مؤکلوں پر
یونیورسٹی کے اس پروفیسر کے بارے میں خاصی تشویش تھی جس کی شہرت کا ان دنوں
ر ''جوہری ہتھیار اور خارجہ پالیسی'' نامی تصنیف پر تھا' میں نے اس کی تشویش نئی دلی کے
ے پر پہنچتے ہی پاکستان سے الجھ جانے پر دور کر دی پریس کانفرنس میں کہ ناگزیر تھی۔
میں نے کشمیر کے متعلق ایک سوال کا جواب دیا جو میرے خیال میں ڈپلومیٹک تھا اور جواب
میں اس مسئلے سے زیادہ واقفیت نہ رکھنے کے باعث اپنی رائے کا اظہار کرنے سے معذور
ہے جب چین کے ساتھ پاکستان کی بڑھتی ہوئی پینگوں پر تبصرہ کرنے کے لئے سوال ہوا
خیال تھا کہ چین کے طبعی جارحانہ پن کی موجودگی میں ایسی صورتِ حال نامعقول نظر آتی ہے'
میں نے جواباً اس رائے کا اظہار کیا کہ میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ پاکستان ایسی حماقت کا
ہو رہا ہوگا۔

پاکستان کے لیڈر پہلے ہی اس احساس میں مبتلا تھے کہ ان کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا
ہے' کیونکہ ہاورڈ کے فاضل پروفیسر کو تو نئی دلی میں سفیر بنا دیا گیا جب کہ پاکستان میں پیشہ ور
تقرری ہوئی لیکن پاکستان کینیڈی کے ذاتی دوست کو ہدفِ تنقید بنانے سے کتراتا تھا' دلی
ائی اڈے پر میرا انٹرویو پاکستان کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا اس سے پاکستان کے
ہارورڈ کے ایک اور پروفیسر اور کینیڈی کے نسبتاً کمتر معاون کے خلاف اظہارِ خفگی کا موقع مل
میر کے مسئلے سے میری لاعلمی کو پاکستان کے ساتھ امریکہ کی عدم توجہی کا مظہر قرار دیا گیا۔
اسی جملے میں ''حماقت'' کے استعمال کو جس میں لفظ ''پاکستان'' شامل تھا...... اگرچہ اس سے
کہ پاکستان احمق نہیں...... قومی توہین تصور کیا گیا مگر اس کا ایک فائدہ ضرور ہوا پاک پریس
نے مجھے چشم زدن میں بھارت کی نگاہوں میں اہمیت عطا کر دی۔ چنانچہ کم از کم 1962ء
پر بھارت کی طرف جھکاؤ رکھنے کا الزام عائد ہوا۔
تاہم کسی نہ کسی طور حالات میں بہتری کی ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ میں برصغیر کے مذکورہ
کے دوران پاکستان میں اپنی شکل دکھا سکوں۔ میں نے فوراً ثابت کر دیا کہ صورت حالات

سے اتنا بے خبر نہیں۔ میں درہ خیبر کا نظارہ کرنے کے بعد پشاور لوٹا تو مجھے ایک پاکستانی اخبا
نے گھیر لیا اس نے پوچھا

کیا آپ کو پشتون ایجی ٹیشن کے کہیں اثرات نظر آئے

یہ سوچ کر کہ برصغیر ایک عرصے سے میری چٹکلے بازی سے محروم ہے میں نے جو
"خواہ مجھے ذاتی طور پر کتنا ہی گزند کیوں نہ پہنچے میں تو پشتون ایجی ٹیشن تسلیم کرنے کو تیار
نتیجتاً اخبارات نے شہ سرخیاں جمائیں کسنجر پشتونستان کو تسلیم نہیں کرتا

اس پر افغانستان نے واشنگٹن سے احتجاج کیا لیکن میرے مذکورہ جواب کا کم از کم
ضرور ہوا کہ پاکستان میں میں وقتی طور پر ہیرو بن گیا اگر آوارہ گردی کے شوق سے بے پایاں
افغانستان کا دورہ کرتا تو معلوم نہیں میں مزید کیا کچھ گل کھلاتا

یوسیا USIA نے فیصلہ کیا کہ ثقافتی تبادلے پر اٹھنے والے خرچ کی نسبت اسے بہ
گیا ہے اور لہٰذا میری ذہانت کے لئے گھر سے محفوظ تر اور کوئی مقام نہیں (اور نتیجتاً مجھے واپ
چنانچہ اسی بات سے سبق سیکھ لینا چاہئے تھا کہ 1971ء میں جو اشتعال انگیز فضا پیدا ہوئی
کیفیت برپا ہوئی اس سے کنارہ کش رہنا ہی میرے لئے بہتر تھا

نکسن انتظامیہ نے جب ملک کا نظم و نسق سنبھالا تو برصغیر کے بارے میں ہماری
مطمع نظر صاف ظاہر ہے یہ تھا کہ ہم اپنے ایجنڈے میں ایک اور پیچیدگی کی شمولیت
بچائیں اپنی بائیس سالہ بقائے باہمی CO-EXISTENCE کے نازک دور میں پا
بھارت کے مابین دو جنگیں ہو چکی تھیں۔ نرم سے نرم الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ
پیشروؤں کی نسبت نکسن' بھارت کی اخلاقی قیادت کے دعوے تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔
حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اپنے پیش روؤں کو بھارت کے ساتھ مبینہ چاپلوسی کو بے پایاں حما
مثال تصور کرتے تھے لیکن اس کے باوجود عالمی دورے کے دوران 1969ء میں ان کا
اتنا برا نہ رہا۔

1956ء میں آئزن ہاور کے بھارت کے دورے کے دوران لوگوں کے
اجتماعات کے مقابلے پر نکسن نے اپنے دورے میں ویسے ہی استقبال کیا اس کا دا
چھوڑ دیا۔ ان کا استقبال دبا دیا' ہجوم مناسب اور تبادلہ خیال مشترکہ اعلامئے کی زبان میں

معمول" (BUSINESSLIKE) کا تھا۔ نکسن نے بڑی فصیح و بلیغ تقریر کی۔ مہاتما
ی کی فہم و فراست کو خراج تحسین پیش کیا اور دور جدید میں ماہیت "امن" پر فکر انگیز خیالات کا
کیا۔

مگر قسمت کو یہ منظور نہ تھا کہ نہرو کی بیٹی اور بھارت کی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی اور نکسن
ابین ذاتی طور پر خوش گوار فضا پیدا ہو۔ اندرا کی قریب قریب موروثی اخلاقی برتری کے گمان
فیانہ خاموشیوں نے نکسن کے دل میں پرورش پانے والی تشویش کو تقویت پہنچائی۔ نکسن کے
اس کے رویے میں سرمایہ داروں کی علامت (سمبل) کی تحقیر بھی شامل تھی' جس نے ترقی
مالک میں فیشن کی صورت اختیار کر لی ہے' اور پھر ساتھ ساتھ اشاروں' کنایوں میں اندرا نے
کہا میں نے اپنے دانشور احباب سے آپ کے بارے میں جو بیہودہ باتیں سنی ہیں۔ وہ سب
ب غلط تو نہیں ہو سکتیں۔ اندرا سے ملاقاتوں کے بعد نکسن جو تبصرے کرتے تھے وہ ہمیشہ ایسے
نے تھے کہ پرنٹ (شائع) کیے جا سکیں۔

اس کے برعکس نکسن ایسے لیڈروں کی قدر کرتے تھے جو قومی مفادات کے ادراک میں غیر
تی سوچ کا مظاہرہ کرتے ہوں۔ اندرا کے بلند آہنگ اور خطیبانہ دعوتی انداز میں جھانک کر
نے والوں کو صاف نظر آ جاتا تھا کہ عناصر قوت (ELEMENTS OF POWER)
بے درد قیاس آرائی۔ (COLD BLOODED CALCULATION) میں
ا کوئی ثانی نہیں۔ ماحصل یہ کہ سیاسی تعلقات ذاتی تعلقات سے کہیں بہتر تھے۔

بھارت کے وزیراعظم کے بارے میں نکسن کے ذاتی اضطراب کے باوجود نکسن کے دور
ارت کی پہلی معیاد میں بھارت کو امریکی حکومت اور کانگریس میں خاصی اہمیت حاصل رہی۔
گاندھی نے ابھی ایٹمی دھماکہ کیا تھا اور نہ آمرانہ اختیارات حاصل کئے تھے اور اسی وجہ سے
کی ابھی اندرا سے مایوس نہ ہوئے تھے۔ جمہوری نظام کے حامل دنیا کے سب سے زیادہ آبادی
لے ملک کے ساتھ ابھی جذباتی لگاؤ میں کوئی فرق نہ آیا تھا انتظامیہ اور کانگریس نے بھارت کے
بھاری سالانہ رقوم مختص کیں اور کسی نے انگلی تک نہ اٹھائی۔ 1965ء سے 1971ء تک
ت کو کل 33.6 ملین روپے (الفاظ میں تین پدم چھتیس کھرب اور ہندسوں میں............
3,36,00,00,00,00,000 روپے۔ مترجم) کی اقتصادی امداد دی گئی جس میں سے بارہ

ملین روپے (الفاظ میں ایک پدم بیس کھرب اور ہندسوں 1,20,00,00,00,00,0000 روپے ...... مترجم) نکسن کے عہد صدارت کے دو ہوئے تھے

بھارت کے ساتھ کانگریس گرمجوشی اور صدر بے اعتنائی برتتے تھے مگر پاکستان معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا نکسن جب امریکہ میں شریک اقتدار نہ تھے تو پاکستان ا میں شامل تھا جہاں نکسن کا پرجوش استقبال کیا گیا یہ بات انہوں نے کبھی فراموش نہ کو بھارت کے واضح طور پر مغرور اور ژولیدہ سر lex and apparently haughty لیڈروں کی نسبت پاکستان کے بے تکلف اور صاف گو فوجی سالار military chiefs زیادہ پسند تھے۔

اس کے باوجود رائے عامہ کی تشکیل کرنے والی جماعتوں کے ذہن میں پاکستان ہمدردانہ جذبات پیدا نہ ہوئے' جو ان کے دل میں بھارت کے لئے تھے دنیا کی عظیم جمہوریت کے پروگریسو نعروں اور عدم تشدد کی اخلاقیات سے امریکی جلد مسحور و مانوس تھے' جب کہ پاکستان جن اصولوں کی نمائندگی کرتا تھا ان سے امریکیوں کا اتفاق تھا۔علاوہ ازیں بھارت نسبتاً بہت بڑا ملک تھا اور اس کی آبادی بھی پاکستان سے چار زیادہ تھی۔ چنانچہ ان ٹھوس وجوہات کی بنا پر بھارت کے ساتھ تعلقات کو زیادہ اہمیت حا برصغیر کے بارے میں نکسن نے جو پالیسی ورثے میں پائی تھی' اس میں انہوں نے کوئی ت سوائے' اس کے کہ انہوں نے پاکستان کے ساتھ نسبتاً ہمدردانہ لہجہ اختیار کیا۔ وہ اور میں دو ہی امریکی حکومت کے وہ اہم اشخاص ہیں جو اصل حقائق سے باخبر ہیں...... چین رابطے کے قیام کے سلسلے میں پاکستان کے کردار کے لئے اس کے ممنون احسان تھے

یہ امر لائق تحسین ہے کہ پاکستان کے لیڈروں نے اپنی خدمات کے سلسلے میں تمنانہ صلے کی پروا کی اظہار ممنونیت کے طور پر نکسن نے فقط ایک اہتمام کیا...... اور وہ بھی رو کے ایفائے عہد کی غرض سے...... کہ 1970ء کے موسم گرما میں پاکستان کو تھوڑ سازوسامان کی ترسیل کی منظوری دے دی۔ پاکستان کو اسلحہ کی ترسیل کی پابندی سے آخری استثنائی صورت ثابت ہوئی۔ یہ سپلائی بیس طیاروں اور تین سو آرمرڈ پرسانل ک

اور اس میں کوئی ٹینک یا توپ خانے کا سامان شامل نہ تھا اس کی لاگت چالیس تا پچاس ملین تیس تا چالیس کروڑ روپے یا اس سے قدرے زائد تھی اور اس اضافے کی وجہ ترسیل میں طیاروں کی قسم قرار دی جاسکتی ہے۔ بھارت نے اس اقدام کے خلاف شور قیامت برپا کر باوجود یہ کہ وہ فوجی اسلحہ کے حصول میں اوسطاً 35 کروڑ ڈالر 2,00,00,00,00,000 کا اضافہ کر رہا تھا' اس کے ساتھ ساتھ بھارت نے ہم پر یہ الزام عائد کیا کہ ہم اس کے داخلی ات میں مداخلت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ کیونکہ ہمارے سفارت خانے...... اور غالباً اس سفارتخانے میں سفارتی عملے کی تعداد ضرورت سے بہت زیادہ تھی...... کے بعض افراد اختلاف کے لیڈروں سے کبھی کبھار ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔ یہ ملاقاتیں واشنگٹن کی کسی کردہ حکمت عملی پر عمل درآمد کے سلسلے میں نہ ہوتی تھیں بلکہ ایک ایسے ملک میں جہاں آزاد ہوں' اس طرح کی سرگرمی قدرتی بات ہے۔ جمہوری ملک کے لیڈروں کی طرف سے اس کا عائد کیا جانا بڑی بے تکی بات تھی تاہم یہ طوفان جلد تھم گیا

1971ء تک بھارت کے ساتھ ہمارے تعلقات میں اشتعال انگیز خرابی پیدا ہو چکی تھی...... جوڑے کی مانند جو نہ مل کر رہ سکتا ہو اور نہ جدائی اختیار کر سکتا ہوں۔ پاکستان کے ساتھ ہمارے ات میں سطحی سا دوستانہ پن در آیا تھا مگر اس کے اجزاء کسی ٹھوس شے پر مشتمل نہ تھے کم از کم کی حد تک امریکہ کے ساتھ الائنس (یگانگت) نے غیر جانب داری کے مقابلے پر قابل ذکر حاصل نہ کئے۔

1971ء کے آغاز میں یہ بات ہمارے کسی سینئر پالیسی ساز شخص کے خواب و خیال میں بھی کہ برصغیر میں حالات ایسا پلٹا کھائیں گے کہ برصغیر ہمارے ایجنڈے میں سرفہرست شامل سالانہ اقتصادی امداد اور 1970ء کے آخر میں المناک قدرتی آفات میں دستگیری کے علاوہ کے معاملے میں کسی فوری فیصلے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ تاہم برصغیر طویل المیعاد مطالعاتی کا موزوں ترین موضوع لگتا تھا

1970ء کے اواخر میں میں نے ایسے تین جائزوں کے احکامات جاری کئے دو کا تعلق بحر روسی بحری بیڑے کی موجودگی اور اس کے نتائج سے تھا' جب کہ تیسرے میں بھارت اور تان کے بارے میں ہماری طویل المیعاد پالیسی کے علاوہ روس اور کمیونسٹ چین کے مقاصد

اوران کے باہمی ردعمل کی جانچ پڑتال شامل تھی۔ ان مطالعاتی جائزوں کی تکمیل کے لئے
تاریخیں مقرر ہوئی تھیں کیونکہ ہمیں کسی بحران کی توقع نہ تھی

جب سے پاکستان وجود میں آیا وہ اپنے قیام کا جواز صحیح ثابت کرنے کی مسلسل کوشش
رہا۔ قیام پاکستان کے بعد کوئی حکومت اپنی معیاد پوری نہ کرسکی ہر تبدیلی کسی نہ کسی سازشی انق
(coup) کے باعث ہوئی کبھی سول حکومت قائم ہوئی اور کبھی فوجی اور فوج کو توفیق حاصل
خیال تھا کہ 1970ء میں آئینی حکومت قائم ہو جائے گی

دسمبر میں انتخابات کا انعقاد قرار پا چکا تھا۔ اقوام متحدہ کی پچیسویں سالگرہ میں شرکت
سے دورے کے دوران یحییٰ نے اکتوبر میں نکسن سے ملاقات کی اسی ملاقات میں نکسن نے
لائی کے لئے وہ پیغام دیا جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے (نکسن نے یحییٰ کے توسط سے چوا
کے لئے یہ پیغام دیا تھا کہ میں چین اور امریکہ کے مابین مفاہمت کو ناگزیر سمجھتا ہوں اور
میں اعلیٰ عہدے کے حامل پیامبر بھیجنا چاہتا ہوں) میں نے اس موقع پر یحییٰ سے دریا
انتخابات کے بعد آپ کے اختیارات کا کیا بنے گا؟ یحییٰ نہایت پراعتماد تھا وہ یہ آس لگائے
کہ انتخابات کے نتیجے میں مغربی اور مشرقی پاکستان میں متعدد پارٹیاں ابھریں گی اور ایک
دونوں بازوؤں کے مابین مسلسل رسہ کشی ہوا کرے گی اور دوسری طرف ہر بازو کے اندرا
طور پر یہ پارٹیاں باہمی کشمکش میں مبتلا رہیں گی اور اس صورت حال کی بدولت صدر پاکستا
کے سیاسی امور پر سیاہ وسفید کا مالک رہے گا۔

ڈھاکہ پر

امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر کی پریس کانفرنس

"بعض حلقوں نے امریکی پالیسی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ انتظامیہ کے اقدامات
رت دشمنی پر مبنی ہیں۔ اس بات میں حقیقت کا شائبہ تک نہیں۔ بھارت ایک عظیم ملک ہے' اس
آبادی بہت زیادہ ہے آزاد ملک ہے اور یہاں صحیح معنوں میں جمہوریت رائج ہے۔ جنگ عظیم
بعد ہر امریکی عوام آج تک بھارت کو دس بلین ڈالر کی امداد دے چکے ہیں۔ گزشتہ چند ہفتوں
ہم نے بھارت سے بعض معاملات پر اختلاف کیا۔ ہم نے یہ کچھ انتہائی مجبوری اور بوجھل دل
ے کیا۔

اب میں حالات کا نقشہ پیش کرتا ہوں۔ واقعات کی کڑیاں 25 مارچ تک پھیلی ہیں۔ 25
چ کو پاکستان کی مرکزی حکومت نے مشرقی بنگال میں فوجی راج قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور اس
ل آغاز کیا جس کا انجام اب دیکھنے میں آرہا ہے۔ امریکی حکومت نے اس فوجی کارروائی کی
ی حمایت نہ کی جس کے المناک نتائج اب سامنے ہیں۔ امریکی حکومت کا شروع ہی سے یہ
قف رہا کہ اس کارروائی سے بھارت لاتعلق نہ رہ سکے گا اور امریکی پالیسی پر اس پر دور رس
ات مرتب ہوں گے۔ ہم اس حقیقت کو کبھی نہ بھولے کہ ایک ایسے ملک میں غیر ملکی پناہ گزینوں
آمد بہت بڑے خطرے کا باعث ہوگی جہاں فرقہ وارانہ فسادات کی ننگی تلوار ہر دم سروں پر لٹکی
تی ہے۔ یہ بات بھی ہمارے ذہن میں رہی اور ہے کہ مشرقی بنگال سے لوگوں کے جوق در جوق
ارت چلے آنے سے بھارت کا کمزور معاشی ڈھانچہ درہم برہم ہو جائے گا۔ ایک ملک کے
سائل محدود ہوں اور ترقی کے مراحل سے گزر رہا ہو تو دوسروں کا بوجھ' اتنا بڑا بوجھ کیسے برداشت کر
کتا ہے۔

"امریکہ بیک وقت دو طرح کی کوششیں کرتا رہا ہے پہلی یہ کہ انسانی مشکلات و مصائب کا
اتمہ کیا جائے' مہاجرین کو وطن واپس لایا جائے اور دوسری یہ کہ اس معاملے کا سیاسی تصفیہ کرایا
جائے جس نے مہاجرین کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ امریکہ نے مارچ 1971ء کے افسوسناک
اقعات کو نظر انداز نہیں کیا۔ اس کے نتیجے میں ہم نے اس وقت سے اب تک پاکستان کو کوئی

ترقیاتی قرضہ نہیں دیا۔

"پاکستان کو فوجی امداد دیئے جانے کے بارے میں بھی طرح طرح کی باتیں سنے آرہی ہیں۔ اصل صورتحال یہ ہے کہ مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کے آغاز کے ساتھ امریکہ نے تمام نئے لائسنس منسوخ کردیئے۔ اس سے پاکستان کو ہر قسم کے امریکی اسلحے کی تر رک گئی۔ پاکستان کو وہی ہتھیار ملتے رہے جو تجارتی بنیادوں پر جاری ہونے والے پر لائسنسوں کے تحت آتے تھے اور یہ سب سپیئر پارٹس تھے' کوئی مہلک یا بھاری ہتھیار پاکستان کو دیا گیا۔

"واقعات کی سچی تصویر دکھانے کے لئے کچھ اعداد و شمار بھی پیش ہیں۔ آواخر مارچ م پاکستان میں فوجی کارروائی کے آغاز کے بعد امریکہ نے پاکستان کو 35 ملین ڈالر کے ا ترسیل روک دی۔ صرف 5 ملین ڈالر کے ہتھیار دیئے گئے اور یہ بھی سپیئر پارٹس تھے جو پابندی قبل جہازوں میں لاد کر پاکستان روانہ کئے جاچکے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ امریکہ نے برصغیر کے حالات اور اپنی پالیسی سے متعلق کوئی بیان جاری مگر اس کی بھی ایک وجہ تھی۔ امریکی حکومت چاہتی تھی کہ دہلی اور اسلام آباد پر اثر و رسوخ استعم کے مسئلے کا سیاسی حل تلاش کیا جائے اور مہاجرین کو وطن واپس بھیجا جائے۔

"ہم نے سیاسی حل کی راہ تلاش کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کوشش میں ہی بھارت قدرے اختلاف ہوا۔ اختلاف کا جائزہ پیش ہے۔

- O ہم نے حکومت بھارت سے بار بار رابطہ قائم کیا۔ وزیر خارجہ نے اٹھارہ بار بھارتی سفی ملاقات کی امریکی صدر کے نمائندے کی حیثیت سے میں نے آواخر اگست تک بھارتی سے سات ملاقاتیں کیں۔ ہم نے ہر بار کہا کہ برصغیر کے حالات جس موڑ پر آن پہنچے وہاں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ مشرقی بنگال کو سیاسی خودمختاری دے دی جائے اور افق پر لکھے اس ناگزیر فیصلے کی ہم پوری حمایت کرتے ہیں۔
- O بھارتی وزیراعظم یہاں آئیں تو ہم نے انہیں بتایا کہ پاکستان اس شرط پر سرحدو فوجیں ہٹانے پر تیار ہے کہ بھارت بھی اپنی فوجیں سرحدوں سے پیچھے ہٹالے' اس جواب نہ دیا گیا' پرواہ تک نہ کی گئی۔

بھارتی وزیراعظم کے دورہ امریکہ کے دوران ہم نے انہیں یہ بھی کہا کہ ہم پاکستان اور ان عوامی لیگی رہنماؤں کے مابین مذاکرات کا اہتمام کرانے پر تیار ہیں جنہیں شیخ مجیب نامزد کریں۔

بھارتی سفیر وطن جانے لگے تو ہم نے انہیں بتایا کہ ہم بھارت کے ساتھ ایک ایسے ٹائم ٹیبل کی ترتیب پر بات چیت کے لئے بھی تیار ہیں جس کے تحت مشرقی بنگال کو مقررہ وقت کے اندر اندر سیاسی خودمختاری مل جائے۔

بھارتی سفیر وطن جانے لگے تو ہم نے انہیں بتایا کہ ہم بھارت کے ساتھ ایک ایسے ٹائم ٹیبل کی ترتیب پر بات چیت کے لئے بھی تیار ہیں جس کے تحت مشرقی بنگال کو مقررہ وقت کے اندر اندر سیاسی خودمختاری مل جائے۔

جب ہم کہتے ہیں کہ فوجی کارروائی کی ضرورت نہیں تو ساتھ یہ بھی واضح کرتے ہیں اس سے بھارت کا متاثر ہونا امر لازم ہے۔ ہم نے کبھی نہیں کہا کہ بھارت کے ساتھ ہمارا یہ رویہ غیر دوستانہ ہے۔ ہم نے بھارت کے وقار اور مقام کو کم کرنے کا کبھی سوچا تک نہیں۔

کئی میدانوں میں بھارت کے ساتھ امریکہ کے انتہائی دوستانہ اور خلوص اور محبت سے لبریز تعلقات تھے مگر ہم بڑے دکھ کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ ہمارے نقطہ نظر کے مطابق بھارت کی فوجی مداخلت کا کوئی جواز نہ تھا۔ جب یہی بات ہم اقوام متحدہ میں کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم کسی ایک فریق کے موقف کی حمایت کر رہے ہیں یا ہم دنیا کے عظیم ممالک میں سے کسی ایک کے ساتھ اپنے دوستانہ تعلقات ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فوجی تشدد کا راستہ روکیں۔ اگر فوجی قوت کے بل پر ایک ملک دوسرے پر چڑھ دوڑے اور سیاسی بصیرت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے امریکہ جیسا کوئی بھی ملک طاقتور فریق کی پیٹھ ٹھونکنا شروع کردے تو مستقبل قریب میں دنیا کی افسوسناک حالت کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ دنیا بھر میں لاقانونیت کی ایسی لہر چلے گی جو امن و سکون کو بہا کر کہیں سے کہیں لے جائے گی۔ صدر امریکہ' امریکیوں اور دنیا بھر کے انسانوں کے لئے جس امن و مفاہمت کے خواہاں ہیں' ان حالات میں بھلا اس کا تصور بھی کیا جاسکے گا؟"

نیویارک' ہیرالڈ ٹریبیون۔ 6 جنوری 1972ء

قربتیں اور فاصلے

ڈاکٹر قدیر خان کے پہلے بین الاقوامی نوعیت کے انٹرویو کا شہرت یافتہ کلدیپ نیر معروف جرنلسٹ اور بھارتی سابقہ ہائی کمشنر برطانیہ بڑی پراسرار شخصیت ہے۔ کہا جاتا ہے کلدیپ نیر روز اول ہی سے بھارتی انٹیلی جنس کا ''دوست'' رہا ہے اور ''صحافت'' کی آڑ میں اس نے ''سفارت'' کے تیر بھی چلائے ہیں ڈاکٹر قدیر خان والا انٹرویو اس کی بہترین مثال ہے۔ سابقہ ''قومی خدمات'' کے صلے میں ہی کلدیپ نیر برطانیہ جیسے اہمuرین اہمیت کے حامل ملک میں بھارتی ہائی کمشنر کی حیثیت سے خدمات انجام دے چکا ہے۔ لندن میں خالصتان نواز سکھوں کا زور توڑنے اور انہیں ہندو نواز بنانے کیلئے کلدیپ نیر نے ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ خصوصاً لندن میں خالصتان نواز سکھوں کے سب سے مضبوط مرکز ''ساؤتھ ہال کے گوردوارہ سنگھ سبھا'' پر بھارت نواز سکھوں کو کنٹرول دلانے میں اس نے اہم ترین رول ادا کیا ہے۔ امن پسندی، دوستی اور بھائی چارے کی آڑ میں ''بھارت ماتا'' کا یہ سپوت اپنے مشن پر ڈٹا ہوا ہے بڑی تیزی سے براہمنی سامراجی عزائم کو بڑھاوا دے رہا ہے ''ٹریک ٹو پالیسی'' کا سرخیل ہے پاکستانی انگریزی اخبارات کے بیشتر مالکان کا ذاتی دوست ہونے کے علاوہ پاکستان میں بڑے رسوخ کا مالک بھی ہے۔ کلدیپ نیر نے ''DISTANTNEIGHBOUR'' میں ا نقطہ نظر سے سانحہ 71ء سے بحث کی ہے۔ اختلاف کے باوجود اس کتاب کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔

''مشرقی پاکستان اب بھی پاکستان کے اندر رہتے ہوئے خودمختاری کا خواہاں تھا۔ مجیب عوامی لیگ نے جو انتخابی منشور منظور کیا، اس میں کشمیر کے مسئلے پر پاکستان کے حق میں اعلان کیا تھا، ہمارے نزدیک اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق مسئلہ کشمیر کے تصفیے کو اہم ترین درجہ حاصل ہے۔ ہم رائے شماری کے بنیادی حق کے حصول کے سلسلے میں جموں و کشمیر کے عوام کی جدوجہد کی حمایت کرتے رہیں گے۔

اپریل 1972ء میں مجیب سے جب میری ملاقات ہوئی، تو انہوں نے کہا، سارا کشمیر بھارت کا ہے اور جھگڑا تو فقط ریاست کے اس حصے کا ہے جو اب بھی پاکستان کے پاس ہے۔ وہ یہ بات ابھی سرعام نہ کہنا چاہتے تھے، کیونکہ ان کا خیال تھا شاید میں بھارتی حکومت اور شیخ عبداللہ کے مابین حائل خلیج پر رابطے کا کام دے سکوں۔ دو سال بعد میری ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی اور میں پہلا انٹرویو یاد کرانے پر بھی انہوں نے کشمیر کے مسئلے پر تبصرہ کرنے سے انکار کر دیا۔

17 دسمبر 1970ء کو قومی اسمبلی کے انتخابات میں عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان کی ایک سو ہتر نشستوں میں سے ایک سو سڑسٹھ نشستیں جیت کر تین سو تیرہ ارکان کے ایوان میں کامل اکثریت حاصل کر لی تھی۔ مسٹر بھٹو کی پیپلز پارٹی نے مغربی پاکستان کی ایک سو چوالیس نشستوں میں سے اٹھاسی نشستیں جیتیں۔ مغربی پاکستان میں عوامی لیگ اور مشرقی پاکستان میں پیپلز پارٹی نے ایک بھی نشست حاصل نہ کی۔ پاکستان قومی قائد سے محروم رہا۔ مجیب نے کہ چھ نکات کی بنیاد پر انتخاب بھاری اکثریت سے جیت لئے تھے، اب صوبائی خودمختاری کیلئے دباؤ ڈالا۔ بھٹو کا کہنا تھا۔ اس امید پر کہ چھ نکات کے باعث بنگال کی الگ ریاست قائم ہو جائے گی، تمام ہندوؤں نے عوامی لیگ کو ووٹ دیئے۔ بھٹو نے پہلا پتھر پھینکتے ہوئے اعلان کیا۔ میری جماعت 3 مارچ 1971ء کے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت نہ کرے گی۔

انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے مجھے بتایا یہ نہ بائیکاٹ تھا اور نہ دھمکی۔ اس کا مقصد تو محض یہ تھا کہ اسمبلی کے اجلاس سے پہلے مجیب کے ساتھ اہم نکات پر کوئی سمجھوتہ ہو جائے (مجھے لاہور میں معلوم ہوا یحییٰ کی یہ بات ریکارڈ پر آ چکی ہے کہ اجلاس کے التوا کے سلسلے میں انہیں بھٹو نے مجبور کیا تھا)۔

یوں لگتا ہے، بھٹو اور یحییٰ کا گٹھ جوڑ ہو گیا تھا، کیونکہ موخرالذکر نے اجلاس ملتوی کر دیا۔ اس التوا سے واقعات کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس پر بعد میں قابو نہ پایا جا سکا۔ مشرقی پاکستان بالخصوص ڈھاکہ میں ہنگامے ہوئے۔ مجیب نے 7 مارچ کو جلسہ عام میں کہا ''اگر ہم پرامن اور دوستانہ طور پر اپنے مسائل حل کر لیں، تو ہم بھائیوں کی طرح رہ سکتے ہیں۔'' لیکن 26 مارچ کے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کیلئے انہوں نے شرائط عائد کر دیں۔ تمام فوجیوں کو بیرکوں میں واپس بھیج دیا جائے، مارشل لا اٹھا لیا جائے اور اقتدار عوامی نمائندوں کے فی الفور حوالے کیا جائے۔

اب باہمی گفت وشنید کے ذریعے تصفیے کی سرتوڑ کوششوں کا آغاز ہوا۔ مجیب چھ نکات
پر خود مختاری کے منصوبے پر اڑا رہا جو بھٹو کے نزدیک علیحدگی کی جانب ایک قدم تھا۔ بیرونی
اور بیرونی امداد کو صوبائی تحویل میں دے کر پاکستان کیونکر متحدہ رہ سکتا ہے؟ انہیں خدشہ
بھارت کے ساتھ تجارت شروع کر کے پاکستان کی یہ پوزیشن مجروح کر دے گا کہ کشمیر کا
ہونے تک بھارت سے کوئی لین دین نہ رکھا جائے۔

بھٹو نے خطرے کی گھنٹی بجانے کی کوشش کی اور الزام لگایا کہ سرحدوں پر بھارتی فو
بھاری نقل وحرکت ہو رہی ہے۔ مشرقی پاکستانیوں نے اس دام میں آنے سے انکار کر دیا۔
مغربی پاکستان کے ایک لیڈر ائر مارشل اصغر خاں نے بھٹو کی رائے کو افسوسناک قرار دیا۔

جب بھٹو نے دیکھا کہ مجیب یا مشرقی پاکستانیوں کی حمایت حاصل کرنا ممکن نہیں ت
نے خود مختاری کی تحریک کو کچلنے کیلئے یحییٰ خاں سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ بھٹو کے کہنے ہی پر فوجی کار
گئی۔ یہ بات مجھے صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والے پاکستان کے حزب اختلاف کے رہنما
نے اسلام آباد میں بتائی۔ بحریہ کے چوٹی کے افسر اور لبرل مغربی پاکستانی احسن ان دنو
پاکستان کے فوجی گورنر تھے۔ انہوں نے مجوزہ فوجی اقدام کی سخت مخالفت کی اور انتباہ کیا ا
سے مشرقی پاکستان کے لوگ ہمارے دشمن بن جائیں گے۔ ان کی بات کتنی صحیح تھی! انہ
لیفٹیننٹ ٹکا خان کا تقرر عمل میں آیا جو پہلے بلوچستان میں ایک شورش کچل چکے تھے۔

مجیب نے حکم عدولی کی تحریک چلا دی۔ عدالت عالیہ کے ججوں نے ٹکا خان کو حلف
سے انکار کر دیا۔ ڈھاکہ ریڈیو نے مارشل لا حکام کے احکامات کو نظر انداز کر دیا۔ صوبہ بھر
کا سکہ چلتا تھا۔ راولپنڈی کے خیال میں اس کا واحد علاج بندوق تھی لیکن بحری اور طو
راستے کے ذریعے مغرب سے مشرق میں افراد اور ساز و سامان لانے کیلئے وقت درکار تھ
جنوری 1971ء کو بھارت کا ایک طیارہ جموں سے اغوا کر کے لاہور لے جایا گیا۔ اس کے
بعد بھارت نے اپنے ملک پر سے پاکستان کی پروازیں بند کر دیں۔

بھٹو نے اپنی تصنیف ”عظیم المیہ“ میں الزام لگایا ہے کہ طیارے کا اغوا دونوں بازوؤں
پروازوں کی منسوخی کے عذر کے طور پر سوچی سمجھی سازش تھی مگر اس تصنیف میں وہ یہ لکھنا بھول
لاہور اترنے کے بعد اغوا کنندگان سے انہوں نے ملاقات کر کے ان کی تعریف کی تھی۔
میں جب میں لاہور گیا تو اس طیارے کا ملبہ دیکھا جسے ہجوم نے بھٹو کی ہدایت پر جلا ڈالا تھا۔

یحییٰ نے وقت گزارنے کیلئے مجیب سے مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا۔ بھٹو کے پریس
ٹری خالد حسن نے راولپنڈی میں مجھے بتایا ہمارے پاس واضح ثبوت موجود ہے کہ یحییٰ اقتدار
دینے کے معاملے میں کبھی سنجیدہ نہ تھے۔ بلاشبہ اس نے اس کی تردید کی کہ یحییٰ کی حرکتوں میں
بھی شریک تھے۔ اپریل 1972ء میں ڈھاکہ میں مجیب نے مجھے بتایا یحییٰ کے ساتھ پہلی
ات کے بعد میں نے اپنے رفقا سے کہہ دیا تھا کہ وہ محض وقت گزار رہے ہیں اور مشرقی پاکستان
خود مختاری دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ یحییٰ کے رفقا نے مشرقی پاکستان کے رہنماؤں کو دو
نکات پر مشتمل ایک مسودہ دیا جس پر وہ کام کرتے رہے وہ کہنے لگے۔

اس کے علاوہ ہم کر بھی کیا سکتے تھے؟ (مذاکرات کے دوران) کوئی بڑا اختلاف ابھر کر
سامنے نہیں آیا۔ ہم نے جو تجویز بھی پیش کی تسلیم کر لی گئی۔ اس سے ہمارے شبہات کو مزید تقویت
اور میں نے اپنے رفقائے کار کو خبر دار کر دیا۔

واقعات کا تسلسل بیان کرتے ہوئے انہوں نے مجھے بتایا کہ انہیں کس طرح ایک ایسے
مقام پر دھکیل دیا گیا جہاں ان کے پاس آزاد ملک بنگلہ دیش کے اعلان کے علاوہ اور کوئی چارہ کار
نہ رہا۔ تاج الدین کہ جس نے اپریل 1971ء کو بنگلہ دیش کی جلاوطن حکومت قائم کی تھی اور کمال
حسین دونوں نے تصفیے کے سلسلے میں یحییٰ کے پرنسپل سٹاف افسر لیفٹیننٹ جنرل پیرزادہ کے ساتھ
مذاکرات کئے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ فوجی اقتدار چھوڑنے کے بارے میں مخلص نہ تھے۔
تاج الدین نے کہا۔

یحییٰ کی مذاکراتی جماعت کے ساتھ (مذاکرات کے دوران) ہمارا کسی نکتے پر اختلاف نہ
ہوا۔ فوجی کارروائی کے آغاز سے دو دن پہلے 24/دسمبر کو نئے آئین کے بارے میں ہم میں
اتفاق رائے ہو گیا۔ فقط ایک یا دو معمولی نکات رہ گئے تھے جب ہم نے ان کے فیصلے پر بھی زور دیا
تو یحییٰ کے رفقا نے لیت ولعل سے کام لیا۔ وہ کہنے لگے ہم آپ کو کل آخری اجلاس میں طلب کریں
گے۔ جب ہمیں کوئی بلاوا نہ آیا اور ان سے رابطہ قائم کرنے کے سلسلے میں ہماری کوششوں کا کوئی
نتیجہ نہ نکلا تو ہمیں یقین ہو گیا کہ مجیب ٹھیک ہی کہتے تھے۔ فی الحقیقت یحییٰ کا مشرقی بنگال کو منتقلی
اقتدار کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

مجیب نے یہ بھی بتایا کہ یحییٰ تو مشرقی اور مغربی بازوؤں کی اکائیوں پر مشتمل دولت مشترکہ

پاکستان کے قیام کی حد تک بھی جانے کو تیار تھے۔ بھٹو کی روایت ہے۔

اس مسودے کے مطابق جس پر یحییٰ اور مجیب کے رفقا کام کر رہے تھے مارشل لا کا خاتمہ اور مرکز میں انتقال اقتدار کے بغیر صوبوں کو منتقلی اقتدار مطلوب تھی۔ قومی اسمبلی کو آغاز کار ہی سے دو کمیٹیوں میں منقسم ہونا تھا ایک مغربی پاکستان اور دوسری بنگلہ دیش کیلئے ان دونوں کمیٹیوں کو معینہ عرصے میں الگ الگ رپورٹیں تیار کر کے قومی اسمبلی کو پیش کرنا تھیں۔ دو کمیٹیوں کی تجویز دو پاکستان کے جراثیم لئے تھی اسی لئے یہ پیپلز پارٹی کو نا قابل قبول تھی۔

''عظیم المیے'' میں بھٹو نے مجیب کی تجویز یوں نقل کی ہے ''میں (بھٹو) مغربی پاکستان وزیر اعظم اور وہ (مجیب) مشرقی پاکستان کا کرتا دھرتا بن جائے...... میں نے جواب دیا میں اس بات کو ترجیح دوں گا کہ تاریخ کے بجائے فوج مجھے تباہ کرے۔'' یوں لگتا ہے مجیب ایسے سمجھوتے کیلئے کام کر رہا تھا جو الحاقی وحدت پر مشتمل ہو اور جس میں مشرقی بنگال کو دفاع پر معینہ رقم کے عوض محاصل پر مرکز کے بجائے (دیگر صوبوں کی مانند) صوبائی اختیار مل جائے۔ جیسا کہ مجیب نے ٹائمز لندن کو بتایا ''اقتصادی استحصال کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کرنے کے سلسلے میں مجھے آئینی ضمانت درکار ہے۔ آبادی کے لحاظ سے ہم اکثریت میں ہیں' چنانچہ اکثریت اقلیت سے کیونکر الگ ہو سکتی ہے؟'' معترضین کے سوال پر کہ آیا یوں بھارت کیلئے بنگلہ دیش کو ہڑپ کرنا آسان نہ ہو جائے گا؟ مجیب نے جواب دیا ''آج کل کوئی کسی کو ہڑپ نہیں کر سکتا۔

بھارت بڑی مشکل سے اپنے بنگال کو کنٹرول کر رہا ہے۔ ہمارے عوام گو غریب سہی' لیکن وہ اپنی آزادی کا تحفظ کر سکتے ہیں۔ ویتنام ہی کی مثال لیجئے۔ اگر امریکہ اسے ہڑپ نہیں کر سکتا تو بھارت بنگلہ دیش کو کیسے ہڑپ کر پائے گا''۔

شاید نئی دلی نے بھی دولت مشترکہ پاکستان جیسی تجویز کو ترجیح دی ہو۔ کیونکہ بھارت میں بہت سے لوگوں کو یہ بے بنیاد یا حقیقی خدشہ تھا کہ کہیں کسی روز متحدہ اور آزاد بنگال کی تحریک نہ چل پڑے یا پھر یہ کہ بنگلہ دیش کو اقتصادی مصائب نے گھیر لیا تو بھارت کے خلاف جذبات دوبارہ ابھر آئیں گے۔

خیر مجیب کی تجویز پاک فوج کو منظور تھی اور نہ بھٹو کو کہ موخر الذکر اس صورت میں خود کو ایسی پارلیمان کا اپوزیشن لیڈر پاتے جس پر دور سے ڈھاکہ اور اتنے ہی دور سے فوج کے جنرلز کا تسلط ہوتا۔ بھٹو کے نزدیک یہ صورت سخت ناپسندیدہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے تصفیے کی کوشش کو فوج کی مدد سے ناکام بنانے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے عذر کے حق میں یہ دلیل پیش کی کہ مشرقی پاکستان نے آزادی نہیں' بلکہ خود مختاری کی بنیاد پر مجیب کو ووٹ دیا ہے۔

صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والے حزب اختلاف کے رہنما ولی خاں نے مجھے بتایا کہ بھٹو نے بات کامیابی سے ہمکنار نہ ہونے دیئے۔ بھٹو خود پاکستان پر حکومت کرنا چاہتے تھے اور یہ اسی صورت ممکن تھا کہ مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہو جاتا جو آبادی کے لحاظ سے بڑا تھا اور جسے قومی اسمبلی میں اکثریت حاصل تھی۔

میں نے ولی خاں کے استدلال کے بارے میں جب بھٹو سے بات کی تو انہوں نے انکار کیا۔ انہوں نے ''عظیم المیے'' میں لکھا ہے...... ''یہ میرا نہیں یحییٰ خاں کا کیا دھرا تھا۔ وہ منتقلی اقتدار کے بارے میں مخلص نہ تھے۔ میں نے تو مجیب کو وزارت عظمیٰ کی پیشکش کر دی تھی...... میری تو دعا تھی کہ مجیب الرحمٰن چھ نکات سے دستبردار ہو کر متحدہ پاکستان کا وزیر اعظم بن جائے' مگر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔'' جیسا کہ پاکستان پہنچنے پر مجھے معلوم ہوا یحییٰ نے تمام تر ذمہ داری بھٹو پر ڈال

ولی خان کے مطابق یحییٰ کا یہ دعویٰ ریکارڈ پر آ چکا ہے کہ جو کچھ میں (یحییٰ) نے کیا وہ بھٹو کے مشورے پر کیا تھا۔ اس میں کتنی صداقت ہے اس بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے مگر بھٹو یحییٰ سے روزانہ ملاقات کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات دن میں دو دو تین تین بار یوں لگتا ہے وہ دونوں دن کے مذاکرات پر آپس میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ یہ بعید از امکان نہیں کہ بھٹو کو ان تمام تیاریوں کا علم ہو جو مشرقی پاکستان کی خود مختاری کی تحریک کو کچلنے کیلئے یحییٰ کر رہے تھے' کم از کم ولی خاں کا تو یہی کہنا ہے۔

اگر بنگلہ دیش کے قائدین کی بات سچ مان لی جائے تو ڈھاکہ کے ان اجلاسوں میں بھٹو بھی شریک ہوا کرتے تھے جن میں یحییٰ اور ان کے رفقا نے فوجی اقدام کی منصوبہ بندی کی ایک واقعہ بھٹو کے ملوث ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ 27 / مارچ کو جب رات کے ڈیڑھ بجے مجیب کو گرفتار کیا گیا تو بھٹو ان معدودے چند افراد میں شامل تھے۔ جنہیں اس گرفتاری کی اطلاع دی گئی۔ ''عظیم المیے'' میں ان کا اپنا بیان ہے کہ میں (بھٹو) نے فوجیوں سے کہا تھا ان (مجیب) سے اچھا سلوک کرنا''۔

پاک فوج نے علاقہ وار کارروائی کے ذریعے مزاحمت کو کچل دیا۔ سرحدوں کی طرف جانے سے پہلے صرف ایسٹ بنگال رجمنٹ نے موثر مزاحمت کی۔ بھارت میں لوگ بڑی خو میں مبتلا تھے۔ اخبارات میں ایسی لڑائیوں کی گرما گرم خبریں چھپ رہی تھیں جو سرے پذیر ہی نہ ہوئیں۔ کہا گیا ٹکا خان کو قتل کر دیا گیا۔ مجیب' ڈھاکہ میں کسی جگہ روپوش ہو کر آزادی کی قیادت کر رہے ہیں۔ حقیقت پسندانہ رپورٹنگ مشکل تھی' کیونکہ ان خبروں کے ذریعے تھے بنگالی گوریلے یا پناہ گیر۔

ٹکا خان کا ذکر آیا ہے' تو یہ بھی سن لیجئے کہ بھٹو سے ملاقات کے دوران جب میں نے دشمن ٹکا خاں کے کمانڈر انچیف بنانے پر اعتراض کیا' تو ان کا جواب تھا پہلی بات تو یہ ہے تمہیں معلوم نہ ہو کہ ٹکا خاں' یحیٰی خاں کو اس کی پالیسی پر ٹوکتا رہا یحیٰی خاں نے اسے ہٹایا نہ اس نے خود یحیٰی خاں سے کہا تھا۔

بہتر ہوگا آپ میری جگہ کسی اور کا تقرر کر دیں۔

علاوہ ازیں بدقسمتی سے ٹکا خاں ایسا نام ہے جس سے تکہ کباب یا اسی طرح کی بوآ نام سنتے ہی لوگ سوچنے لگتے ہیں وہ کسی قسم کا...... (بھٹو نے جملہ پورا نہ کیا) تیسری بات پیشہ ور سپاہی ہے اسے بونا پارٹ ازم چھو تک نہیں گیا۔ چوتھے یہ کہ وہ فوج کا سینئر ترین اف پاکستان کی مسلح افواج میں اس کی بڑی عزت ہے۔ پھر تم جانتے ہو اگر مسلح افواج جیسے ادار تطہیر درکار ہو تو یہ دو وجوہات کی بنا پر ممکن ہے۔ ایک قابلیت اور دوسری سیاست بازی۔ سپاہی کو سیاست کے جرثومے نے نہ کاٹا ہو اور وہ ہو بھی بہترین پیشہ ور سپاہی تو وہ مسلح افو گندگی نہیں پھیلا سکتا۔ یہ بہت ہی اہم ادارہ ہے اور اس سے وابستہ لوگوں کو میری کارروائی پر یقین ہونا چاہیئے۔ میں نے جب دو کمانڈروں کو ملازمت سے الگ کیا' تو مجھے عوام کو کہ یہ لوگ سیاست میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کر رہے تھے' یہ پرانے ٹولے کے لوگ ہیں

ناکامی کے باوجود ان کی ذہنیت نہیں بدلی' لیکن ان کے جانشینوں کی تقرری کے بلاوجہ کسی کو نیچے سے اٹھا کر اوپر نہ لاسکتا تھا۔ ٹکا خاں کو نظر انداز کرنے کیلئے میرے پاس تھی۔ جہاں تک بیرونی دنیا کا تعلق ہے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس کا سایہ کسی شے پائے گا۔

ٹکا خاں کی تقرری پر مجیب نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا "ہم کیونکر پاکستان کا اعتبار کر سکتے ہیں جس کے کمانڈر انچیف کے ہاتھ ہمارے خون سے رنگے ہوں؟" انہیں ماسکو میں جب ٹکا خاں کی تعیناتی کا علم ہوا تو انہوں نے کوسیجن سے کہا "اب سب کچھ ختم ہو گیا ہے"۔

اپریل 1972ء میں میں نے ڈھاکہ میں سنا تھا کہ جونہی مجیب اور یحیٰی خان کے مابین مذاکرات ٹوٹے' انہوں نے بھارت سے رابطہ قائم کیا تھا۔ اس سلسلے میں جب میں نے مجیب سے دریافت کیا تو ان کا جواب تھا "براہ کرم مجھ سے یہ سوال نہ کریں"۔

ابتدا میں محدود کارروائی کا منصوبہ بنایا گیا باغیوں کی امداد کیلئے بھارت کی بارڈر سیکورٹی فورس کو افراد اور ساز و سامان بھیجنے کی اجازت دے دی گئی' جبکہ فوج کو ہر صورت حال کیلئے تیاری کا حکم ملا۔ بھارت کی مرکزی کابینہ کے ارکان میں سے ایک گروہ مشرقی بنگال کی سرحدوں کی ناکہ بندی کے حق میں تھا جبکہ دوسرا گروہ بنگلہ دیش کی "آزادی" کیلئے فوری کارروائی کا خواہاں تھا۔ چیفس آف سٹاف سے آرا طلب کی گئیں۔ انہوں نے عاجلانہ کارروائی کی مخالفت کی۔ ان کا کہنا تھا مون سون کے باعث مشرقی بنگال کے دریا بھر گئے ہیں اور علاقہ کسی بڑے پیمانے پر کارروائی کیلئے ناموزوں ہے۔ یونٹوں کی قوت کی تکمیل کیلئے وقت درکار ہے اور ساز و سامان میں موجود "شگافوں" کو پر کرنا مطلوب ہے۔

کارروائی کیلئے موسم سرما موزوں ترین ہوگا کہ برف باری کے باعث ہمالیہ کے درے اٹ جانے پر چینی مداخلت کا خطرہ کم ہو جائے گا۔ بحریہ کو احکامات جاری ہو گئے کہ مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان' فوجی اور اسلحہ لے جانیوالے جہازوں کی ناکہ بندی کی جائے' مگر فقط ایک بحری جہاز کی ناکہ بندی پر نئی دلی کو احساس ہوا کہ اس کے سنگین نتائج نکلیں گے۔ جنگ چھڑنے کا احتمال ہو سکتا ہے اور اس صورت میں بھارت کو جارح قرار دیا جائے گا۔

یہ وہ حالات تھے جب بھارت نے بنگلہ دیش کے حق میں عالمی رائے عامہ استوار کرنے پر تمام کوششیں مرکوز کر دیں۔ نئی دلی کا استدلال تھا۔

(1) فوجی کارروائی مسئلے کا کوئی حل نہیں اسے فی الفور رکنا چاہیئے۔

(2) بھارت میں پناہ گیروں کی آمد کا سلسلہ ختم ہونا چاہیئے۔

(3) ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ پناہ گیر اپنے گھروں کو امن اور سلامتی کے ساتھ لوٹ سکیں۔

(4) حالات کو معمول پر لانے کا فقط ایک ہی طریقہ ہے کہ عوام کیلئے قابل قبول سیاسی حل کیا جائے

(5) علاقے کے امن اور سلامتی کو سنگین خطرات درپیش ہیں۔

شروع میں پاکستان نے لوگوں کے سرحد پار چلے جانے کی تردید کی' مگر بعد میں جب اخبار نویسوں وغیرہ نے پناہ گیروں کی آمد اور ان کی حالت زار کی تصدیق کی تو پاکستان نے کہا کہ '' کچھ لوگ'' بھارت چلے گئے ہیں۔ بھارت کیلئے یہ بوجھ ناقابل برداشت ہوتا جار اسے تقریباً پونے تین کروڑ روپے روزانہ صرف کرنے پڑ رہے تھے۔ نئی دلی نے پہلے تو پیمانے پر بنگلہ دیش کی حمایت کی پھر اس نے مکتی باہنی اور گوریلوں کی بڑھ چڑھ کر امداد کرنا شر دی۔ مکتی باہنی کے اکثر افراد کو بھارت نے فوجی تربیت دی اور بعض کو دیرہ دون کے اعلیٰ فوجی مرکز میں تربیت دی۔

مسز گاندھی نے مختلف ممالک کے سربراہوں کے نام خطوط روانہ کئے کہ بھارت میں پناہ گیر بھیج کر پاکستان نے اپنے مسئلے کو بھارت کا مسئلہ بنا ڈالا ہے۔ بعد ازاں بھارتی وز نے جے پرکاش نرائن کی قیادت میں عالمی قائدین کے پاس غیر سرکاری وفد روانہ کیا۔

جون 1971ء میں سورن سنگھ اسی قسم کے مشن پر روانہ ہوئے اور سب سے پہلے ماسکو ماسکو نے ہمدردی اور امداد کا وعدہ کیا' مگر بھارت کو عاجلانہ اقدام سے باز رہنے کا مشورہ د بھارت کی کھلم کھلا طرفداری پر آمادہ نہ تھا۔ اس نے ایک ہی جیسی یادداشت دونوں ملکوں کو جس میں صورت حال کو مزید خراب ہونے سے بچانے کا مشورہ دیا تھا۔ روس کا خیال تھا کہ اگر کوئی انتہائی اقدام کیا تو یہ مسئلہ بین الاقوامی حیثیت اختیار کر لے گا۔ غالباً روس کا کہ اسے برصغیر میں ویسا ہی کردار ادا کرنا ہے جیسا 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد تاشقند میں ادا کیا تھا۔ پناہ گیروں کے باعث بھارت کو جو مسائل درپیش تھے ان کا روس کو ا تھا' لیکن اس نے بھارت کو فوری قدم اٹھانے کے بجائے احتیاط برتنے کا مشورہ دیا۔

یہ امر عجیب وغریب ہے کہ انہی ایام میں واشنگٹن نے بھی اسی نوعیت کی وارننگ د سوچ کر کہ کہیں پاکستان کو یہ احساس نہ ہو کہ چین کے علاوہ اور کوئی اس کا ساتھ نہیں دیتا' کراچی کے اسٹیل پلانٹ کی تعمیر کے سلسلے میں ٹیکنیکی عملہ بھیج دیا۔

سورن سنگھ کا دورہ لندن کامیاب رہا۔ اس وقت تک مشرقی پاکستان میں اپنے سفارتی ذرائع کے توسط سے وائٹ ہال اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ بنگلہ دیش آزاد ملک بن جائے گا۔ اکتوبر 1971ء میں جب لندن میں برطانوی دفتر خارجہ کے لوگوں سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے انہیں نئی دلی کا طرفدار پایا۔ بعد میں واشنگٹن کے کہنے پر لندن نے اقوام متحدہ کی نگرانی میں پناہ گیروں کی واپسی اور بحالی کے سلسلے میں نئی دلی کو تجویز پیش کی جسے بھارت نے اس بنا پر مسترد کر دیا کہ اقوام متحدہ کے نگران عملے کا بنیادی مسئلے یعنی مشرقی پاکستان کے حالات سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ بھارت کا کہنا تھا' بنیادی مسئلہ حل ہوئے بغیر پناہ گزین واپس نہ جائیں گے' مگر امریکہ نے اس تجویز کے حق میں خاصی حمایت حاصل کر لی۔ یہ تجویز فقط اس وقت چھوڑ دی گئی جب روس نے واضح کیا کہ وہ حق استرداد استعمال کرے گا۔

نکسن' راولپنڈی کی طرفداری کرتے رہے۔ بھارت اور بھارتیوں سے ان کی نفرت کی کچھ ذاتی وجہ تھی۔ بعض امریکی افسروں نے بھارتی افسروں کو بتایا۔ نکسن کو جو بات بری لگی وہ یہ تھی کہ امریکہ کے سابق نائب صدر کی حیثیت سے انہوں نے جب بھارت کا دورہ کیا تو نئی دلی نے بے اعتنائی سے کام لیا تھا۔ انہی دنوں پاکستان میں ان کی خوب آؤ بھگت ہوئی۔ ان دنوں ایوب خاں حکمران تھے۔ مہمان کے اعزاز میں نہ صرف ضیافت دی گئی۔ بلکہ پولیس کا خصوصی ٹیٹو شو بھی ہوا۔ نکسن نے اس استقبال کو بھلایا نہ تھا۔

امریکی رائے عامہ کے دباؤ کے تحت واشنگٹن کو یہ کہنا پڑا کہ مسئلے کے جلد حل کیلئے سیاسی تصفیہ ضروری ہے' مگر امریکہ نے پاکستان کو قصوروار نہ ٹھہرایا۔ اس سلسلے میں اس نے توجیہہ یہ پیش کی کہ مجیب سے تصفیہ کرنے کیلئے یحییٰ پر درپردہ دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ امریکہ نے بھارت کو فقط ایک بات کی یقین دہانی کرائی۔ اگر مجیب زندہ ہو تو اسے کوئی گزند نہ پہنچے گا امریکہ نے بھارت کو وثوق کے ساتھ یہ کبھی نہ بتایا کہ مجیب مر چکا ہے یا بقید حیات ہے۔ امریکہ کو کلیدی حیثیت حاصل تھی' کیونکہ اسلحہ اور دوسری امداد کیلئے یحییٰ کا اس پر مکمل انحصار تھا۔

جب کبھی بھارت نے امریکہ کی توجہ اس جانب مبذول کرائی' تو اسے یہی جواب ملا ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں اور علی الاعلان کچھ نہیں کہہ سکتے مبادا ہمارے اثر و رسوخ میں کمی پڑ جائے۔

غالباً کیٹنگ کے مستعفی ہونے کی دھمکی کے باعث نکسن نے اپنے مشیر امور خارجہ ہنری
سے کہا تھا کہ وہ اپنے ایشیائی دوسرے کے پروگرام میں بھارت کو بھی شامل کرلے لیکن اس د
سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ مسز گاندھی نے کھری کھری باتیں کیں۔ اس وقت تک بھارت کو ام
اعتبار نہ رہا تھا۔ جب کسنجر اسلام آباد سے چین کے خفیہ دوسرے پر گیا' تو بھارت کو یقین ہو
امریکہ اسے سبز باغ دکھاتا رہا ہے۔ بھارت کو یوں نظر آیا جیسے امریکہ' چین اور پاکستان کا
ہو گیا ہو۔

1969ء کے آغاز میں مشرقی سرحد پر چین کے ساتھ جھڑپ کے بعد روس نے بھار
ساتھ سکیورٹی پیکٹ (معاہدہ سلامتی) کے لئے بے قراری کا اظہار کیا تھا۔ اس سے روس
نظر نہ صرف پیکنگ کے مقابلے پر عددی برابری (چین کی پینسٹھ کروڑ آبادی کے مق
بھارت کی پچپن کروڑ آبادی) کا حصول بلکہ بحر ہند کے گرم پانیوں تک رسائی اور نئی دلی کے
جنوب مشرقی ایشیاء میں چین کے اثر و رسوخ کو گزند پہنچانا تھا۔ اس وقت مسز گاندھی
کرنے پر اس لئے رضامند نہ تھیں کہ۔

(1) انہیں رائے عامہ کے رد عمل کا اندازہ نہ تھا۔
(2) وہ امریکہ کو خفا کرنا نہ چاہتی تھیں۔
(3) کانگریس پارٹی کے دولخت ہونے پر لوک سبھا میں ان کی جماعت
اکثریت حاصل نہ رہی تھی۔

یہ تجویز معرض التوا میں پڑی رہی۔ روس میں بھارت کے سابق سفیر ڈی پی دھر کو
کی تجدید کے سلسلے میں ماسکو بھیجا گیا۔ معاہدے کے سلسلے میں اس کی بات چیت اور ہر
راز میں رکھا گیا۔ معاہدے کی شرائط طے کرنے کیلئے خفیہ کوڈ پر مشتمل برقیوں کے تبا
بجائے نئی دلی اور ماسکو کے مابین پیغامبروں کی آمدورفت ہوئی۔ مسز گاندھی نے اپ
مثلاً جگ جیون رام اور چون تک کو ماسکو میں معاہدے کی شرائط طے ہو جانے کے بعد
لیا۔ معاہدے کے متعلق کابینہ کو بھی اگست 1971ء کو مطلع کیا گیا اس وقت تک خبر رسا
نے خبر نشر کر دی تھی۔

معاہدے کا فوری نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ روس نے جواب تک اسلحہ کی ترسیل کے سلسلے میں
کر رہا تھا' اسلحہ خانے کے دروازے کھول دیئے اور بھارت بھاری ساز و سامان حاصل
کامیاب ہو گیا بلکہ روس نے غیر جانبداری کا رویہ ترک کر کے بھارت کی کھلی حمایت
دی۔

گاندھی کی جب نکسن سے ملاقات ہوئی' تو انہوں نے امریکہ کو پاکستان کی سلامتی کے
زیادہ فکر مند پایا۔ انہی ایام میں بھٹو پیکنگ گئے تھے۔ کہتے ہیں چین کے دورے سے
ہوں نے راولپنڈی کو یقین دہانی کرائی۔ اگر بھارت سے جنگ چھڑی تو مشرقی پاکستان
راہ راست مداخلت کرے گا۔

کے پندرہ دن بعد چواین لائی نے پریس کانفرنس میں کہا ''اگر بھارت نے جنگ
لیا اس سے اسے کوئی فائدہ پہنچے گا اور کیا مسئلہ حل ہو جائے گا؟ بھارت کی تخریب کاری اور
رمیوں کے خلاف ہم ثابت قدمی کے ساتھ پاکستان کی حمایت کرتے ہیں۔ آخرکار
نے کئے کا خمیازہ بھگتنا ہوگا اور اس کے بعد برصغیر میں امن و امان نہ رہے گا''۔
عد خلاف ورزیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ پاک فوج کے خلاف مکتی باہنی کی سرگرمیاں
شیدگی شدت اختیار کر گئی۔ نومبر کے تیسرے ہفتے میں امریکہ نے بھارت کو اطلاع دی
بنگال کے اعلیٰ قائدین سے اس یقین دہانی پر یحییٰ کو مذاکرات کا آغاز کرنے کیلئے کہہ دیا
یٰ نے مجیب کے ساتھ بات چیت کرنے سے انکار کر دیا تھا) اگر سیاسی تصفیہ ممکن نظر آیا
قطہ نظر بھی معلوم کر لیا جائے گا۔ سمجھوتے کے بعد مجیب کی رہائی عمل میں آجائے گی' مگر
ں سے بات چیت یا سیاسی حل تلاش کرنے کے بجائے یحییٰ نے اس وقت تک عوامی
رزمین چلے جانے والے نمائندوں کی خالی نشستیں پر کرنے کیلئے قومی اسمبلی کے ضمنی
رالئے تھے۔ اس سے نئی دلی اور واشنگٹن کے درمیان بے اعتباری کی خلیج مزید وسیع ہو

نومبر کو یحییٰ نے ایک امریکی جریدے کو بتایا کہ جنگ چھڑنے والی ہے۔ ۲۴ نومبر کو
ہنگامی صورت حال کا اعلان کیا گیا اور 25 نومبر کو چینی وفد کی ضیافت کی تقریب میں
رکرتے ہوئے یحییٰ نے کہا ہو سکتا ہے آئندہ دس دن میں میں جنگ لڑ رہا ہوں۔ اگر

اس عورت کا خیال ہے کہ وہ مجھے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے گی' تو "ایں خیال است ومحا
جنون"۔ غالباً بھارت یحییٰ کیلئے جال بچھا رہا تھا۔ وہ اس میں پھنستا چلا گیا۔ اگر یحییٰ (م
جنگ نہ چھیڑتا' تو بھارت مشرقی بنگال میں چند میل تک گھسنے کے علاوہ اور کچھ نہ ر
ڈھاکے تک پہنچنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔

بھارت نے پندرہ یوم میں مشرقی پاکستان پر قبضے کے منصوبے پر عملدرآمد شرو
بائیس سال پیشتر لیاقت نہرو معاہدے سے پہلے یہ منصوبہ تیار کیا گیا تھا جس میں بعد
کے مطابق ردوبدل ہوتا رہا۔ جہاں تک مغربی پاکستان کا تعلق ہے اگر بھارت کے اخ
تو یہاں کوئی کارروائی نہ کی جاتی۔ جیسا کہ 1965ء کی جنگ میں مشرقی محاذ پر کوئی کار
تھی۔

بھارت نے اپنا آرمر (بکتر بند فوج) ریزرو میں رکھا ہوا تھا اسی لئے پاکستا
جنگ میں جھونکنے میں پس وپیش تھا۔ حملہ آور فوج کیلئے یہ حکمت عملی موزوں نہ تھی۔ یہ
1971ء کی جنگ میں 1965ء کی سیالکوٹ اور کھیم کرن کی سی ٹینکوں کی لڑائی نہ ہوئی۔

جنگ سے پہلے' ابتدا میں پاکستان کا خیال تھا پناہ گیروں کی بحالی کو عذر بنا کر بھ
علاقے پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ نئی دلی نے ایک بار ایسی منصوبہ سازی کی بھی تھی۔ سور
ممالک کے دوسرے کے دوران مستقل حل کی دریافت تک اقوام متحدہ کی نگرانی میں
بحالی کیلئے سرحد کے ساتھ ساتھ پچاس میل کی پٹی بنانے کی طرف اشارہ کیا تھا' مگر
اور امریکہ کو منظور نہ تھی۔ ظاہر ہے پاکستان اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ بھارت
کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ مشرقی پاکستان میں پاک فوج کے کمانڈر جنرل نیازی
انٹیروگیشن (تفتیش) کے دوران بتایا میرا خیال تھا' بھارت بھرپور حملہ نہ کرے گا'
حکومت کے قیام کیلئے بڑے ٹکڑے پر قابض ہو جائے گا۔ ابتدا میں صف بندی اسی
نظر رکھتے ہوئے کی گئی تھی کہ لڑائی' سرحد کے قریب لڑی جائے گی' مگر جب بھارت
جیسور شہر کو ایک طرف چھوڑ کر ڈھاکے کی طرف دوڑنے لگی' تب پاکستان کو احسا
نے پہلا منصوبہ ترک کر دیا ہے' اس وقت جنگی حکمت عملی میں تبدیلی کرنا ممکن نہ رہا تھ
اگرچہ بھارت نے ڈھاکہ کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا تھا' تاہم یوں

بہت زیادہ وقت صرف ہو رہا ہو۔ پاک فوج کی اکثریت ہتھیار نہ ڈال رہی تھی اور ایسا محسوس
تھا جیسے وہ ڈھاکہ کے گرد آخری معرکے کیلئے سوچی سمجھی پسپائی اختیار کر رہی ہو۔ کارروائی کی
کے سلسلے میں بھارتی افواج کی سست رفتاری پر ماسکو کو گہری تشویش تھی۔ وہ یہ نہ چاہتا تھا کہ
بھارت کیلئے دوسرا ویت نام بن جائے۔ روس کا فرسٹ ڈپٹی منسٹر (اول نائب وزیر خارجہ)
کزنٹ زوف بھاگم بھاگ دلی پہنچا۔ دلی پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ اب تین چار روز کی اور
ہے' کیونکہ بنگالی آبادی کی مخالفت کے باعث پاک افواج شدید مشکلات سے دوچار ہو کر
ہار رہی ہیں۔

8 دسمبر کو پاکستان نے اسلحہ اور گولی بارود کی سپلائی کیلئے امریکہ سے خصوصی رابطہ قائم کیا۔
ن نے اس درخواست پر سنجیدگی سے غور کیا اور بھارت کی ناکہ بندی کے باعث اسلحہ کی ترسیل
طریق کار کے بارے میں سوچا۔ بھارت کو واشنگٹن میں اپنے سفارت خانے کے ذریعے پتہ
نکسن 1964ء کے پاک' امریکی باہمی سلامتی کے معاہدے کو بروئے کار لا کر امداد کی فراہمی
تعلق سوچ رہے ہیں۔ 12 دسمبر کو ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے مسز گاندھی نے
یکہ کو متنبہ کیا۔

"میں نے سنا ہے بعض ممالک ہمیں دھمکی دینے کی کوشش کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ
تان کے ساتھ انہوں نے معاہدے کر رکھے ہیں" پہلے بھارت کو وارننگ دی اور پھر نیوکلیر
ت کے حامل طیارہ بردار بحری جہاز انٹرپرائز کی سرکردگی ساتویں بیڑے کو خلیج بنگال میں پہنچنے کا
دیا یہ خبر ماسکو کے توسط سے موصول ہوئی جس کی تصدیق فوراً ہی واشنگٹن میں موجود بھارتی
رت خانے نے کر دی۔ امریکی بحریہ کے افسر نے بھارتی سفارت خانے کے ایک افسر سے
تگو کے دوران غیر ارادی طور پر یہ بات بتا دی تھی۔ شروع میں کہا گیا کہ یہ بیڑہ مشرقی پاکستان
تین سو امریکیوں کو نکالنے کیلئے آ رہا ہے اور پھر یہ افواہ پھیلی کہ پاک افواج کو لے جایا جائے
۔

امریکی بحری بیڑے کی نقل وحرکت کی جونہی اطلاع ملی' مسز گاندھی' ڈی پی دھر اور بھارتی
وز چیفس سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ کیا یہ پاک فوج کو لے جانے کیلئے آ رہا ہے؟ کیا امریکہ فی
نیقت مداخلت کی خواہش رکھتا ہے؟ کیا واشنگٹن عظیم تر جنگ شروع کرنا چاہتا ہے؟

یہ اوراسی طرح کے کئی دیگر امکانات ایک ایک کر کے زیر غور آئے اور قابل قبول نہ پا
گئے۔ آخر یہی فیصلہ ہوا کہ اس بیڑے کو نظر انداز کر دیا جائے۔ دھر کو روسی قائدین سے مل
مشورہ کیلئے ماسکو بھیجا گیا۔ انہوں نے ہر طرح کی امداد کا وعدہ کیا اور یہاں تک یقین دہانی کر
کہ اگر چین نے مداخلت کی، تو روس سنکیانگ پر حملہ کر دے گا۔ اگرچہ بھارت نے ساتویں بیڑ
کو نظرانداز کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا، مگر روس اس پر کڑی نظر رکھے تھا۔ روس نے نیوکلیر سب مر
وار میزائل بردار بحری جہاز ولاڈی واسٹک سے نکال کر امریکی بحری بیڑے کے تعاقب میں
دیئے تھے۔ بھارت، بھارت، روس معاہدے کی شق 9 کو بروئے کار لے آیا تھا جس کے مط
طرفین کو حملے یا اس کے خدشے کی صورت میں خطرے سے نمٹنے کیلئے فی الفور صلاح مشور
تھا۔ سقوط ڈھاکہ کے وقت امریکی بیڑہ تین گھنٹے کی مسافت پر تھا۔

سلامتی کونسل میں کارروائی ناممکن بنادی گئی، تو امریکہ یہ مسئلہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبل
لے گیا۔ یہاں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں بھارت اور پاکستان کو فوراً جنگ بند کر
اپنے اپنے علاقوں میں فوجیں واپس لے جانے کیلئے کہا گیا۔ اس قرارداد کی ایک سو چار ارکا
حمایت کی اور گیارہ افراد نے مخالفت کی، جبکہ دس ارکان نے رائے شماری میں حصہ نہ لیا۔ اقوا
کا موڈ دیکھنے پر مسز گاندھی نے سورن سنگھ کو نیویارک بھیج دیا۔

بھارت کے خلاف اتنی بھاری اکثریت کو صف آرا دیکھتے ہوئے سورن سنگھ نے پس
سے کام لیا۔ وہ مفوضہ کام کو ناممکن سمجھتا تھا اور اس کا خیال تھا ناممکن کے حصول میں ناکامی پر
ہدف تنقید نہ بن جائے۔ پاکستان کے نائب وزیراعظم اور وزیر خارجہ بھٹو 10 دسمبر کو نیویارک
اور فرمان علی کی ہتھیار ڈالنے کی پیشکش بھی انہی دنوں اقوام متحدہ کے صدر دفتر میں موصول
اسے یحییٰ کی منظوری حاصل تھی، مگر جب بھٹو نے صدر کو مطلع کیا کہ امریکہ کا ساتواں بحری بیڑہ
مداخلت کرے گا، تو انہوں نے یہ پیش کش منسوخ کر دی۔ یہاں تک بھی ہوا کہ نیازی کے ہتھیا
ڈالنے سے ایک روز پہلے 14 دسمبر کو بھٹو نے یحییٰ کو برقیہ ارسال کیا کہ ڈٹے رہو، کیونکہ امریکہ
مداخلت کرنے ہی والا ہے۔

مشرقی پاکستان میں متعین پاک فوج کو ایک عرصے سے بیرونی مداخلت کی توقع تھی۔
الحقیقت جب بھارت کے پیراٹروپرز (پیراشوٹ کے ذریعے اتارے گئے فوجی) ڈھاکہ

ایک مقام پر اترے، تو بہت سے فوجی انہیں امداد کو آئے چینی سمجھ کر خوش آمدید کہنے کیلئے اپنے
وں سے نکل آئے۔ سرنڈر ہوا، تو بھارت نے سکھ کا سانس لیا، کیونکہ اسی روز صبح کے وقت
سنگھ نے نیویارک سے ٹیلی فون پر اطلاع دی تھی کہ اقوام متحدہ میں پیش کی جانے والی ایک
اد کو غیر موثر بنانا ہوگا جس میں بھارت کو جارح قرار دے کر اس کے خلاف سزا بھی تجویز

روسی وفد نے بھی سورن سنگھ پر دباؤ ڈالا تھا کہ وہ بھارت سے کارروائی جلد از جلد نمٹانے
کہے۔

مجھے راولپنڈی میں پتا چلا کہ سرنڈر سے تین دن پہلے یہ معلوم کرنے کیلئے کہ امریکہ مداخلت
ے گا، نیازی اور فرمان علی ڈھاکہ کے امریکی قونصل خانے گئے تھے۔ انہیں جب بتایا گیا کہ
یکہ کی مداخلت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا، تو انہوں نے پہلی جنگ بندی اور پھر غیر مشروط
ری پیشکش کی۔ نیازی نے بعد میں جنرل جیکب کو بتایا کہ جب چاندپور دشمن کے قبضے میں گیا،
وں نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ جیکب کا کہنا ہے نیازی کی نسبت فرمان علی سرنڈر کیلئے
ہ پرجوش تھے۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد بھارت نے مغربی محاذ پر یک طرفہ جنگ بندی کی تجویز پیش کی۔
یکہ نے اب یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اگر ساتواں بحری بیڑہ نہ ہوتا، تو بھارت، مغربی پاکستان
دور تک گھس جاتا۔ اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے کے دوسرے بڑے افسر سوبر نے
بتایا کہ بھارت کے چند اعلیٰ سرکاری افسروں نے امریکہ کو مطلع کیا تھا کہ نئی دہلی کا ارادہ
تان کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا ہے۔ ان افسروں کے بارے میں یہ کون تھے کچھ نہ بتایا گیا۔

یحییٰ نے وضاحت پیش کرتے ہوئے دعویٰ کیا تھا میری اسٹریٹجی (حکمت عملی) میں کوئی
لی نہ تھی مشرقی پاکستان میں خواہ کتنی ہی افواج کیوں نہ تعینات کر دی جائیں، اس علاقے کا
ع فقط اس صورت میں ممکن تھا اگر بڑی طاقتیں پاکستان کے حق میں مداخلت کرتیں۔ مغربی
ستان میں بھارت اتنی پیش قدمی نہ کر پایا جتنی دنیا بھر کے فوجی مبصرین کا خیال تھا۔ 1971ء کی
ے کی نسبت 1965ء کی جنگ میں بھارت نے آزاد کشمیر اور پنجاب میں زیادہ پیش قدمی کی
تھا۔

نیازی نے بھارتی قید میں انٹیروگیشن کے دوران بتایا کہ ان کے نزدیک بھارت کے پاس تین طریق کار تھے۔

(1) اگر وہ سرحد سے ملحقہ کسی علاقے پر قبضہ کرنے کی تلاش میں تھا تو فوجی کارروائی ضلع جیسور میں کرتا۔

(2) اگر اسے چین کی مداخلت کا خدشہ تھا' تو وہ شمال سے حملہ آور ہوتا۔

(3) ڈھاکہ کی جانب مشرقی سمت سے بڑھتا۔

نیازی کے مطابق ان کے پاس توپ خانے کی شدید قلت تھی۔ علاوہ ازیں انہوں نے راولپنڈی کو ایک ڈویژن فوج بھیجنے کیلئے کہا تھا' مگر راولپنڈی نے معذرت کرتے ہوئے مقامی محاذ کھولنے سے پہلے انہیں کوئی اطلاع نہ دی گئی۔ فی الحقیقت انہوں نے اپنی حکومت کو بھرپور جنگ چھیڑنے کا مشورہ دیا تھا' کیونکہ اس صوررت میں بھارت کے بھرپور حملے کا مقابلہ کرنے کیلئے ان کے پاس ذرائع نہ تھے۔ ان سے دریافت کیا گیا' آیا منصوبہ بندی کے دوران آپ نے یہ امر پیش نظر رکھا تھا کہ آپ کا رشتہ مغربی پاکستان سے کاملاً منقطع ہو جائے گا' تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا' مگر یہ بھی کہا جنرل حمیدؒ نے انہیں بتایا تھا کہ تم اکیلے نہ رہو گے کچھ اور بھی وقوع پذیر ہوگا۔

فرمان علی نے جب گورنر مالک کے کہنے پر اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل سے جنگ بندی کی اپیل کی' تو نیازی ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ تھے نیازی نے بتایا وہ آخری گولی اور آخری آدمی تک لڑنے کیلئے تیار تھے اور ڈھاکہ کے دفاع کیلئے انہوں نے اس نوع کے احکامات بھی جاری کر دیے تھے' تاہم یحییٰ کے نام اپنی رپورٹ میں انہوں نے فوجی صورتحال کی وضاحت مغربی پاکستان کو فائدہ ہو تو ہم آخری لمحے تک لڑنے کو تیار ہیں۔ بصورت دیگر مزید خون بہانا مناسب نہیں۔ ان کے مطابق یحییٰ نے کہا تھا کہ مشرق میں مزاحمت جاری رکھنے سے مغربی پاکستان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا اور اس لئے یحییٰ نے سرنڈر پر بات چیت کی اجازت دے دی تھی۔ قید کے دوران تحریر کردہ رپورٹ میں نیازی نے تمام تر ذمہ داری یحییٰ پر ڈالی ہے اور ٹکا خاں کے ظلم وستم کی تصدیق کی ہے۔

بھارتی افسروں کے مطابق نیازی کو فرمان علی اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹرز کی کارروائیوں سے آگاہ نہ رکھا گیا تھا۔ ان کے اپنے چیف آف اسٹاف اور ڈویژنل کمانڈروں نے بھی انہیں تا

میں رکھا تھا۔ ان افسران کے مطابق نیازی ایسا بے تخیل سپاہی UN IMAGINATIVE ہے جو زندگی کی مسرتوں سے پیار کرتا ہے۔ وہ ضرورت سے زیادہ ذہین (OVER INTELLIGENT) نہیں اور اپنے علاقے کی صورت حال پر اس کی پوری پوری گرفت دکھائی نہ دیتی تھی۔ فرمان علی کے متعلق ان افسران کا کہنا ہے کہ وہ تربیت یافتہ ذہین اور بڑی تیز یاداشت کے مالک ہیں۔ وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے لشکریوں کے درمیان کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ پاکستان لوٹنے پر دوسرے جرنیل انہیں اعتماد میں نہ لیں گے۔ وردی میں ان کے دن گزر چکے اور ان کے بقایا ایام غالباً میز پر گزریں گے۔

یحییٰ کو یقین ہو گیا کہ اب الگ ہونا ہی بہتر ہے۔ انہوں نے بھٹو کو اقوام متحدہ سے فوراً لوٹ آنے کیلئے تار دیا 20 دسمبر 1971ء کو زمام اقتدار بھٹو کے حوالے کرنے سے پیشتر انہوں نے بھٹو سے پوچھا آیا پچھلی تاریخ میں مجیب کے قتل کے احکامات جاری کر کے ان پر عملدرآمد کرا دیا جائے۔ بھٹو نے کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا۔ انہوں نے یہ تجویز مسترد کر دی۔ یہ بات مجھے ڈھاکہ میں مجیب نے بتائی اور کہا میں بھٹو کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری جان بچائی۔

20 دسمبر 1972ء کو بطور صدر پاکستان حلف اٹھاتے ہی بھٹو نے سب سے پہلے مجیب سے رابطہ قائم کیا وہ یہ جاننا چاہتے تھے آیا اس علاقے میں مغربی پاکستان کے مابین کوئی رشتہ اتحاد قائم رہ سکتا ہے خواہ وہ کتنا ہی ڈھیلا کیوں نہ ہو۔ اس مقصد کیلئے مجیب کو ہیلی کاپٹر کے ذریعے جیل سے راولپنڈی کے قریب کسی ڈاک بنگلے میں لایا گیا۔ مجیب نے اپنی رہائی کا قصہ یوں سنایا۔

> مجھے اپنے خداترس جیلر سے معلوم ہو چکا تھا کہ بنگلہ دیش آزاد ہو گیا ہے چنانچہ جب مجھے جیل سے نکالا گیا' تو مجھے شبہ ہوا کہ مجھے لے جانے کا مقصد مذاکرات ہی ہوگا۔ میں نے فیصلہ کیا میں بنگلہ دیش کی آزادی کے بارے میں لاعلمی ظاہر کروں گا۔ ڈاک بنگلے پہنچنے کے دو دن بعد بھٹو وہاں پہنچے۔ میں نے دریافت کیا ''بھٹو تم یہاں کیسے؟'' وہ بولے ''میں پاکستان کا صدر ہوں'' --- ''تم۔ بھٹو تم صدر پاکستان! اس عہدے پر تو میرا حق ہے تمہیں معلوم ہے مجھے پاکستان کی قومی اسمبلی میں اکثریت حاصل ہے......'' گویا مجھے ڈرانے کیلئے انہوں نے بتایا میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی ہوں میں آپ کے ساتھ بات چیت کرنے آیا ہوں اس پر میں نے جواب دیا ''میں کوئی گفتگو نہ کروں گا جب تک آپ یہ نہیں کہتے کہ

میں آزاد ہوں'' بھٹو بولے ''ٹھیک ہے' آپ آزاد ہیں'' اس کے بعد ہم بات چیت کی۔ انہوں نے جو کچھ ہوا اس کی تمام تر ذمہ داری یحیٰی پر ڈالی۔ گو میں جانتا تھا کہ ہر کارروائی کے پیچھے بھٹو بذات خود موجود تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ شرقی بازو اپنی راہ پکڑے تا کہ وہ باقی ماندہ پاکستان کے صدر بن جائیں۔ بھٹو سیدھے بر سر مطلب آئے وہ اس امر پر میری رضامندی چاہتے تھے کہ پاکستان اور بنگلہ دیش دونوں مل کر امور خارجہ دفاع اور مواصلات کا انتظام چلائیں میں بولا ایسا ممکن نہ ہوگا مگر وہ مصر ہوئے تو میں نے انہیں بتایا اپنے لوگوں کے ساتھ مشورہ کئے بغیر کوئی فیصلہ کرنا میرے لئے مشکل ہوگا اس کے بعد ہماری ایک اور ملاقات ہوئی' آخری ملاقات' اس بار انہوں نے اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے مجھے پوری پوری کوشش کرنے کیلئے کہا میں نے جواب دیا دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

اس سے پہلے میری بھٹو سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس بارے میں ان کی روایت مختلف ہے۔ ملاحظہ ہو۔

23 دسمبر کو جب ہماری پہلی ملاقات ہوئی تو مجیب نے قرآن شریف اٹھالیا اور کہنے لگے میں ایک اچھا مسلمان ہوں میری اب بھی خواہش ہے کہ دونوں علاقوں میں مرکز کے پاس امور خارجہ' دفاع اور کرنسی یہ تین امور ہوں 27 دسمبر کو جب ہماری دوبارہ ملاقات ہوئی تو وہ بہت مبہم تھے۔ انہوں نے کہا میں یہ نہیں جانتا کہ کتنے اور کون سے امور مرکز کے سپرد کئے جائیں گے مگر میں باہمی رشتہ اتحاد قائم رکھنے کا یقیناً خواہاں ہوں مجھے یقین نہ آ رہا تھا۔ میں نے انہیں جواب دیا آپ یہ بات یہاں کہہ رہے ہیں اور میں آپ کے الفاظ پر یقین کرتا ہوں لیکن آپ وہاں جائیں گے' فضا کا جائزہ لیں گے اور اپنے اردگرد مسلح لوگوں کو پائیں گے تو موت کے منہ میں سے نکل جانے کے بعد آپ ایسا نہ کر پائیں گے' تاہم اگر آپ برائے نام رشتہ بھی قائم رکھیں تو مجھے اطمینان حاصل ہوگا۔ انہوں نے تاکیداً کہا ''نہیں نہیں میں لیڈر ہوں ٹھیک کردوں گا۔''

میں نے مجیب کو جب بھٹو کا بیان کردہ واقعہ سنایا بالخصوص امور کے مشترکہ کنٹرول ا
پاک پر حلف اٹھانے والی بات تو مجیب کہنے لگے بھٹو تو جھوٹا ہے میں شکر گزار ہوں کہ اس نے
جان بچائی مگر اس سے اسے یہ استحقاق تو حاصل نہیں ہوتا کہ وہ میرے متعلق جھوٹی باتیں بھ

1973ء میں میں نے اس سلسلے میں بھٹو سے دوبارہ گفتگو کی تو وہ اپنے بیان پر قائم رہے۔
افواہیں سننے میں آئیں کہ بھٹو نے ساری گفتگو ٹیپ کرا لی تھی۔ ان دونوں روایتوں میں اتنا ہی
لاف ہے جتنا دونوں راویوں کی شخصیتوں میں۔

8 جنوری 1972ء کو مجیب کی غیر مشروط رہائی عمل میں آئی کہا جاتا ہے مجیب بھٹو ملاقات کے
بھٹو کے کمال سے مذاکرات جاری رہے (ڈاکٹر کمال حسین بعد میں بنگلہ دیش کا وزیر خارجہ بنا)
پاکستان اور بنگلہ دیش کے مابین رشتہ اتحاد کے بارے میں ڈاکٹر کمال مجیب کیلئے پیغام لے گیا'
ن جب میں نے ڈھاکہ میں مجیب سے اس موضوع پر گفتگو کی' تو انہوں نے اس کی تردید کی
ب (جس کے متعلق بھٹو نے مجھ سے کہا تھا وہ بلبل جسے میں نے خواہ مخواہ آزاد کر دیا) کی رہائی
ے بھٹو کا مقصد دنیا کی نگاہوں میں پاکستان کا وقار بحال کرنا تھا۔ جب بھٹو کی طرف سے اسلامی
براہی کانفرنس کا منصوبہ بنایا گیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ پاکستان کے 90 ہزار قیدیوں کی بھارت
موجودگی اور شیخ مجیب الرحمٰن کے جذبات بیانات کے بعد کیا-- اس کانفرنس میں بنگلہ دیش کی
ثیت سے ''مشرقی پاکستان'' کی شرکت گوارا کی جائے گی-- پاکستانی دفتر خارجہ نے اس سوال کا
اب ''ناں'' کی صورت میں دیا اور کہا گیا کہ ایک سیکولر ملک ہونے کی حیثیت سے بنگلہ دیش اس
انفرنس میں شرکت کا مجاز نہیں-- اس کے ساتھ ہی بنگلہ دیش کو تسلیم کروانے کی سرتوڑ کوششوں کا
غاز بھی ہوگیا-- اے ایچ ایم قمر الزمان عوامی لیگ کے صدر اور کل پاکستان عوامی لیگ کے سابق
کرٹری نے کراچی کے ہوائی اڈے پر 8 گھنٹے گزارے-- جنوری 74ء میں کیول سنگھ اور فروری
ں سورن سنگھ ڈھاکہ پہنچے تو انہیں بتایا گیا۔ اگر پاکستان نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرلیا تو وہ کانفرنس میں
ریک ہوگا-- اس کے فوراً بعد مسٹر بھٹو کا بیان آ گیا کہ وہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرلیں گے لیکن انہیں
یقین دہانی کروائی جائے کہ پاکستانی فوج کے جن افسران پر مقدمات قائم کئے گئے ہیں وہ واپس
لے لئے جائیں گے۔

سورن سنگھ کو یہ بھی بتایا گیا اسلامی سیکرٹریٹ کے سیکرٹری جنرل بنگلہ دیش کو اس بات کی
ترغیب دلانے میں ناکام رہے کہ وہ اسلامی اخوت کے جذبے کے تحت پاکستان سے مصالحت کر
لے بنگلہ دیش نے سورن سنگھ کو وزیر خارجہ کمال حسین کے دورہ لیبیا سے آگاہ نہ کیا جہاں اس کی عزیز
مر سے ملاقات ہوئی تھی اسی طرح بھارت کو کمال حسین کے دورہ شرق اردن کے بارے میں بھی

کبھی مطلع نہ کیا گیا جہاں کے شاہ بھٹو کے قریب تھے۔ کمال حسین عراق بھی گئے تھے یہ
اہمیت کی حامل ہے مولانا بھاشانی نے یہ بیان جاری کیا کہ بنگلہ دیش اسلامی کانفرنس م
شرکت کرے۔ یہ بیان ڈھاکے کے اخبارات میں صفحہ اول پر شائع کیا گیا۔ یہ بیان جا
جانے سے پہلے دو وزیروں مطیع الرحمٰن اور عبدالمومنی تعلقدار نے مولانا بھاشانی سے ملاقا
چنانچہ کویت کے وزیر خارجہ کی سرکردگی میں جب اسلامی کانفرنس کا مشن ڈھاکے پہنچ
مشکلات دور ہو چکی تھیں۔ یہ امر تعجب خیز ہے کہ تسلیم کئے جانے کے اعلان سے چند گھنٹے
حسین نے بھارتی ہائی کمشنر ایس دت کو بتایا کہ شیخ مجیب اپنی بات پر قائم ہیں بعد میں شیخ م
مسز گاندھی کو اسلامی کانفرنس میں شرکت کے فیصلے سے ٹیلی فون پر مطلع کیا -- شیخ مجیب
روانگی سے قبل مسز گاندھی کو شیخ مجیب کا خط ملا جس میں علاوہ اور باتوں کے یہ یقین دہانی
تھی کہ وہ پاکستان کے ساتھ دوطرفہ مذاکرات نہ کریں گے۔ شیخ مجیب نے اپنی کابینہ کو بھی
اعتماد میں لیا -- کہا جاتا ہے بعض وزرا نے اس پر احتجاج کیا تھا ان میں سے ایک نے
خارجہ کو مورد الزام ٹھہرایا تو شیخ مجیب نے کہا کمال صاحب فقط وزیر مملکت ہے امور
بارے میں تمام فیصلے میں خود کرتا ہوں۔ دو سینئر وزراء نے یہ کہتے ہوئے کہ بنگلہ دیش
ہے۔ اسلامی کانفرنس میں شرکت کے فیصلے پر نکتہ چینی کی لیکن انہیں اصل اعتراض یہ تھا ک
کو باخبر کیوں نہ رکھا گیا۔ انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ لاہور جاتے ہوئے یا واپسی پر د
غالباً ان کی دلجوئی کی غرض سے شیخ مجیب نے بھارتی ہائی کمشنر مقیم ڈھاکہ سے خصوصی گزا
ان کی مسز گاندھی کے نام چٹھی فی الفور بھجوا دی جائے۔ انہوں نے وزرا سے یہ بھی کہا ک
کے کسی معاملے پر بات چیت نہ کریں گے لیکن وہ دلی نہ رکے لاہور سے ڈھاکہ واپسی
شیخ مجیب الرحمٰن کا انٹرویو لیا تو انہوں نے پاکستان کے متعلق بڑی شفقت کا اظہار کیا اور
وسط میں اپنے انٹرویو سے بالکل الگ رائے ظاہر کی انہوں نے مسٹر بھٹو کی تعریف کر
کہا -- میں ان کے خلوص سے بے حد متاثر ہوں وہ اپنے شاندار استقبال اور پاکستانی قو
پناہ خلوص کے گن گاتے رہے۔ میں نے انہیں بنگلہ دیش میں پاکستانی فوج کے مظالم یا
انہوں نے کہا میں ان واقعات کو اب بھلا دینا چاہتا ہوں -- میں چاہتا ہوں میرے عوا
فراموش کر دیں -- ہمیں نئے سرے سے تعلقات کا آغاز کرنا ہوگا -- تھوڑی دیر خا

نے کے بعد انہوں نے میری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا انہیں علم ہے عوام کا حافظہ تو
کمزور ہوتا ہے -- 22 فروری 74 کو بنگلہ دیش تسلیم کئے جانے کے بعد 9 اپریل کے سہ فریقی
ے کے نتیجے میں 195 جنگی قیدی رہا کر دیئے گئے -- یہ معاہدہ پاکستان بھارت اور بنگلہ
کے وزراء خارجہ کے درمیان طے پایا تھا۔ اجلاس کی فضا اتنی خوشگوار تھی کہ بھارت اور
ان کے نمائندے ایک دوسرے سے شملہ معاہدے کی دیگر شقوں پر جلد از جلد عمل درآمد کی
کرتے رہے -- 18 مئی 74 کو جب بھارت نے ایٹمی دھماکہ کیا تو بھٹو طیش میں آ گئے۔
نے کہا ہم گھاس کھائیں گے لیکن ایٹم بم بنا کر ہی دم لیں گے انہوں نے ایشو پر بھارت کو
ی دنیا کے سامنے ننگا کرنا شروع کر دیا -- اس سلسلے میں پاکستان کو اپنے دیرینہ دوست چین
ہت سے مغربی ممالک کی حمایت حاصل تھی -- جب فضا میں موجود گرد بیٹھ گئی تو بھٹو اچانک
کہ جا پہنچے جہاں عوام نے انکا والہانہ استقبال کیا۔ ایسا استقبال ہر کسی کو بنگلہ دیش کی زمین پر
ب نہیں ہوا۔ بنگلہ دیش کے عوام کو یاد آ گیا کہ بھٹو نے انہیں طوفان کے دوران مفت چاول کی
ئی کی تھی۔ بھٹو نے کہا تھا کہ دونوں ممالک کے عوام مسلمان ہیں۔ ان کے درمیان ایسا مضبوط
قائم ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت توڑ نہیں سکتی اور دونوں نے مل کر ہندو کے خلاف جدوجہد کی
۔ بنگلہ دیش کے عوام کو اس وقت شدید مایوسی کا سامنا ہوا جب مسٹر بھٹو نے اثاثوں کی تقسیم کے
لے پر سنجیدگی سے گفتگو کرنے سے پہلو تہی کی۔

عام خیال یہ تھا کہ راولپنڈی بنگلہ دیش کے تین ارب پونڈ مالیت کے دعووں میں سے خاصی
سلیم کرلے گا۔ انہوں نے بھٹو کے ساتھیوں کو بنگلہ دیش کو ڈیم فول کہتے سنا تو فضا بدل گئی جن
لانے بھٹو کو بھارتی صدر وی وی گری سے بھی زیادہ والہانہ استقبال کیا تھا انہی نے اعتراض کیا
شہید مینار پر بھٹو پولو کیپ پہن کر کیوں گئے تھے -- مجیب نے ضیافت میں اپنی تقریر کے دوران
ہ کر کہ یہ بہتر ہوتا اگر بھٹو اردو کے بجائے پشتو یا بلوچی میں تقریر کرتے -- بھٹو کی بے عزتی کی
لکے میں ناکامی پر بھٹو کے اندر جھلاہٹ پیدا ہو گئی اور ان کا رویہ اس شخص کا سا ہو گیا جو ہر وقت
میں تلوار لئے رہتا ہے -- وہ یہ تلوار کبھی اسے دکھاتے تھے کبھی اسے کبھی بھارت کو اور کبھی
ستان میں حزب اختلاف کو۔

مارچ 1972ء میں، میں پاکستان کے شہر اور اپنی جنم بھومی سیالکوٹ میں تھا۔ میں پچیس سال

پہلے ریفیوجی ٹرک میں بیٹھ کر سیالکوٹ سے نکلا تھا مگر پچیس سال بعد میں صدر کے
حیثیت سے سرکاری کار میں سیالکوٹ پہنچا۔ یہ شہر کچھ زیادہ نہیں بدلا لڑکے بالے اب بھی
سے ٹیش لگائے تماشائے اہل دنیا دیکھتے ہیں بالکل میری طرح میں بھی گھنٹوں یوں ہی کیا
اسکول جس میں میں پڑھتا تھا اب لڑکیوں کا سکول بن گیا ہے کالج جوں کا توں ہے سارا
گیا مگر وہ برسوں پہلے لنگڑاتا چپراسی اب بھی کالج میں کام کرتا ہے بھارتی فضائیہ نے
اسٹیشن کو بہت نقصان پہنچایا میں اپنا گھر دیکھنے گیا اس میں کوئی تبدیلی نظر نہ آئی۔ اب
کے کوئی مہاجر آباد ہیں مجھے گھر کے اندر داخل ہونے کی شدید خواہش نے آن لیا' مگر
پرائیویسی کا احساس کر کے میں باز رہا۔ ہمارے گھر کے پیچھے ایک مسلمان بزرگ کا مزا
جمعرات کو ہم یہاں پھول چڑھاتے اور چراغ روشن کرتے تھے۔ اب یہ کسمپرسی کے عالم
کوئی میری جان نہ پہچان یکا یک ایک بوڑھے آدمی نے مجھے روک لیا۔ وہ کہنے لگا تم
فلاں ہو اور میرے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ مجھ سے بغل گیر ہو گیا اس کی آنکھوں
آنسوؤں کا ہار پہنا دیا وہ بولا۔

''تم مجھے چاچا کہا کرتے تھے تمہیں یاد ہے نا''

میری یاد دھندلا گئی تھی پچیس برس تک تو ایک مدت ہوتی ہے میں اس کی یادداشت
رہ گیا یہ سن کر کہ کوئی ہندو آیا ہے' اس وقت تک وہ بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے وہ ٹکر ٹکر
مجھے معاندانہ نہیں بلکہ متجسانہ نگاہوں سے گھور رہے تھے مجھے وہ سب اجنبی لگے۔ مجھ میں
اجنبیت کا احساس پیدا ہو گیا۔ مجھے وہ شہر اجنبی اجنبی اس لگا۔ وہ میرا شہر نہ تھا۔ شہر اینٹ
نہیں لوگوں کا مرہون منت ہوتا ہے مجھے شناسا چہرے دکھائی نہ دیئے۔ مانوس آوازیں
میں وہاں پچیس منٹ سے زیادہ نہ ٹھہر سکا باوجودیکہ میں پچیس برس تک وہ پچیس برس جو
ہوتی ہے یہاں آنے کے خواب دیکھتا رہا۔

آخری سگنل کی کہانی

مبر 78ء میں لاہور کے ماہنامہ آتش فشاں نے جنرل یحییٰ خان کا ایک طویل انٹرویو شائع
میں تفصیل سے تمام حالات پر روشنی ڈالنے کے بعد یحییٰ خان نے ڈھاکہ میں ہتھیار
ساری ذمہ داری ایسٹرن کمانڈ کے جی او سی جنرل نیازی پر ڈال دی اور کہا کہ وہ جی ایچ کیو
سے جس ہتھیار ڈالنے والے حکم کا ذکر کرتے ہیں وہ غلط ہے۔ انہیں ایسا کوئی حکم نہیں
اور ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ سراسر جنرل نیازی کا ذاتی فیصلہ تھا۔

س انٹرویو کی اشاعت کے بعد ''ٹائیگر نیازی'' کے لئے زبان کھولنا ناگزیر ہو گیا اور انہوں
انٹرویو میں اپنی پوزیشن کی وضاحت پیش کی ہے۔۔ جس میں خود کو بری الزمہ قرار دیتے
س سانحہ کا ذمہ دار جی ایچ کو بنایا ہے۔ جنرل نیازی سے اس ضمن میں لیا گیا انٹرویو ملاحظہ
گو کہ اس کی مندرجات سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا لیکن ایک نقطہ نظر کی حیثیت سے اس کا
بے چارے ٹائیگر نیازی'' کی نفسیات سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

جنرل صاحب نیازی صاحب حال ہی میں پاکستان کے سابق صدر چیف مارشل لاء
جنرل یحییٰ خان کا ایک تفصیلی انٹرویو ماہنامہ ''آتش فشاں'' لاہور کے حوالے سے تمام
ت میں شائع ہوا ہے جس میں یحییٰ خان نے مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے کی تمام تر ذمہ
پ کی ذات پر ڈالتے ہوئے کہا ہے کہ آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ ہتھیار ڈالنے کا سوال ہی پیدا
تا' لیکن بقول یحییٰ خان کے' آپ ڈر گئے اور مشرقی پاکستان میں ہماری فوج کو شکست تسلیم
دشمن کی قید میں جانا پڑا۔ کیا آپ نے وہ انٹرویو پڑھا ہے اور کیا آپ اس الزام کے جواب
کہنا چاہیں گے؟

جس ماہوار پرچے کا آپ نے ذکر کیا وہ مجھے یحییٰ خان کا فیملی گزٹ معلوم ہوا پہلے شمارے
نامہ ''آتش فشاں'' نے یحییٰ کے بھائی اور سابق پولیس افسر آغا محمد علی کا انٹرویو چھاپا
ے اور تازہ شمارے میں یحییٰ خان کا اور اب شاید علی یحییٰ کا نمبر آئے۔۔ جو دو شمارے اب تک

شائع ہو چکے ہیں' ان میں یحییٰ خاندان کے بزرگوں سے لے کر ان کے بچپن اور جوانی کی تصویریں شائع کرنے اور بے سروپا جھوٹ کو اچھالنے میں اس اخبار کو کیا فائدہ ہوا' اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے' البتہ اس غدار قوم ٹولے کے سربراہ کو جس طرح پونچھ کر اور فرشتہ بنا کر پیش کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں' ان کا قوم اور بے شمار سابق فوجی ڈٹ کر مقابلہ کریں گے جو یحییٰ خان کی حقیقت سے واقف ہیں اور قوم کا بچہ بچہ اس کی اصلیت سے آگاہ ہے لہٰذا ان پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں۔

ماہنامہ ''آتش فشاں'' نے سرورق پر میری اور جنرل اروڑہ کی تصویریں دی ہیں جن میں ہم ہتھیار ڈالنے کی دستاویز پر دستخط کر رہے ہیں۔ اس تصویر کی اس کے سوا کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ پاکستانی فوج کی تذلیل کی جائے' کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہتھیار ڈالے گئے' لیکن آج تک اس قوم کے سامنے کسی غیر جانبدار کمیشن یا عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ اس شکست کا ذمہ دار کون تھا اور ہتھیار ڈالنے کی تصویریں چھاپتے رہنا فوج اور قوم کی توہین اور اس کے زخموں پر نمک پاشی ہے یا نہیں۔

اس رسالے نے اپنے اندرونی سرورق پر قرآن حکیم کی ایک آیت کا ترجمہ شائع کیا ہے جس میں دشمن سے مل جانے والوں کی مذمت کی گئی ہے--- جناب والا! فرمان خداوندی برحق ہے کس کم بخت کو اس کی ازلی اور ابدی سچائی سے انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ تو طے کیا جائے کہ دشمن سے کون مل گیا جو ایک ہزار میل کے فاصلے پر وسائل کے بغیر ہوائی مدد کی عدم موجودگی میں خندقوں میں بیٹھے جنگ کر رہے تھے اور جن کے آگے بھی دشمن تھا اور پیچھے بھی اور جن کو اسلام آباد سے کہا جا رہا تھا کہ اب مزید لڑنا ممکن نہیں' جنگ بندی کر لو مگر وہ مصر تھے کہ خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے یا وہ ہیں جو مغربی پاکستان میں ساری فوج' ساری بحریہ ساری فضائیہ اور تمام وسائل کے ساتھ ساتھ اپنے عقب سے بالکل محفوظ اور بے پروا تھے اور پوری قوم ان کے ساتھ تھی مگر لڑنے کے بجائے ہتھیار بندی پر آمادہ ہو گئے۔ یہ فیصلہ ضرور ہونا چاہئے اور یہ فیصلہ یہاں بھی ہو گا اور اگلے جہان میں بھی جہاں ہم سب اپنے اپنے دامنوں میں وہ سب لئے کھڑے ہوں گے جو اب تک بعض لوگوں نے دلوں میں چھپا رکھا ہے اور حقیقت پر پردہ ڈال رہے ہیں۔

آتش فشاں'' نے اندرونی سرورق پر عبدالرب نشتر والا اقتباس بھی شائع کیا۔ کاش
پیچھے بھی قائداعظم ہوتے طارق بن زیاد عظیم اسلامی کمانڈر تھا لیکن کیا آپ اس امر سے
سکتے ہیں کہ اس کی پشت پر موسیٰ بن نصیر جیسا کمانڈر انچیف تھا اور محمد بن قاسم کی عظیم
ے کون منکر ہے لیکن اس کی پشت پر حجاج بن یوسف جیسے اپنے اصولوں میں سخت گیر حاکم
و بھی فراموش مت کیجئے مگر میری پیچھے کون تھا--- اس صدی کا محمد شاہ رنگیلا۔ محمد شاہ
بھی شراب و کباب میں غرق ہو کر محض یہ کہا تھا کہ ''ہنوز دہلی دور است'' جبکہ اس محمد شاہ
ثانی پاکستان پر بھارتی حملے کی خبر ملنے کے بعد کھلم کھلا یہ کہا کہ میں نے سوائے دعا کے اور
ا ہوں۔

ہاں یحییٰ صاحب انٹرویو کے شروع ہی میں فرماتے ہیں کہ بھٹو نے ان پر بندش لگا رکھی
ہ پریس کو بیان دے سکتے تھے نہ سیاست میں حصہ لے سکتے تھے۔ بندہ خدا یہ بندش تو ہر
لازم پر ہوتی ہے سابق صدر بھی اور سابق کمانڈر انچیف پر بھی کہ وہ دو برس تک سیاست
یا تقریر کے ذریعے حصہ نہیں لے سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ بھٹو نے یحییٰ خان کو قید نہیں کیا
نظر دے رکھا تھا' ورنہ اس وقت جو کیفیت قوم کی تھی جس طرح یحییٰ کے خلاف نفرت کا
ل پھٹ رہا تھا' کیا وہ عوام میں آ سکتا تھا اور اس وقت کی بات تو چھوڑیئے آج اسے کہئے
یں آئے اور انارکلی مین ہال روڈ پر شاہ عالم مارکیٹ میں پیدل چل کر دکھائے ہم تو ان
پر چلتے پھرتے ہی نہیں بلکہ عوام سے جلسوں میں عام خطاب بھی کرتے ہیں' کرے وہ بھی
ے خطاب--- دیکھتے ہیں کہ اس پر گندے انڈوں کی بارش ہوتی ہے یا نہیں میں انہیں
یک واقعہ یاد کراؤں گا۔ کہتے ہیں کہ بھٹو نے اقتدار میں آنے کے بعد انہیں منگلا بھیجا تھا'
فوجیوں کی بیگمات نے احتجاج کیا اور جہاں اسے ٹھہرایا گیا تھا' اس جگہ کا گھیراؤ کیا گیا۔
ن کا کہنا تھا کہ اس ننگ وطن کے لئے یہی جگہ رہ گئی ہے چنانچہ اسے ایبٹ آباد منتقل کرنا پڑا
مزے مزے میں رہتے تھے' لان میں دھوپ سینکتے تھے' گاف کھیلتے تھے اور اعلیٰ طبی سہولتوں
باب ہوتے تھے۔ اہل خانہ ان کے ساتھ تھے کیا یہی وہ قید ہے جس کی شکایت وہ کر رہے

یحییٰ خان صاحب کو یہ بھی یاد ہو گا کہ بھٹو صاحب کے دور میں ملک کی اعلیٰ ترین عدالت

سپریم کورٹ نے انہیں غاصب قرار دیا اور اس کی سزا آئین میں موت رکھی گئی تھی لیکن ا
کے باوجود بھٹو نے کیوں یحییٰ خان پر مقدمہ نہ چلایا کیوں نظر بندی پر اکتفاء کیا جہاں ہر ہا
ساتھ ساتھ شراب بھی میسر تھی۔

یحییٰ خان نے انٹرویو میں یہ بھی کہا ہے کہ ان کے بیٹے کو برما شیل کی نوکری سے نکا
میں صرف یہ پوچھوں گا کہ وضاحت کر دیں کہ ان کے لاڈلے کی تعلیم کیا ہے اور برما شیل
تنخواہ کیا ملتی تھی نیز یہ کہ اگر وہ صدر نہ ہوتے تو کیا یہ نوکری موصوف کو مل سکتی تھی ان کا جوا
پر ہی مزید تبصرہ ہو سکے گا۔

یحییٰ خان صاحب نے کچھ تذکرہ اپنی زمینوں کا بھی کیا اور فرمایا کہ ان پر فیصل
زمینیں خریدنے کا الزام عائد کیا گیا کچھ زمینوں کا مجھے بھی علم ہے جو غازی کا گا اور قصور میں
دو عدد مکانوں کا جن میں سے ایک پشاور میں ہے اور دوسرا راولپنڈی میں یحییٰ خان صا
صفائی دینے پر ہی آئے ہیں تو یہ بتائیے کہ آپ کے ساتھ فوج اور سول میں بے شمار لو
ہیں کہ بھولو پہلوان نے اتنا دودھ نہیں پیا ہوگا جتنی آپ نے شراب پی ہے اور شراب کے
لوازمات بھی ہوتے جن پر خرچ اٹھتا ہے پھر یہ زمینیں اور دو مکان کیسے بنا لئے آپ نے
کی کوئی آبائی جائداد بھی نہیں جواب دینے سے قبل یہ لطیفہ بھی سن لیجئے کہ ایک شخص اپ
پاس سیر بھر قیمہ لایا کہ بھون دو اس کی عدم موجودگی میں بیوی نے قیمہ ضرور بھونا مگر ا
کو کھلا دیا واپسی پر اس شخص نے استفسار کیا تو بیوی بولی کہ قیمہ تو بلی نے کھا لیا ہے اس شخص
اٹھا کر وزن کیا تو صرف ایک سیر نکلا۔ اس نے بیوی سے پوچھا کہ اگر یہ قیمے کا وزن ہے
گئی اور اگر بلی کا وزن ہے تو قیمہ کہاں گیا' لہٰذا جناب یحییٰ خان یہ ضرور بتائیں کہ عیش و
زندگی تنخواہ پر بسر کی تو دو مکان کیسے بنائے اور اگر تنخواہ سے مکان اور جائداد بنائی تو
بھری زندگی کیسے بسر کی؟

آگے چل کر یحییٰ خان صاحب نے رباط کانفرنس کی تفصیل سے ذکر کیا اور اپنا
کہ ہندوستان کے نمائندے کو وہاں سے نکلوایا تھا لیکن تہران کا وہ واقعہ نہیں بیان کیا
الطاف حسن قریشی مدیر اردو ڈائجسٹ یحییٰ خان نے دنیا کے متعدد سربراہان مملکت کے
محفل میں زیادہ پی جانے کے باعث پتلون ہی میں پیشاب کر دیا تھا یہ واقعہ جنا

امہ "اردو ڈائجسٹ" میں لکھا تھا۔

لہ دیش کو تسلیم کرنے کی مذمت کرتے ہوئے یحییٰ خانصاحب فرماتے ہیں کہ میں ہوتا تو
م نہ کرتا سبحان اللہ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ' ذرا بندِ قبا دیکھ

یا تو نہیں جانتی کہ بنگلہ دیش کس نے بنایا یحییٰ خان' تم خود اس کے خالق ہو۔
نے ون یونٹ توڑا
نے ایک آدمی ایک ووٹ کا قانون بنایا۔
نے چھ نکات کی بنیاد پر انتخاب لڑنے کی اجازت دی۔
نے اپنے ہی بنائے ہوئے لیگل فریم ورک آرڈر کی دھجیاں اڑائیں۔
ہی تھے جس نے انتخابات میں مشرقی پاکستان کی حد تک بے انتہا دھاندلی ہونے دی۔
تم کہتے ہو کہ سب بھٹو نے کیا۔ جناب والا بھٹو کو صلاح کار کہا جا سکتا ہے لیکن سب کون
کون اس وقت ملک کا صدر تھا کون فوج کا کمانڈر انچیف تھا کون چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر
مہ دار تھا ان واقعات کا کون بھٹو سے مل کر اپنے اقتدار کے لئے سازشیں کرتا تھا وہ کون
نے شیخ مجیب الرحمٰن کی طرف سے انکار کے بعد کہ وہ تمہیں صدر نہیں رکھے گا لاڑکانہ میں
نکار کے بہانے سازشیں کیں۔
ن تھا جس نے فوجی ایکشن کا حکم دے کر نفرت کی بنیاد رکھی۔؟
ن تھا جس نے 25 مارچ کو بعد پلٹ کر مشرقی پاکستان کا رخ نہیں کیا۔؟
ں نے مشرقی پاکستان پر حملے کی خبر سن کر کہا کہ ہم سوائے دعا کے اور کیا کر سکتے ہیں۔
ن حکومت پر فائز تھا جس نے مغربی پاکستان کی سرحد سے جنگ تو چھیڑی لیکن فوجوں کو
ئے سے روکے رکھا اور مشرقی پاکستان کا تحفظ مغربی پاکستان سے ہوگا کے نظریئے کے
رتی علاقے میں یلغار نہ کی۔
ن تھا جس نے ملک کو ٹوٹتے دیکھ کر بھی پولینڈ کی قرارداد نہ مانی؟
ا سارے الزامات کے جواب میں یحییٰ خان کے سوا کسی دوسرے کا نام آ سکتا ہے یہ ٹھیک

ہے کہ چالیس چوروں کا ایک ٹولہ تھا جس میں اور بھی بہت سے تھے مگر کیا یحییٰ خان ان کا سرغن
کیا ہر قصور کا پہلا ذمہ دار وہ نہیں؟

تو ادھر اُدھر کی بات نہ کر' یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزن سے غرض نہیں' تیری رہبری کا سوال ہے

امریکہ کے ساتویں بحری بیڑے کی بھی بات کی ہے یحییٰ خان صاحب فرماتے ہیں'
صرف پروپیگنڈہ تھا..........

تو کس کے لئے تھا پاکستانی عوام کو بیوقوف بنانے کے لئے اس وقت کون حکومت
جھوٹ کون بول رہا تھا یہ ریڈیو ٹیلی ویژن اور اخبار کس کے پاس تھا جو چلا چلا کر ساتویں
بیڑے کی آمد کی خوش خبری سنا رہے تھے۔

اور اب آئیے بنیادی الزام پر یحییٰ خان صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے مجھ سے کہ
کسی قیمت پر ہتھیار نہ ڈالنا مگر میں نے یعنی نیازی نے ہتھیار ڈال دیئے آگے چل کر فرما
کہ ڈاکٹر مالک کا سگنل آیا تھا کہ حالات خراب ہیں' بھارتی بغیر سرنڈر کے نہیں مانتے اس
میں یحییٰ خان صاحب کے بقول ڈاکٹر مالک کے ذریعے جو پیغام دیا گیا اس کی عبارت یہ تھی

''نیازی آپ مشرقی پاکستان کے محاذ پر سینئر ترین فوجی افسر ہیں آپ ڈپٹی ما
ایڈمنسٹریٹر بھی ہیں اور وہاں کے انڈی پنڈنٹ کمانڈر بھی' تم میری نسبت صورت حال کو
ہو' تو سچوایشن کا صحیح اندازہ کر سکتے ہو گورنر کو کنسلٹ کرو اور یو این او والو کو بولو کہ وہ سیز فا
جب سیز فائر ہوتا ہے تو کمانڈر آپس میں ملتے ہیں اور کوئی نہ کوئی سمجھوتہ ہو جاتا ہے لیکن
سامنے ہتھیار ڈالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''

سب سے پہلے بات یہ ہے کہ یہ سارا صریحاً جھوٹ ہے مجھے اس قسم کا کوئی سگنل
خود یحییٰ خان کے بیان سے اس کی تردید ثابت ہے کہ سگنل وہ ڈاکٹر مالک کو بھیج رہے
میں نام میرا لے رہے ہیں

اس مسئلے کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ میری مشرقی پاکستان میں کیا پوزیشن
اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جنرل ٹکا خان مشرقی پاکستان کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر
سیاہ سفید کا انہیں اختیار تھا لیکن ان کے بعد میں اس پوزیشن میں نہ تھا کیونکہ ایم اے م

گورنر کے بنائے جانے کے بعد میں ان کے ماتحت تھا' لہٰذا مالک صاحب نے یحییٰ کو کیا
یا اور بدلے میں یحییٰ خان کا کیا سگنل آیا اس سے میرا کوئی تعلق نہ تھا میں مشرقی پاکستان میں
تھا بلکہ قاعدے کے مطابق میرا ہر آن رابطہ اسلام آباد کے جنرل ہیڈ کوارٹر سے تھا اور آخر
یعنی 16 دسمبر کو ہتھیار ڈالنے تک یہ رابطہ قائم تھا اور جنرل حمید اور جنرل گل حسن سے
بات چیت ہوئی تھی اس بات چیت میں کبھی رکاوٹ نہ پیدا ہوئی اور یہ بات ضرور فوج کے
پر ہوگی کہ مجھے اس قسم کا کوئی تار نہیں بھیجا گیا کہ تم نے ہتھیار نہیں ڈالنے اس کے برعکس میں
جنرل یحییٰ خان کے دو آخری سگنل بتلاتا ہوں

پہلا سگنل جو مجھے ملا وہ 29 نومبر کا ہے مشرقی پاکستان پر بھارت نے بھرپور حملہ اپنی باقاعدہ
کے ساتھ 21 نومبر کو کیا تھا اس سے پہلے اس کے آدمی چوری چھپے مکتی باہنی کے نام پر لڑ رہے
نے ایک ہفتے میں بڑی محنت سے اس حملے کا مقابلہ کیا اور انہیں کئی اہم مقامات سے مار
ں پر 29 نومبر کو مجھے یحییٰ خان کا یہ سگنل موصول ہوا جس کے چند الفاظ یہ ہیں کہ آپ کی
کو سنہری لفظوں میں لکھا جائے گا اور ساری قوم آپ کو تحسین پیش کرتی ہے۔

دوسرا اور آخری سگنل مجھے سقوط ڈھاکہ سے دو روز قبل 13 اور 14 دسمبر کی درمیانی شب
ہوا واضح رہے کہ اس روز میں نے ''آخری آدمی اور آخری گولی'' کا حکم جاری کیا تھا اور
کیا تھا کہ ڈھاکہ میں ٹینک میرے سینے سے گزر کر ہی داخل ہو سکیں گے لیکن رات کو جو پیغام
کے الفاظ یہ تھے

''آپ نے وطن کے دفاع کے لئے بہترین جنگ لڑی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ ایک
پر پہنچ چکے ہیں کہ مزید مزاحمت انسانی بس میں نہیں اور اس مزید جانی نقصان اور تباہی کے
نہیں ملے گا لہٰذا اب تمہیں وہ تمام ممکن حربے اختیار کرنے چاہئیں جن سے تم فوج اور اس
عہ افراد نیز پاکستان کے حامی افراد کی جانیں بچا سکو میں نے اقوام متحدہ سے کہا ہے کہ وہ
پاکستان میں پاکستانی فوج کا تحفظ کرے اور افواج پاکستان اور تمام محب وطن پاکستانیوں کو
اہتمام کرتے ہوئے بھارتی جارحیت کو رکوائے۔''

یہ دونوں سگنل یہاں بھی محفوظ ہوں گے اور میرے پاس بھی محفوظ ہیں پھر جن افسروں نے
موصول کیا وہ بھی آج تک زندہ ہیں خود میں نے بھارتی قید میں بھی ان پیغامات کی حفاظت

کی ہے اور انہیں مختلف ٹکڑوں میں لکھ کر اپنی ڈائری میں محفوظ کیا ہے جسے آپ خود دیکھ سکتے ہیں
یہ کہنا کہ یحییٰ خان نے مجھے ہتھیار ڈالنے اور آخری وقت تک لڑنے کا حکم دیا تھا اور میں نے
سے ہتھیار ڈال دیئے سراسر جھوٹ ہے اور میں بڑی عدالت میں اس جھوٹ کا پردہ چاک کر
کے لئے دستاویزی ثبوت کے ساتھ پیش ہونے کو تیار ہوں بشرطیکہ یحییٰ خان اس کے سامنے
ہوں اور کوئی فوجی جرنیل اس عدالت کا صدر ہو تاکہ ہم دونوں کا موقف سمجھ سکے

اوپر میں نے جس سگنل کا ذکر کیا اس کے باوجود ہم نے 14 کو ہتھیار نہیں ڈالے ہم
کرتے رہے کیونکہ ہمیں اسلام آباد سے اس سے پیشتر باقاعدہ اطلاع دی گئی تھی کہ ''زرد او
اور سفید نیچے سے تمہاری امداد کو آ رہا ہے'' مطلب یہ تھا کہ نیچے سے سمندر کے ذریعے امر
اور اوپر سے چین ہماری مدد کو پہنچ رہا ہے وقت تیزی سے گزر رہا تھا ہمارے جیالوں کا ہر طرف
یہی جواب تھا کہ ''آخری گولی آخری آدمی'' کے آرڈر پر عمل کرتے ہوئے وہ آخری قطرہ
بہنے تک لڑیں گے مگر اسلام آباد خاموش تھا

میں بار بار انہیں پیغام بھیج رہا تھا' بار بار یحییٰ خان سے بات کرنے کی کوشش کرتا' لیکن
گل حسن ملتے اور کہتے کہ یحییٰ خان باتھ روم میں ہے مجھے معلوم تھا کہ پی پلا کر کہیں اوندھا
ہو گا چنانچہ میں نے جل کر کہا گیا کہ وہ بات نہیں کر سکتا میں نے گالی دے کر رابطہ منقطع کر دیا
ظاہر تھا کہ وہ ہمیں چھوڑ چکے تھے ادھر ڈاکٹر مالک جو گورنر تھے بار بار ہتھیار ڈالنے پر زور دے رہے
تھے میں نے کہا میں کیونکر کر سکتا ہوں جواب میں وہ بولے کہ یحییٰ سے میری بات ہوئی
ہے کہ مشرقی پاکستان تو گیا اب مغربی پاکستان کو بچانے کی کوشش کر رہے ہیں اگر تم نے ہتھیار ڈال
کر جنگ بند نہ کرائی تو مغربی پاکستان بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا میں نے یحییٰ خان سے
کرنے کی کوشش کی مگر وہ ہنوز ''باتھ روم'' میں تھا یہ دو روز اس نے شاید ''باتھ روم''
گزارے ہوں گے ایک بار بھی وہ مجھ سے بات نہیں کرتا تھا میں گورنر نہیں تھا کمانڈر تھا او
ہتھیار ڈالنے کو کہہ رہا تھا یحییٰ کا آخری سگنل بھی میرے سامنے تھا جس کا مضمون اوپر
ہوں اور جس میں ہر حربہ اختیار کر کے پاکستانی فوج اور سول افسروں کو بچانے کا ذکر تھا
کیا کرتا اس احمق نے اپنے سگنل میں کہا تھا کہ اقوام متحدہ سے بات کرو کہ جنگ بند
منطق تھی اس کی بھارت جو تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا کیا اس وقت میری اپیلوں سے

وام متحدہ یا بڑی طاقتوں سے کوئی بات کر سکتا تھا تو اسلام آباد کر سکتا تھا نہ کہ میں لیکن اسلام
یں کرسیوں کی جنگ جاری تھی یحییٰ مدہوش تھا اور بھٹو راستے میں رکتا اور سیر کرتا ہوا سلامتی
پہنچ رہا تھا تاکہ زیادہ سے زیادہ دیر لگے اور اتنی دیر میں مشرقی پاکستان میں ہمارا جھٹکا ہو
پھر بھٹو وہاں پہنچا بھی تو جنگ بندی اور سیاسی حل پر مبنی پولینڈ کی قرارداد پھاڑ دی اور یوں
جنگ بندی کی آخری امید بھی ختم کر دی ڈاکٹر مالک آج زندہ نہیں ورنہ یحییٰ خان اس کے
باتیں منسوب نہ کرتے ڈاکٹر مالک نے مجھے بتایا ہے کہ یحییٰ خان کہتا ہے کہ بھارتی فوج
ہیڈ ورکس کے اوپر پہنچ گئی ہے اور اگر وہ ہیڈ ورکس پر قابض ہو گئی تو غضب ہو جائے گا لہٰذا
ہتھیار ڈال کر جنگ بند کراؤ ورنہ مغربی پاکستان بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا

مجھے یہ ہدایت دے کر کہ اقوام متحدہ سے بات کر کے اور ہر حربہ اختیار کر کے فوجی اور سول
ں کو بچاؤ اور مالک سے یہ کہہ کر کہ مغربی پاکستان کو بچانے کے لئے مشرقی پاکستان میں ہتھیار
دو یحییٰ کا ٹولہ مغربی پاکستان کے آئندہ اقتدار کی تقسیم میں مصروف تھا جہاں بھٹو نے یحییٰ کو
دلا رکھا تھا کہ وہ بطور صدر اسے کام کرنے دے گا ہمارے جوان تعداد میں کم تھے ہوائی تحفظ
ے سے نہ تھا رہی سہی کسر مغربی پاکستان کی سرحد سے بھارت پر حملہ کر کے اسلام آباد نے پوری
کی تھی یہ اہم نکتہ ہے جسے بغور سمجھنا ضروری ہے۔

''مشرقی پاکستان کا تحفظ مغربی پاکستان سے ہو گا''

یہ تھا وہ نظریہ جو قیام پاکستان سے جنگی منصوبہ بندی کے طور پر وضع کیا گیا چنانچہ فضائیہ' بحریہ
ری افواج کے ہیڈ کوارٹر مغربی پاکستان میں رکھے گئے مشرقی پاکستان میں ہمارے پاس
یہ سرے سے موجود نہیں تھی اس کے باوجود کہ بھارت کی افواج مکتی باہنی کے ساتھ سرحدوں
ٹھر آئی تھی -- میں نے اندرون مشرقی پاکستان کو محفوظ رکھا ہوا تھا اور طویل جنگ کی منصوبہ
پر عمل کر رہا تھا -- یہ ایسی منصوبہ بندی تھی جس کے تحت حملہ آور بھارت کی بری فوج کو دو
گنوا کر ہمارا ایک آدمی لینا پڑتا اور مجھے یقین تھا کہ بھارت مشرقی پاکستان کے لئے اتنی بھاری
قربانی نہیں دے سکے گا -- بھارت ڈھاکہ کے انٹرنیشنل ہوائی اڈے اور چٹاگانگ کی
ل بندرگاہ پر اعلان جنگ کئے بغیر فضائی حملہ نہیں کر سکتا تھا لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ کچھ وطن
ول نے اسے یہ موقع دیا کہ مغربی پاکستان کی سرحد پر ذرا سی چھیڑ چھاڑ کے بعد جنگ عملاً بند کر

ی گئی--اس چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ یہ نکلا کہ بھارت اور پاکستان کی باقاعدہ اعلان کردہ جنگ کا آغاز ہو گیا اور بھارتی طیارے ڈھاکہ اور چٹاگانگ کے علاوہ دوسرے مشرقی پاکستانی شہروں پر حملہ آور ہو گئے۔

چلیئے اگر بھارت پر فوج کشی کی ہی تھی اور اس سے مشرقی پاکستان کا دفاع مقصود تھا اور بھارتی علاقے پر قبضہ کر کے مشرقی پاکستان کو بچانے کا منصوبہ تھا تو پھر یہاں جنگ بندی کیوں کی گئی--یہاں تو ہمارے پاس بہترین اور تازہ دم فوج بھی تھی اور فضائیہ کا مکمل تحفظ بھی یہاں ہمارا بحری بیڑہ بھی تھا اور عوام بھی حکومت کے ساتھ تھے--پھر کیا وجہ ہے کہ یحییٰ خان نے جنگ بند کر دی' بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جنگ شروع کر کے مشرقی پاکستان پر بھارتی طیاروں کی بمباری کا جواز ہی پیدا کیا گیا ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ جب بھارت مشرقی محاذ پر ہم سے الجھا ہوا تھا پاکستان حملہ کرنے میں پہل کرنے کے فوائد حاصل نہ کرتا اور فضائی تحفظ جو اسے سوا سو میل تک بخوبی حاصل تھا' لیتے ہوئے دہلی کے قرب و جوار میں بالخصوص مشرقی پنجاب کے اہم ترین شہروں پر قبضہ نہ کر لیتا---

اب یحییٰ خان اپنے انٹرویو میں کہتا ہے کہ پاکستان کی طرف سے بھارت پر فضائی حملہ کرنے کے بعد اس نے آرمرڈ ڈویژن کو لانچ کرنے کے لئے کہا تھا مگر بھٹو نے ایسا نہ ہونے دیا

موصوف فرماتے ہیں کہ "بھٹو نے رحیم خان کو کہہ دیا تھا اور رحیم کہنے لگا کہ میرے جہا[ز] بھارت میں دور تک نہیں جا سکتے' لہٰذا پاکستانی فوج کو بھارتی علاقے میں نہیں گھسنا چاہئے"

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہی جہاز 65ء میں کیسے دور تک چلے گئے تھے

کیا یحییٰ خان محض یہ کہہ کر بچ سکتا ہے کہ بھٹو نے رحیم سے کہا اور رحیم خان کو کیوں نہ نکا[لا] باہر کیا--فوج میں تو ہر وقت نمبر 2 تیار ہوتا ہے باہر سے بھی اصغر خان اور نور خان کو لا سکتے تھے۔

ان دونوں نے تو بھارت سے جنگیں لڑی تھیں رحیم خان کو کس نے اپنی مرضی کرنے دی

کیا سپریم کمانڈر' چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر مملکت یحییٰ خان تھا یا بھٹو یا رحیم خا[ن] اپنی ذمہ داری سے صرف یہ کہہ کر جان چھڑا لینا کہ بھٹو کے کہنے پر رحیم خان نے جہاز نہ دیئے ا[س] لئے جنگ بند کرنی پڑی کہاں کی دلیل ہے' جبکہ اسی سانس میں یحییٰ خان نے یہ دعویٰ کیا ہے اور ا[پنے] انٹرویو میں کہا ہے کہ اگر کوئی جرنیل میری بات نہ مانتا تو میں کان سے پکڑ کر اسے نکال دیتا پھر ک[یوں] نہ نکالا رحیم خان کو کیوں ٹرک گیا رحیم خان سے یہ ملک و قوم کی بقاء کا مسئلہ تھا رحیم خان کی کیا

[سک]تی تھی کہ اپنے نمبر 2 کو چارج نہ دیتا لیکن اگر یحییٰ خود ہی نااہل ہو شراب میں مدہوش رہتا ہو اسی [قبی]لے کا سرغنہ ہو تو نچلے لوگ شیر ہوں گے ہی

یحییٰ خان نے یہ بھی کہا ہے کہ میرے پاس مشرقی پاکستان میں اتنے اختیارات تھے کہ میں اس [حک]م عدولی' کر سکتا تھا اس سے بڑی حماقت کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ مشرقی حصے کا کمانڈر [ا]پنے کمانڈر انچیف کی ہدایات ماننے سے انکار کر دے۔فوج میں ڈسپلن بنیادی چیز ہے اور یہ کوئی [بچ]وں کا کھیل نہیں کہ جو بات چاہی مان لی اور جو چاہی رد کر دی--گزشتہ دنوں فوج کے شعبہ [تع]لقات عامہ کے بریگیڈیئر صدیقی نے ڈیفنس جنرل میں نپولین کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ کمانڈر اپنے پلان کا خود ذمہ دار ہوتا ہے نہ کہ ملک کا بادشاہ یا صدر۔مجھے اس کی کم عقلی پر افسوس ہوتا ہے کیونکہ نپولین کے زمانے میں رابطے کا ذریعہ قاصد ہوتے تھے جو گھوڑے پر اپنا سفر طے کرتے تھے لڑائی میں فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہوتی تھیں اور دو ایک دن میں لڑائی کا فیصلہ ہو جاتا تھا ان دنوں میں کمانڈر کو مرکز سے ہدایت لینے کا وقت ہی نہ مل سکتا تھا' کیونکہ قاصد کے آنے جانے تک لڑائی ختم ہو جاتی تھی آج کی صورتحال اس کے برعکس ہے' لڑائی پورے علاقے میں پھیلی ہوتی ہے اور کمانڈر گھوڑے پر سوار ہر جگہ موجود نہیں ہوتا آج کل کمانڈر کو ہزاروں میل میں پھیلے ہوئے علاقے پر لڑائی کا کنٹرول کرنا ہوتا ہے اور کمانڈر انچیف یا مرکزی حکومت پل پل میں اسے ہدایات دیتی ہے اور اس کی تکلیفیں سن کر نئے فیصلے کرتی ہے' پھر سیاسی فیصلے ہمیشہ حکومت کے ہوتے ہیں اور اوپر سے آتے ہیں سیاسی فیصلے ہمیشہ فوجی فیصلوں سے افضل ہوتے ہیں اور انہیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کیونکہ تصور یہ کیا جاتا ہے کہ حکومت کو پورے حالات کا علم ہوتا ہے جبکہ کمانڈر صرف اپنے علاقے کا فیصلہ کرتا ہے۔

جہاں تک مشرقی پاکستان میں میرے کام کا تعلق ہے میں آپ کو آخری سگنل سے پہلے سگنل کا مضمون بتا چکا ہوں جو 29 نومبر 1971ء کو دیا گیا اور جس میں یحییٰ خان نے مجھے بقول اس کے عظیم کارنامہ انجام دینے پر مبارکباد دی تھی اور 13 اور 14 دسمبر کی درمیانی رات کے آخری سگنل کا مضمون بھی بتا چکا ہوں جس میں یحییٰ خان نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ مزید جنگ جاری رکھنا بے سود ہو گا اور انسانی جانوں کو بچانے کا مشورہ دیتے ہوئے جنگ بندی کے لئے ہر حربہ اختیار کرنے کا حکم دیا تھا ان دو پیغامات کی موجودگی میں آج اس کا یہ کہنا کہ نیازی لڑ سکتا تھا اور وہ محض ڈر گیا غلط

بیانی کے سوا کچھ نہیں۔

اس نے مجھے بزدلی کا طعنہ دیا حالانکہ میرا فوجی ریکارڈ سب کے سامنے ہے اور میرے پاس بہادری اور اعلیٰ کارکردگی کے جس قدر تمغے ہیں وہ اس کا ثبوت ہیں اور مجھے بطور کمانڈر اپنی تیزی تندی اور بہادری کے لئے ٹائیگر کہا جاتا تھا۔

بزدل یحییٰ خان خود تھا جو مشرقی پاکستان پر فوجی ایکشن کا حکم دینے کے بعد بھی اس حد تک خوف زدہ تھا کہ اس کے کہنے کے مطابق یہ ایکشن اس وقت تک شروع نہ کیا گیا جب تک اس کا طیارہ کراچی نہیں پہنچ گیا -- دوسرے افسر اس کے گواہ ہوں گے کہ یہ ہدایت یحییٰ خان نے اس لئے دی تھی کہ فوجی ایکشن کی خبر ملنے پر کہیں بھارتی طیارے اس کے طیارے کا محاصرہ نہ کرلیں، پھر اسکی بہادری اس بات سے واضح ہے کہ میرے سپرد جو کام کیا گیا وہ ہتھیار بند بنگالیوں اور بھارتی فوج سے لڑنا اور مشرقی پاکستان کے کسی علاقے کو بھارت کی دست برد سے بچانا تھا تاکہ وہ ایسے علاقے میں نام نہاد بنگلہ دیش قائم نہ کرسکے -- ٹکا خان کی طرح میں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نہیں تھا اور نہ سول کی آبادی سے میرا کوئی واسطہ تھا شہریوں کو پکڑنا قید کرنا کوڑے لگانا پھانسی دینا چھاپے مارنا کرفیو لگانا امن کمیٹیاں بنانا پولیس کی چوکیاں قائم کرنا یا شہری آبادی پر کسی قسم کی کارروائی میرے دائرہ اختیار میں نہ تھی -- چنانچہ ستمبر 71ء سے پہلے مشرقی پاکستان مین جس قدر ظلم ہوا یا جو تباہی اور بربادی ہوئی اس کے ذمے دار جنرل یعقوب وغیرہ ہیں یا براہ راست جنرل ٹکا خان یا یحییٰ خان میں نے اپنا کام انجام دیا سرحدوں کو سنبھالا اور معاملات کو اس حد تک قابو میں کیا کہ سیاسی حل کے لئے فضا پیدا ہو جائے -- اس کے بعد جیسا کہ بار بار تجویز کیا گیا یحییٰ خان کو ہم نے دعوت دی کہ وہ خود مشرقی پاکستان آئیں اور سیاسی صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش کریں، لیکن ہمارا یہ جیالا صدر اور سپریم کمانڈر فوجی ایکشن کے بعد سقوط ڈھاکہ تک ایک بار بھی مشرقی پاکستان نہیں آیا اور یوں لگتا تھا کہ اس نے اس علاقے کو یکسر فراموش کر دیا ہے، کبھی ہم اس کے متعلقہ لوگوں سے پوچھتے تو جواب ملتا کہ وہاں حالات ٹھیک نہیں -- اس بہادر آدمی کو حالات کی خرابی کا اتنا ہی خوف تھا تو اسے یہ جواب دینا پڑے گا کہ حالات صرف اس کے دورے کے لئے خراب تھے یا وہاں ایک برس سے خندقوں میں سونے والے پاکستانی فوجیوں کے لئے بھی خراب تھے کیا اسے ہم سے زیادہ خطرہ تھا اور کیا وہ جوان جو مشکل ترین حالات میں سرحدوں کی حفاظت کے لئے اپنا خون دے رہے تھے

کے بیٹے کسی کے بھائی اور کسی کے شوہر نہ تھے۔

یحییٰ خان اپنے انٹرویو میں یہ کہتا ہے کہ رحیم اور گل حسن دونوں بھٹو کے دوست تھے اور ضرور ی نے ان کو جنگ نہ کرنے پر اکسایا ہوگا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسے بھٹو اتنا ہی پسند تھا جتنا کہ آج وہ اپنا ہر الزام اس کے سر ر معصوم بن رہا ہے تو اس نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ گل حسن اور رحیم بھٹو کے دوست ہیں کیوں کلیدی حیثیتوں میں فوج پر مسلط کیا کیوں ان تینوں کو چین بھیجا کیوں انہیں تبدیل نہ کیا ، تو یہ تھا کہ جنرل حمید جو بری افواج کا کمانڈر انچیف تھا چین جاتا کیونکہ فضائیہ کا کمانڈر ، رحیم بھی چین گیا تھا لیکن یحییٰ خان نے گل حسن کو رحیم اور بھٹو کے ساتھ چین کیوں بھیجا؟

یحییٰ خان واقعات کو توڑ مروڑ کر بیان کرنے کا عادی معلوم ہوتا ہے مثلاً وہ یہ کہتا ہے کہ 19ء کی جنگ میں چھمب اور جوڑیاں میں اس نے ایڈوانس کیا تھا جو غلط ہے یہ اعزاز اختر ملک جاتا ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ بقول اس کے وہ اکھنور لینے میں اس لئے کامیاب نہ ہوسکا کہ موسیٰ نے اس سے کہا لاہور زیادہ ضروری ہے چنانچہ یحییٰ خان کو عظمت حیات کا بریگیڈیئر لاہور نا پڑا یہ بات ریکارڈ پر موجود ہوگی کہ عظمت حیات کا بریگیڈیئر لاہور نہیں آیا تھا اور سیالکوٹ بھی ن دن بعد پہنچا تھا۔ یحییٰ خان کے پاس اکھنور فتح کرنے کا وقت بھی تھا اور ذرائع بھی لیکن ت کہاں سے آتی؟

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

یحییٰ خان نے اپنی ذاتی زندگی کے حالات بیان کرتے ہوئے بھی واقعات کو بدلا ہے موف کہتے ہیں کہ وہ کوئٹہ شاف کالج میں انسٹرکٹر تھے کہ سکھوں نے کالج کی لائبریری کو آگ نے کا منصوبہ بنایا یحییٰ خان صاحب بقول ان کے رائفل لے کر لائبریری میں سو گئے اور بریری کو بچالیا۔

جس شخص نے لائبریری کا چارج لیا اس کا نام امیر عبداللہ نیازی ہے جو اسوقت میجر تھا اور بہ آپ کے سامنے ہے اور یہ بات بھی فوجی ریکارڈ میں محفوظ ہوگی کہ ایک ہندوستانی عیسائی وہاں بریرین تھا -- چابیاں خود میں نے اس سے حاصل کیں اور یحییٰ خان میجر اشرف علی شاہ اور کیپٹن

اسحاق کی موجودگی میں بلوچ رجمنٹ کے کچھ سپاہیوں کو وہاں متعین کر دیا -- آپ ہی فیصلہ کہ بلوچستان میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور بلوچ خود اتنی بہادر قوم ہیں وہاں کو آگ لگا سکتے تھے۔ اور اس علاقے میں ایک ادھ کے سوا شاید ہی کوئی سکھ افسر ہو جو کورس کر ہو اور شہری آبادی میں سکھوں کا وجود ہی نہ تھا۔

اسی انٹرویو میں یحیٰی نے بیگم لیاقت علی سے اپنے جھگڑے کی روداد ہی بیان کی۔ اگرچہ مجھے اس واقعہ کا براہ راست علم نہیں تاہم یحیٰی خان کے طور اطوار جس قسم کے تھے اس نظر میرا اندازہ ہے کہ ضرور اس نے کوئی گستاخانہ حرکت کی ہوگی -- اپنے بارے میں بہادری ڈینگیں یحیٰی خان نے ماری ہیں اس کا ایک بھی ثبوت ریکارڈ پر موجود نہیں انگریز کی جنگ موصوف جنگی قیدی بن گئے کشمیر میں میجر بنا کر بھیجے گئے تو وہاں سے بھاگ کھڑے ہو مہدی نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ موصوف شراب پی کر خواتین کی بے حرمتی کے لئے کسی کے گھ گئے تھے اور بمشکل ان کی جان بچائی گئی۔ 1965ء کی جنگ میں چھمب جوڑیاں اختر ملک دیں اور یحیٰی خان کو بھیجا گیا تو اکھنور نہ لے سکا۔ اب دعوٰی کرتے ہیں کہ ان سے فوج واپس گئی تھی جو حقیقت کے خلاف ہے حالانکہ خود کہتے ہیں کہ ہندو ایمونیشن جلا کر واپس جا رہے مشرقی پاکستان میں ایکشن کے بعد بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کیا -- سقوط ڈھاکہ پر اع کہ مغربی پاکستان میں لڑائی جاری رکھیں گے اور اس وقت یہ نہیں کہا کہ وہاں نیازی نے میر نہیں مانی بلکہ یہ کہا کہ مقامی کمانڈروں کے سمجھوتے کے تحت ہتھیار ڈال دیئے گئے ہیں طرف ہم جنگ جاری رکھیں گے پھر دو ہی دن میں جنگ بند کرنے کا اعلان کر دیا گیا حالانکہ سے پوری قوت کے ساتھ حملہ کیا جاتا تو مشرقی پنجاب پر قبضہ کیا جا سکتا تھا مگر آرمرڈ ڈویژن پڑا تھا وہیں حکم کا انتظار کرتا رہا اور یحیٰی خان صاحب نشے میں ڈوبے رہے۔ مشرقی پاکس شکست کا ایک ہی جواب ہو سکتا تھا کہ مغربی پاکستان کی طرف سے پاکستان کی فتح لیکن ڈرامہ ہوا کہ 3 دسمبر کو ہوائی حملے سے رات کے وقت آغاز کیا گیا اور صبح تک بری فوج کے ر انتظار ہی کرتے رہے' حالانکہ اسی ہوائی حملے کی آڑ میں انہیں آگے بڑھنا چاہئے تھا ایک سا ہوائی حملہ کر کے گویا بھارت کو گرین سگنل دے دیا گیا کہ پاکستان نے اعلان جنگ اب آپ ڈھاکہ اور چٹاگانگ پر کھلم کھلا بمباری کر سکتے ہیں اور ہم مزید آگے نہیں آئیں

مغربی محاذ پر ہمارا منصوبہ یہ ہوتا تھا کہ مشرقی محاذ کا دفاع مغرب سے ہوگا یعنی مشرق میں ی سی فوج ہوگی جو دفاعی لڑائی لڑے گی باقی سب کچھ مغرب میں ہوگا جہاں سے بھرپور حملہ کیا ے گا اور ہم بھارت کے علاقے میں دور تک گھس جائیں گے اس سے دو باتیں ہوتیں۔

1 مشرقی پاکستان سے بھارت کو فوجیں ہٹانی پڑتیں

2 سیز فائر کے وقت جو علاقہ اس نے مشرق میں جیتا تھا اسے مغرب میں اپنے قے سے بدلنا پڑتا

مشرقی پاکستان میں بھارتیوں نے بارہ ڈویژن کی نفری کے لگ بھگ فوج دو سو کے قریب ی جہاز چھ رجمنٹ کے لگ بھگ ٹینک 1200 ہیلی کاپٹر نصف سے زائد نیوی مع ایئر کرافٹ یر وکرم ہمارے خلاف برسر پیکار تھے مغربی پاکستان میں ہماری اور ان کی برابری تھی بلکہ ں میں ہمارے پاس زیادہ قوت تھی۔

اسلام کی تاریخ میں پہلا موقع ہے کہ ہمارے اور غیر مسلم دشمن کی برابری تھی ورنہ اس سے ہمیشہ دشمن ہم سے کئی گنا زیادہ ہوتا تھا مثلاً مشرقی پاکستان میں ایک کے مقابلے میں بیس کی اد ہمارے خلاف تھی اور عوام بھی ہمارے حق میں نہیں تھے۔

مغربی پاکستان میں کوئی اور جرنیل ہوتا تو بھارت کا سینہ چھلنی کر دیتا وہ اس قابل یقیناً تھا اس پاس ذرائع تھے اس کو نہ پیچھے سے خطرہ تھا نہ دائیں یا بائیں سے عوام اس کے پیچھے کھڑے تھے ملک کے عقب میں اسلامی ممالک تھے جہاں سے راستہ کھلا تھا درجنوں جرنیل' ایئر مارشل' رل تمام فیکٹریاں ساری سپلائی یہاں تھی مکمل تیاری بھی تھی فوجیں اپنے مقررہ علاقوں میں جود تھیں اور چھ کمانڈر تجربہ کار اور اہل تھے کمی تھی تو صرف ایسے قائداعلیٰ کی جس میں ہمت جرات دری اور حب الوطنی ہو' کاش اس وقت یحیٰی کی جائے کوئی دوسرا سپریم کمانڈر رہتا تو آج برصغیر کا ر اور تاریخ مختلف ہوتی۔ صدیوں کے بعد ایسا موقع نصیب ہوا تھا جو یحیٰی خان کی نااہلی کے ث ضائع ہو گیا۔

یہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ یہاں لاہور اور دوسرے شہروں پر بھارتی طیارے دندناتے رتے تھے اور کوئی انہیں پکڑنے والا نہ تھا الٹا پاکستانی عوام کو یہ تاثر دیا گیا تھا کہ ہمارے پاس ایسے ائر نہیں جو بھارتی جہازوں کا مقابلہ کر سکیں سراسر جھوٹ ہے اور ایسا پروپیگنڈہ محض اس لئے کیا گیا

کہ پاکستانی قوم مایوس ہو کر شکست کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو جائے۔

انگریزوں کی پرانی ضرب المثل ہے کہ بھیڑوں کی فوج بہتر ہے جس کا سربراہ شیر ہو... سے بہتر ہے کہ شیروں کی فوج پر بھیڑ سربراہ بن جائے حقیقت یہ ہے کہ ہماری فوج شیروں کی... لیکن یہاں اس کا سپریم کمانڈر ایک بھیڑ تھا اور اس کے ساتھ شامل چالیس چوروں کا ٹولہ... جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا بلکہ مشرقی پاکستان کو الگ کر کے مغربی پاکستان میں اپنی مطلق العنان... حکومت بنانے کے خواب دیکھ رہا تھا اور یہ ساری منصوبہ بندی اسی لئے کی گئی تھی۔

اس سے بڑا ستم اور کیا ہو سکتا ہے کہ مغربی سرحد پر حملہ بھی ہم نے کیا اور دس دن بعد ہار... ہی پانچ ہزار مربع میل بھارت کے قبضے میں چلے گئے کیا فوج کی تاریخ میں کبھی ایسا بھی ہوا ہے... حملہ آور علاقہ لینے کی بجائے ہاتھ سے دیدے۔

پھر یہ کہ فوجی علاقے سے سول آبادی مویشی اور غلہ کا انخلاء کیوں نہ کیا گیا نتیجہ یہ نکلا... پھکلیاں اور شکر گڑھ سے مسلم آبادی کا علاقہ غلہ اور مویشی مسلمان خواتین سمیت بھارت کے قبضے... میں چلے گئے کیا منصوبہ بندی کرنے والے اندھے تھے کہ انہیں لڑائی کے علاقے سے سول آبادی... کو نکالنے کا بھی خیال نہ رہا یا یہ پاکستانی قوم کو ذلیل و رسوا اور بھارت کی برتری کا احساس دلانے... ہتھکنڈہ تھا تاکہ وہ مشرقی پاکستان کی شکست کو ذہنی طور پر قبول کر کے بھارت کے مقابلے کا... دل سے ترک کر دیں اور اپنے علاقے کو بچانے اور پانچ ہزار مربع میل واپس لینے کو ہی آ... حکومت کا کارنامہ سمجھیں۔

بھارتی نہ صرف مکان' اینٹیں' نل' ٹیوب ویل' اور ملبہ لے گئے بلکہ کھڑی فصلیں کاٹ... گئیں کتنی عورتیں بے آبرو ہوئیں کتنی گھرانے لٹے کیا یہ سب یحیٰی خان کی ذمہ داری نہ تھی مگر... شراب و شباب سے فرصت ملتی تو وہ ادھر خیال کرتا۔

میں نے کھلم کھلا کہا تھا کہ مغرب میں حملہ نہ کرنا تاکہ جنگ کا اعلان نہ ہو اور میں یہاں... کر سکوں لیکن یہ حملہ کیا گیا اور وہ بھی ادھورا تاکہ مجھ پر بھارتی فوج بھرپور اور فضائی حملہ کر کے... مکمل بے دست و پا کر سکے اگر یہاں حملہ نہ ہوتا تو میں طویل عرصے تک بھارتی فوج کو روک سکتا... لیکن اعلان جنگ کے بغیر بھارتی فوج مجھ پر بھرپور فضائی حملہ نہ کر سکتی تھی پھر اگر حملہ کیا گیا... مشرقی پنجاب پر قبضہ کیا جاتا کیا میں اسے محض نالائقی سمجھوں یا گہری سازش جس کے تحت

...ستان میں بھارت کے سامنے ڈالا گیا اور مغربی پاکستان کے عوام کو یہ تاثر دیا گیا کہ ...ن کا مقدر ہے لہٰذا بنگلہ دیش کی علیحدگی اور بھارت کی بالا دستی قبول کیے بغیر کوئی چارہ

...اس حملے کا وقت بھی دیکھیے یہ حملہ 21 نومبر کو کیوں نہ کیا گیا جب بھارت نے مشرقی ...پر حملہ کیا تھا دو ہفتے تک انتظار کیوں کیا گیا؟ کیا اس لئے کہ ہم نے مشرقی پاکستان پر ...لہ روک لیا تھا جس کا ثبوت خود 29 نومبر کو یحیٰی خان کا سگنل ہے جس میں ہمارے موثر ...اج تحسین پیش کیا گیا کیا ایسے مرحلے پر جب ہم دفاع کر چکے تھے اور بھارت کو اس حملے ...ادا کرنی پڑ رہی تھی مغربی پاکستان کی سرحدوں سے حملہ پاکستانی قوم کے خلاف سازش

...دسمبر کو جب یہ حملہ ہوا تو بھارت کو مشرقی پاکستان میں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تھی پھر ...ت تھی اس حملے کی اور اگر کیا گیا تھا تو پھر بھارت میں ہر قیمت پر دور تک گھس جاتے یہ کیا ...پ اپنا بھی پانچ ہزار میل علاقہ ہاتھ سے دے بیٹھے اور فوج کے متعدد ڈویژنوں کو آگے ...ے روکا گیا۔

...یٰ خان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ 21 نومبر کو بھارت نے مشرقی پاکستان پر حملہ کیا تھا پھر انہوں ...م متحدہ میں کیوں شکایت نہ کی کیا مشرقی پاکستان' پاکستان کا حصہ نہیں تھا کیا یہ مشرقی ...کے خلاف میرے اور میرے جوانوں کے خلاف سازش نہیں تھی ہمارے ساتھ یہ ظلم نہیں تو ...فوج کو ذلیل کرنے کا یہ طریقہ کیا یحیٰی خان کے سوا کسی اور کی ذمہ داری ہے؟

کس کس کو بتاؤں ستمگر تیری خاطر
کس کس کی تباہی میں تیرا ہاتھ نہیں ہے

...ا پر میں نے یہ کہا کہ یحیٰی خان کا دعویٰ ہے کہ وہ اقتدار میں ہوتا تو کبھی بنگلہ دیش کو تسلیم نہ کرتا ...ار پوچھتا ہوں کہ مشرقی پاکستان میں یحیٰی نے جنگ کیوں بند کی یہاں انہیں لڑنے میں کیا ...ریش تھی۔

آگے ملاحظہ کیجئے' یحیٰی خان بھٹو سے اپنے تعلقات کے بارے میں کہتا ہے کہ بھٹو کبھی کبھی ملنے آتا تھا اور دونوں گاف کھیلا کرتے تھے اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ بھٹو نے کہا تھا کہ تم فوجی

پہلو دیکھنا اور اس میں سیاسی اور ہم دونوں ملک کو چلائیں گے۔
یاد رہے کہ اس وقت یحییٰ خان فوج میں ڈپٹی کمانڈر انچیف تھے اور وہ خود مانتا ہے کہ بھٹو
کے پاس آیا اور ایوب خان اور موسیٰ کو گالیاں دیں اور اسے تجویز دی کہ وہ فوج سنبھالے اور
سیاسی شعبہ سنبھالے گا اور دونوں ملک کو چلائیں گے کیا یہی حب الوطنی ہے جس کا یحییٰ خان
ڈھنڈورا پیٹا ہے کہ اس وقت کی حکومت میں ڈپٹی کمانڈر انچیف ہوتے ہوئے بھی وہ ایک
شدہ سول وزیر ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ سازشیں کرتا صدر مملکت اور کمانڈر انچیف کے
گالیاں سنتا اور ملکی اقتدار پر قبضہ کرنے کی تجاویز سن کر بھی نہ ان پر اعتراض کرتا ہے اور نہ
سے شکایت کرتا ہے بطور فوجی افسر کے اس کا فرض تھا کہ کمانڈر انچیف کو یہ سب بتائے ور
کورٹ مارشل ہو سکتا تھا۔

یحییٰ خان نے اپنے انٹرویو میں یہ کہا ہے کہ مشرقی پاکستان میں ملٹری ایکشن بھٹو نے
نیب پر پابندی بھٹو نے لگوائی قومی اسمبلی کا اجلاس بھٹو نے ملتوی کروایا چین سے واپسی پر
اطلاعیں بھٹو نے دیں گل حسن اور رحیم کو مغربی محاذ پر جنگ نہ کرنے کا مشورہ بھٹو نے دیا
قرارداد بھٹو نے یحییٰ خان کو بھیجی تک نہیں۔ غرض یہ سارے کام بقول یحییٰ خان کے بھٹو
سے کرائے۔۔ سوال یہ ہے کہ کیا یحییٰ خان بھٹو کا ملازم تھا کیا بھٹو صدر یا مارشل لاء ایڈمنسٹر
بھٹو فوج کا سپریم کمانڈر تھا پھر کیا وجہ تھی کہ یحییٰ خان اس کی ہر بات مانتا رہا اور ملک تباہ
وہ بھٹو کی ہر تجویز قبول کرتا رہا یحییٰ شکایت کرتا ہے کہ بھٹو نے بار بار اسے دھوکہ دیا اور فلاں
غلط کرائے مگر خود ہی اسے چین اور بعد میں سلامتی کونسل میں بھیجا تھا لیکن آخر میں یحییٰ
صدر بھی بناتا ہے اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی پھر خود ہی کہتا ہے کہ "میں نے بھٹو
کہ کیوں میرے فارن آفس میں مداخلت کرتا ہے تجھے اس ملک کا انچارج تو نہیں بنایا
تو میں خود ہوں اور خود ہی فارن منسٹر ہوں"

اس سے بڑی نااہلی، غیر ذمہ داری اور وطن فروشی اور کیا ہو سکتی ہے کہ یحییٰ بڑی ساد
کہتا ہے کہ مجھے تو پولینڈ کی قرارداد کا علم ہی نہیں تھا۔۔ حالانکہ ساری دنیا کے ریڈیو
قرارداد بتلا رہے۔۔ تھے پھر کہتا ہے کہ بھٹو میری سنتا نہیں تھا اور اس نے مجھے قرارداد

سوال یہ ہے کہ کیا یہ بات سن کر یحییٰ خان کو بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے؟ صدر وہ تھا چیف
مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر وہ اور وزیر خارجہ بھی وہ، اگر بھٹو اس کی بات نہیں مان رہا تھا تو وہ اقوام متحدہ میں
ان کے مستقل نمائندے کو اس کی جگہ کام کرنے کا حکم دے سکتا تھا اور کیا اس قرارداد کا متن
پاکستان کے صدر کو کہیں سے نہ مل سکتا تھا۔

تعجب ہے کہ یحییٰ خان نے اس قدر ڈھٹائی سے واقعات کو بدلا ہے بات سیدھی ہے کہ یحییٰ
نصیحت ضرورت مانتا تھا لیکن یقیناً بھٹو نے اس کی قیمت ادا کی تھی شراب و شباب اور شکار کی
میں صدر مملکت کو شکار کھلانے پر تیس چالیس ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں اور بھٹو آئے دن
میں یہ ڈرامہ رچاتا تھا جانوروں کا شکار بھی اور ہر قسم کا شکار بھی اور ساتھ میں صدارت کی
اعدہ بھی لیتا تھا آج یہ کہہ کر پاکستان کا ایک سابق صدر خود کو معصوم نہیں ثابت کر سکتا کہ مجھے
نے غلط مشورے دیئے تھے یا فلاں فلاں کام بھٹو نے غلط کرائے تھے اور فلاں فلاں نے مجھ
فادار نہیں کیا۔

خان کی اپنی ذہنیت اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے جس میں وہ یہ بتلاتا ہے کہ ایک روز وہ
مرزا کے دفتر میں بیٹھا تو جو ان دنوں پاکستان کے صدر تھے اس نے سکندر مرزا کی دراز کھولی
کی پرائیویٹ چٹھیاں نکالیں ان میں ایک چٹھی بھٹو کی تھی جو بقول یحییٰ خان بھٹو نے اپنے
انگ میں سکندر مرزا کو لکھی تھی اور اسے قائداعظم سے بڑا لیڈر قرار دیا تھا۔

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو یحییٰ خان سے بڑا غیر ذمہ دار اور نااہل کوئی نہیں ہو سکتا جو پاکستان کے
کے دفتر میں جاتا ہے اور اس کی درازیں کھول کر اس کی پرائیویٹ چٹھیاں پڑھتا ہے جبکہ
اس کے برعکس ہے کیونکہ حال ہی میں حکومت پاکستان نے اس خط کا عکس قرطاس ابیض
شائع کیا ہے اور یہ خط ٹائپ میں ہے جبکہ یحییٰ خان کا دعویٰ ہے کہ بھٹو...... نے اپنے ہینڈ
میں خط لکھا ظاہر ہے کہ یحییٰ خان نے کہیں سے اس خط پر تبصرہ سن لیا اور یہ ساری داستان
پاکستان کے صدر کی میز کی درازیں ہر آنے جانے والے فوجی یا سول افسروں کے لئے
کھلی ہوتیں اور یہ درازیں ویسے بھی اس طرف ہوتی ہیں جس طرف صدر بیٹھتا ہے نہ کہ اس
طرف ملاقاتیوں کی کرسیاں ہوتی ہیں۔

یہ بھی پوچھنا چاہیئے کہ یحییٰ خان اس وقت کس عہدے پر تھا شاید وہ بریگیڈیئر تھا کیا بریگیڈیئر

صدر مملکت کی دراز کھول کر پرائیویٹ خط کھول سکتا ہے اگر یحییٰ خان کو معلوم ہوتا کہ یہ خط ظاہر
جائے گا تو یہ بیان بھی نہ دیتا اسی طرح یحییٰ خان کبھی ہتھیار ڈالنے کی بحث نہ چھیڑتا اگر ڈاکٹر
زندہ ہوتے چونکہ وہ فوت ہو چکے ہیں لہٰذا یحییٰ خان کے جو جی میں آئے کہتا چلا جاتا ہے۔

چین کے دورے کے بارے میں یحییٰ خان فرماتے ہیں میں نے وفد کی اس کی تو
رپورٹ نہیں پڑھی صرف سمری دیکھی تھی رپورٹ فارن آفس میں ہوگی اس سے بڑی غیر
داری، فرض ناشناسی اور حماقت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس قدر اہم مسئلے پر اتنے نازک حالات میں
وفد چین بھیجا گیا اس کی رپورٹ یحییٰ خان صاحب نے ملاحظہ تک نہیں کی۔ حالانکہ یہ رپورٹ
مملکت سپریم کمانڈر اور وزیر خارجہ تینوں حیثیتوں میں یحییٰ خان کو خود پڑھنی چاہیے تھی اور
اداروں کے پرسنل سٹاف کی طرف سے یقیناً اس کے پاس آئی ہوگی مگر اسے اپنے مشاغل
فرصت نہ ہو تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔

یحییٰ خان نے بھٹو کو سلامتی کونسل میں بھیجا ضرور، لیکن اپنے انٹرویو میں یہ نہیں بتایا کہ ا
ٹاسک دیکر بھیجا گیا اور اسے 21 نومبر کو حملے کے 20 دن بعد کیوں پاکستان سے بھیجا پہلے ک
رہا اور اس نے یہ بھی نہیں بتایا کہ اگر وہ مجھ سے یعنی نیازی سے یہ توقع رکھتا تھا کہ میں ہتھ
ڈالوں تو مجھے اس کا حکم کیوں نہیں دیا گیا، نیز یہ کہ اگر میں نے اس کی حکم عدولی کی ہوتی تو
پر مجھے معزول کر کے کمان جنرل جمشید کے سپرد کیوں نہ کی جو میرے ساتھ مشرقی پاکستا
موجود تھے اور جو میرے نمبر 2 تھے یحییٰ خان آخر مجھ سے کیا چاہتا تھا؟ خود مانتا ہے کہ
نہیں تھا مغربی پاکستان میں جنگ سارے وسائل کے باوجود اس نے بند کی بلکہ پورا ملک
کہ سرے سے لڑی ہی نہیں، اس صورت میں میرے لئے اس کے سوا اور کیا چارہ تھا کہ میں
آخری احکام کے مطابق ہر قیمت پر فوجیوں اور سول افسروں کے ساتھ ساتھ محب وطن
کی جانیں بچانے کی کوشش کروں اور عورتوں کی عصمت اور بچوں کی جان بچانے کی کوشش
میں نے ایک حکم عدولی ضرور کی کہ بعض مشوروں کے باوجود جو شاید سچائی اور ہذیانی کیف
دیئے گئے تھے چند ایک چیزوں کو میں نے برباد کیا کیونکہ اس طرح بے شمار شہری آبادی جو
بلاوجہ موت کے منہ میں دھکیلی جاتی اور بے اندازہ جانی و مالی نقصان ہوتا میں یقین
ہوں کہ آج اگر بنگالی مسلمان بھارت سے مایوس ہو کر دوبارہ پاکستان کی طرف دوستی کا

ہیں تو وہ ان نقصانات کے بعد بھی پاکستان کو اپنا دوست سمجھ کر اس کی طرف اس قدر جلدی نہ
سکتے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر ملکی پروپیگنڈے کے برعکس افواج پاکستان کا کردار
چھا رہا ہے کہ 25 مارچ سے 10 اپریل کے ایک مختصر عرصے کے بعد جس میں ٹکا خان نے
ی کی باقی سارے عرصے میں پاکستانی فوج لڑی بھی مگر سول آبادی کے ساتھ کسی قسم کی
ی نہ کی اور وہاں سے اس طرح لوٹے کہ آج ہم سے لڑنے والے ہماری طرف دوستی کا ہاتھ
ہے ہیں۔

ہم صرف ہتھیار بند لوگوں سے لڑتے تھے باقیوں کی پوری دیانت داری سے حفاظت کرتے
ں نے مشرقی پاکستان کو اپنا ملک سمجھ کر وہاں جنگ کی دشمن سمجھ کر برباد نہیں کیا۔

آخر میں چند باتیں عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ اگرچہ مسٹر بھٹو نے پاکستانی عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے
رحمان کمیشن بٹھایا تھا لیکن ایک تو اس کمیشن کا دائرہ کار صرف فوجی شکست تھا جبکہ مشرقی
ں کی شکست سیاسی تھی دوسرے اس کمیشن کے نتائج مرتب کروانے میں بھی بھٹو نے یقیناً
ت کی طرح دھاندلیاں کی ہوں گی اس لئے غیر جانبدار خصوصی عدالت کا تقرر ضروری ہے
مل مجرموں کو سزا مل سکے۔

دوسرے صرف مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے ہی پر نہیں بلکہ اگرتلا سازش سے عراقی
کے سکینڈل تک بہت سی سازشوں سے پردہ ہٹنا بھی ضروری ہے۔

تیسری اور آخری شکایت یحییٰ خان سے ہے انہوں نے مجھے جس زبان سے "بکتا ہے"
الفاظ سے نوازا اس پر مجھے گلہ نہیں کہ ہر شے اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے اور یحییٰ خان بہر حال
افسر کی اولاد ہیں تاہم انہیں مسٹر بھٹو کی بیگم کے بارے میں انتہائی ناشائستہ کلمات استعمال
کرنے چاہیئں تھے اس لئے کہ سارے پاکستان میں اگر یحییٰ خان کا کوئی محسن ہے تو وہ مسٹر بھٹو

جنرل نیازی کا ہنری کے نام خط

اینڈرسن پیپرز میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل پال ہنری کے نام نیازی کے 17
76ء کو لکھے ایک خط کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں جنرل نیازی نے اپنے ایک خط
اشاعت کیلئے اسلامی جمہوریہ کو دیا۔ جنرل نیازی سقوط ڈھاکہ کے المیے کا ایک اہم کردار
ان کی زبانی ان کا نقطہ نظر سننا اس المیے کی تہ تک پہنچنے میں خاصا مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔

شامی روڈ' لاہور چھاؤنی' پاکستان

17/نومبر 1976ء

ڈیر مسٹر ہنری!

میری توجہ اینڈرسن پیپرز کی جانب دلائی گئی ہے' ان کے متعلقہ حصے ج
بات کرنا چاہوں گا یہ ہیں۔

جنگ روس' چین یا امریکہ کی جلی و خفی کوششوں سے نہیں' عالم مشرق میں رائج حربوا
خود ختم ہوگئی...... اقوام متحدہ کے اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل پال مارک ہنری نے ہمیں بتایا'
وغریب جنگ ہے۔ لگتا ہے سب کچھ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوا۔ پاکستانی ک
سارے واقعے کا محور ہے۔ میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ نیازی کو ہتھیار ڈالنے کیلئے یہ رشو
تھی''۔

یہ بہتان' یہ الزام بہت سے سوالوں کو جنم دے گیا ہے۔ مثال کے طور پر پوچھا جا
مجھے کس نے رشوت دی؟ کس صورت میں؟ غداری اور سازش کے اس رسوا کن معا
بدنام زمانہ امی چند کا کردار کس نے ادا کیا؟ الزام کی بنیاد کیا ہے اور پس منظر کیا؟ یہ الزا
بھونڈا' بودا اور کھوکھلا ہے کہ یہاں سکول کا عام طالب علم بھی اسے سن کر سر پیٹ لے۔
ہے سو ہے' اس سے یہ تو واضح ہوگیا کہ آپ کے قلب و ذہن پر یہ بات نقش و ثبت ہے
میدان جنگ میں فتح حاصل کرنے کے اہل نہ تھے اس لئے انہیں فریب اور رشوت
ہتھکنڈوں پر اترنا پڑا۔

جب واقعات تاریخ کا جزو بن جائیں تو بنیادی سچائی کے تقدس کی بے حرمتی کرنے والے
ذ واقعات کے تسلسل اور ان کی حقیقت کے سامنے ٹھہر سکتے اور نہ ہی حقائق کا چہرہ چھپائے
چ سکتا ہے۔ اگر پھر بھی کوئی واقعات کو مسخ کرنے اور چھپانے کی کوشش میں ڈھیٹ ہوکر ڈٹا
ہے تو ذہن انسانی کے لئے حیرت و استعجاب کا سامان ہی فراہم کرسکتا ہے۔

کے معلوم نہیں مشرقی پاکستان کے بحران کے دنوں میں لاتعداد غیر ملکی اخباری نمائندے
بی پاکستان بھاگے چلے آئے۔ لیکن ان لوگوں کی انتہائی قلیل تعداد نے واقعات و حالات کو نگاہ
فت میں سے دیکھا اور اکثریت نے واقعات کو اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا کہ ان کا صداقت
ہ دور کا واسطہ بھی نہ رہا ان کی تحریریں ہندوؤں کی وکالت اور ترجمانی کا نمونہ ہیں۔ یہاں اس
کا ذکر کردینا بے جا نہ ہوگا کہ بھارت کے شرانگیز پروپیگنڈے بلکہ اس سے بھی ماورا کوششوں
ایک منصوبے کے تحت پاکستان کے دو بازوؤں' مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان
ڑ ڈالا۔ منو اور چانکیہ کی تعلیمات پر استوار سازشوں کے جال بچھا دیئے گئے۔ مشرقی پاکستانیوں
ذہنوں میں غلط فہمیوں کا زہر بھر دیا گیا اور پورے پاکستان کی یک جہتی لخت لخت ہوگئی۔ بدقسمتی
ہ معاملات کو صحیح طور پر نمٹانے کے لئے کچھ نہ کیا گیا۔ وہ جنہوں نے اس صدی کے سنہری موقع
تانا بانا بنا تھا' حالات سے فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہوگئے اور وہ جو کبھی یک دل و یک جان
ہ دو متحارب فریقوں میں بٹ گئے۔ اس کے ساتھ ہی بھارت نے پروپیگنڈے کا زبردست محاذ
ل دیا' مگر ہماری سابقہ حکومت سراسیمگی کے عالم میں خاموش تماشائی بنی رہی۔ حکومت کے
ا غافلانہ اور ناقابل معافی رویہ کی قوم کو بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔ جب مشرقی پاکستان میں
ین دشمن کو لوہے کے چنے چبوانے والی جری اور بہادر سپاہ کی حمایت اور دفاع میں خیر اور تحسین کا
کلمہ تک نہ کہا گیا تو خامشی سے مراد اقبال جرم لیا گیا اور یوں بھارت کے بے سروپا
پیگنڈے پر خود ہم نے اپنے عمل سے تصدیق کی مہر ثبت کردی۔ میرے مشرقی پاکستان جانے
ے پہلے ڈھاکہ سے اخباری نمائندوں کے جبری انخلا نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس طرح بین
قوامی رائے عامہ بھارت کے حق میں ڈھل گئی اور پاکستانی فوج کے بہادر سپاہیوں کو قتل و غارت
شت گردی اور شرپسندی کی تہمتوں کے رنگ میں رنگ دیا گیا۔

مسلمانوں نے برصغیر پر ایک سال تک حکومت کی' اس سرزمین پر ہندو نے مسلمانوں کے

خلاف جتنی لڑائیاں لڑیں' ان میں انہیں عبرت ناک شکست ہوئی۔ ہندو شکست اور محکومی کے زخم کو چاٹتا رہا اور بدلہ لینے کے لئے مناسب موقع کی تاڑ میں رہا۔ بھارت شروع ہی سے بدلہ لینے کے لئے خاموش' مگر موثر پالیسی پر عمل پیرا رہا۔ ہندوؤں نے قیام پاکستان کو کبھی تہہ دل سے قبول تسلیم نہیں کیا۔ یہ باتیں ریکارڈ پر موجود ہیں کہ 1955ء میں بلگانن اور سوویت کمیونسٹ پارٹی کے فرسٹ سیکرٹری خروشچیف نے بھارت کا دورہ کیا تو اپنے میزبان کی فرمائش پر نہ صرف کشمیر کو بھارت کا جز ولاینفک قرار دیا' بلکہ مسلم قومیت کی بنیاد پر پاکستان کے قیام پر بھی تنقید کی۔ جنوری 1966ء میں روس کی ہی سرزمین پر تاشقند کے شہر میں فیلڈ مارشل ایوب خان نے مسٹر کوسیجن سے کہا تھا۔ ''بھارت' پاکستان کے جسد سے گوشت کا آخری لوتھڑا اور خون کا آخری قطرہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

بدقسمتی سے مشرقی پاکستان کے بحران پر لکھنے والے حضرات کی اکثریت نے تاریخ کے دریچوں میں جھانک کر پاک بھارت تعلقات کے پس منظر کو نہیں دیکھا۔ واقعات کی تاریخی حیثیت ہے' مخصوص خواہشات اور نظریات کی عینک لگانے سے تو واقعات کی حقیقت تبدیل نہیں ہوسکتی۔ عسکری تاریخ میں تجریدی فکر کی کوئی گنجائش نہیں واقعات اور صرف واقعات ہی ہر دور اور وقت میں اپنی صداقت کی گواہی دے سکتے ہیں۔

جنگ کیا ہے؟..........

جوش و جذبے سے بھرا ڈرامہ جنگ نہ تو ریاضی کے ہندسوں کا نام ہے نہ ٹھوس اور بندھے طریقوں پر عمل کرنے کا...... کوئی اچھا منصوبہ بنانے کے لئے شبانہ روز محنت کی ضرورت ہوتی ہے' تاہم بہتر سے بہتر جنگی منصوبے بھی بعض اوقات مقررہ ٹائم ٹیبل پر صحیح ثابت نہیں ہوتے۔ جنگی منصوبے کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار لاتعداد عوامل پر ہوتا ہے۔ منصوبہ ساز خامیاں دور کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں' ہر عمل کے ردعمل کا جائزہ لیتے ہیں اور اس کا توڑ تلاش کرتے ہیں۔ منصوبے کی کوئی ایک کڑی ادھر سے ادھر ہو جائے سارے منصوبے کا تیا پانچا ہو جاتا ہے منصوبہ سازی کسی نقص پر قابو پانے کیلئے کوئی اقدام کر بھی لے' تو کوئی ایسا واقعہ رونما ہوسکتا ہے گرفت میں نہ آئے اور اس طرح توازن دشمن کے حق میں ہو جائے۔

جنگی منصوبہ سازی اس کمانڈر کیلئے تو اور زیادہ کٹھن بن جاتی ہے جس کا دامن بہت

ات سے خالی ہو جس کی حالت یہ ہو کہ جو ہاتھ لگے اس سے کام چلائے اور جو عارضی ں کی بیساکھی کا محتاج ہو۔

جنگ بڑا مشکل اور گریز پا فن ہے۔ لڑنے کے لئے سوچ کی ضرورت ہوتی ہے۔ سپاہی کی ت کا کما حقہ اندازہ کرنے کیلئے سپاہی کی وردی کا پہن کر میدان جنگ کا چکر لگا لینے سے کوئی امور جنگ اور جنگ لڑنے اور کمانڈر کے بارے میں فیصلے صادر کرنے کا اہل نہیں ہو جاتا۔ ک یہ معلوم نہ ہو کہ کمانڈر کو کیا مشن دیا گیا۔ کون سا ٹاسک سپرد کیا گیا اور اس کے سینئر اعلیٰ نے کیا احکام دیئے۔ کوئی کس طرح رائے قائم کرسکتا ہے۔

اس میں شک نہیں ہر جنگ میں اہم کردار کمانڈر اور سپاہی ہی ادا کرتے ہیں' لیکن اس کی ے باہر بعض ایسے معاملات بھی ہوتے ہیں جو جنگ کے نتیجے کا فیصلہ کرنے میں زبردست کے حامل ہوتے ہیں۔ زمینی اور موسمی حالات' جغرافیائی کیفیت اور کمانڈر کو تفویض کردہ اور فوجی مشن کو بروئے کار لانے کے لئے افواج کی تعداد ذمہ داری کی حدود وسعت' مقامی ت و معاملات' آبادی اور وسائل مرکزی مقام سے فاصلہ اور وہاں پہنچنے کے ذرائع' صحیح قسم ھیاروں اور گولہ بارود کی فراہمی' کمک اور تنظیم نو کی صلاحیت' لڑائی پر اثر انداز ہونے اور ر کی ضرورت پوری کرنے والے متحرک ریزرو دستوں کی موجودگی اور دشمن کی تعداد اور ا کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا' یہ وہ امور ہیں جن کے اثرات' عواقب و نتائج کا بنظر غائر جائزہ بس لازمی ہوتا ہے۔

کسی بھی جنگ کے نتیجے اور کمانڈر کی صلاحیت کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر کرنے سے مذکورہ عوامل کو نگاہ میں رکھنا چاہئے۔ کیونکہ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے ہر فوج کی قسمت وابستہ ہے۔ مذکورہ عوامل فتح کو شکست اور شکست کو فتح میں بدل سکتے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں چاہئے کہ جنگ کے آغاز اور اختتام کا فیصلہ کرنا کمانڈر اور سپاہیوں کے اختیار میں نہیں ہوتا۔

جنگ جیت لی جائے' تو فتح کا سہرا سیاست دانوں کے سر باندھ دیا جاتا ہے' شکست کی ت میں کلنک کا ٹیکہ کمانڈر اور اس کے سپاہیوں کا مقدر ٹھہرتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ فتح لاتعداد خالق پیدا ہو جاتے ہیں جب کہ شکست کو ایک یتیم بچے کی مانند کوئی اپنانے کو تیار نہیں

جرنیل کی صلاحیتوں اور جنگ کے نتیجے پر تبصرہ کرنے سے پہلے تبصرہ نگار کو یہ معلوم چاہئے کہ جرنیلوں کی تین اقسام ہیں۔ اول وہ جرنیل جو مطلق العنان بادشاہ ہوتا ہے۔ ا محدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے فیصلوں اور اقدامات کے ضمن میں کسی کے سا جواب دہ نہیں ہوتا۔ سکندر اعظم محمود غزنوی اور نپولین اسی قسم کے جرنیل تھے۔

دوم فوج کا کمانڈر انچیف اسے سربراہ ریاست سے احکام ملتے ہیں۔ لیکن تفویض شدہ کے سلسلے میں اسے اپنی راہ متعین کرنے کے لئے وسیع اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ بعض اوق اسے بھی فیصلہ سازوں کی پیدا کردہ رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس قسم کے بہترین جرنیلو بہترین مثال میک آرتھر ہے۔ سوم جونیئر جرنیل جو دور دراز مقام پر پہلی جنگ لڑ رہا ہو جس سے زائد ہیڈ کوارٹر کنٹرول کرنا پڑ رہے ہوں۔

بعض اوقات اسے متضاد و متصادم احکامات سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہو۔ میں اسی ذیل تھا مگر میری پوزیشن زیادہ نازک تھی کیونکہ مجھے ٹاسک اور مشن تو صدر و چیف مارشل لا ایڈمنسٹ دیتے' لیکن جنگ کا کنٹرول چیف آف دی آرمی سٹاف کے پاس ہوتا روزانہ احکامات چیف جنرل سٹاف جاری کرتے۔ وہ میدان جنگ سے ہزاروں میل دور راولپنڈی میں بیٹھے تھے۔ براں گورنر مشرقی پاکستان کا جنگی سرگرمیوں سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اسی طرح سول معاملات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن وہ مجھ سے مطالبہ کر سکتے تھے اور کرتے تھے کہ صوبے میں امن وامان کے اور مارشل لاء ڈیوٹی کے لئے افواج مہیا کر دوں۔ القصہ میرا چار آقاؤں سے واسطہ تھا اور سے زائد ذمہ داریاں (ٹاسکس) میرے سپرد تھیں۔

بحران کے آغاز ہی سے سب کچھ بھارت کے حق میں تھا۔ سامان جنگ' تعداد ا حالات اور علاقے میں اس قدر حیرت انگیز اور سنگین تفاوت تھا کہ...... عسکری تاریخ میں ا مثال نہیں ملتی۔ علاوہ ازیں میں نے ایسٹرن کمانڈ کے کمانڈر کی ذمہ داریاں ایسے وقت سنبھالیں جب حالات یکسر خراب ہو چکے تھے اور وہ اس طرح کہ مسلح افواج میں شامل بنگالی کے یونٹ گولہ بارود ٹرانسپورٹ اور ہتھیاروں سمیت فرار ہو چکے تھے۔ جلدی ہی مکتی باہنی کے بہروپ میں ہزاروں بھارتی سپاہیوں اور افسروں کی کمک پہنچ گئی۔ دیہی علاقو وہ دندناتے پھرتے تھے۔ مشرقی پاکستان کی سرحدیں عنقا ہو چکی تھیں۔

اسی طرح شیخ مجیب الرحمٰن کے علاوہ اس وقت جن سیاسی رہنماؤں کا سکہ چلتا تھا وہ سب سب بھارت جا چکے تھے۔ خطیر آبادی ہمارے خلاف تھی 25 مارچ 1971ء کی غیر ضروری اور یہ فوجی کارروائی کے باعث یہ حالات پیدا ہوئے تھے۔ یوں ہم اپنے ہی وطن میں اجنبی بن کر گئے۔ اس منصب کے لئے میں بہت جونیئر تھا۔ اس کے باوجود ان مشکل حالات کو سلجھانے لئے نگاہ انتخاب مجھ پر ہی ٹھہری۔ اور اس کی وجہ تھی دوسری جنگ عظیم اور ستمبر 1965ء کی جنگ میری کارکردگی اور میر خطر پسند طبیعت۔

میں نے 11 اپریل 1971ء کو ایسٹرن کمانڈ کے کمانڈر کی حیثیت سے چارج سنبھالا میں نے افواج کو سب سے پہلا حکم دیا۔ "میرے بچو! سرحدوں کی طرف جا کر ان کی حفاظت کرو" مکتی ی کے یونٹوں اور چھوٹے بڑے گروپوں نے زبردست مزاحمت کی اور بھاری نقصان اٹھایا مگر ارتی علاقے میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ ان کی شکست کا سبب جرات و ہمت کی کمی یا لڑنے کے ربے کا فقدان نہ تھا بلکہ اعلیٰ ترین سطح پر ناقص قیادت تھی جو بھارتیوں کے ہاتھ میں تھی۔

تاریخ شاہد ہے' ہر لحاظ سے بالاتر ہونے کے باوجود بھارتی نظر فریب................ نتائج اصل کرنے میں ناکام رہے۔ بھارتی کمانڈر مشرقی پاکستان کی سرزمین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے ہی پر قبضہ کر کے بنگلہ دیشی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا' مگر پاکستانی فوجوں کی بہادری' قربانی کے جذبے' افسروں کی بہترین قائدانہ صلاحیتوں اور کامیاب جنگی چالوں کی وجہ سے نو ماہ کی جنگ کے دوران بھارت ایک انچ زمین پر قبضہ نہ کر سکا۔

ہم نے اس ہوشیاری سے فوجوں کو مختلف مقامات پر متعین کیا کہ بھارت اس قسم کی جنگ رنے پر مجبور ہو گیا جیسی ہم چاہتے تھے۔ ہم نے فوجوں کی کمی کو حربی مہارت اور عیارانہ چالوں سے دور کیا۔ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ بھارتی فوجوں کے کمانڈرز بغیر ترقی یا اعلیٰ عہدے کے ٹائر کر دیئے گئے۔

ایک باتونی میجر جنرل جس نے تھوتھا چنا' باجے گھنا کے مصداق اپنی کارکردگیوں کے تذکرے سے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا' اپنے انجام کو یوں پہنچا کہ اس کا کورٹ مارشل ہوا۔ میں ہائی کمان سے درخواست کرتا رہا مجھے کچھ موبائل ریزرو دستے دیئے جائیں۔ جنہیں جدید لڑاکا طیاروں کا تحفظ حاصل ہو' اگر مجھے یہ کچھ مل جاتا تو میں نہ صرف بھارتیوں کو ہندوستان میں دھکیل

دیتا' بلکہ بھارت کی سرزمین کو میدان جنگ بنا دیتا۔ جب بھارتی فوجیں مشرقی پاکستان کے گرد گ
ڈال رہی تھیں' میں نے اپنی ہائی کمان سے اجازت چاہی کہ بھارتی فوجوں کے اس عمل اجتماع
رخنہ ڈالا جائے' مجھے اس کی اجازت نہ ملی۔

اگر اجازت مل جاتی تو ان کا اجتماع اس قدر آسانی سے عمل میں نہ آتا' ان کا پروگرام د
برہم ہو جاتا' یا وہ قبل از وقت جنگ چھیڑنے پر مجبور ہو جاتے۔ دونوں صورتوں میں فائدہ ہمیں
پہنچتا۔ مجھے تو اس بات کی اجازت بھی نہ ملی کہ اپنے کمانڈو بھارتی علاقے میں بھیج سکوں' وہ ہا
کر سپلائی لائن کو متاثر کرتے' بھارتی فوجوں کی نقل و حمل میں رکاوٹیں ڈالنے کے لئے گھات لگا
ان کے کیمپوں اور دیگر فوجی تنصیبات کو نقصان پہنچاتے اس سے ہمیں کس قدر فائدہ ہوتا' بھار
بات کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے کہ افراد اور ساز و سامان کی کمی کے باوجود ہم نے ان کی خو
مرمت کی تھی۔

میں نے جو مانگا تھا۔ اگر مجھے دے دیا جاتا' تو بھارت کے فوجی کبھی بھی ہماری سرحدیں
کر کے کھلی جنگ لڑنے کی جرات نہ کرتے۔ میں نے زیادہ نہیں مانگا تھا یہ مجھے آسانی سے فرا
جا سکتا تھا۔ یا کم از کم مجھے وہ کچھ کرنے دیا جاتا جو میں چاہتا تھا۔ یعنی بھارتی علاقوں پر یلغار (
علاقوں میں فرخا بیراج کا علاقہ اور اگرتلہ کا ہوائی اڈہ شامل تھے۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ میرے پاس چار ڈویژن فوج تھی' جس میں چھیانوے ہزار افراد تھے۔
میرے پاس صرف تین نامکمل ڈویژن تھے۔ ان میں سے دو بذریعہ ہوائی جہاز لائے گئے تھے۔ وہ
بھاری اسلحہ اور ساز و سامان ساتھ نہ لا سکے۔ بری' بحری اور فضائی فوج سمیت تمام افراد کی تعداد
پچاس ہزار سے زائد نہ تھی۔ اس میں غیر لڑاکا افراد بھی شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری
لڑاکا فوج کی تعداد چالیس ہزار سے بھی کم تھی' دوسرے افراد سویلین عہدیدار اور بچے تھے۔

یہ جری اور صف شکن تین ڈویژن فوج پوری طرح مسلح نہ ہوئے' دشمن کے مقابلے میں تعداد
میں تھوڑا ہونے' تھکی ہوئی اور ہر سمت سے کٹی ہوئی ہونے کے باوجود مسلسل نو ماہ تک دشمن کا مقابلہ
کرتی رہی۔ اس دوران انہیں کوئی آرام نصیب نہ ہوا' انہیں کوئی امداد نہ ملی' اور ان کی افرادی قوت
اور ساز و سامان کے نقصانات کی تلافی نہ ہوئی۔

ان کے مقابلے میں دشمن کے بارہ ڈویژن تھے۔ جنہیں توپ خانے' ٹینکوں' سینکڑوں

ں ہیلی کاپٹروں اور بحریہ کی مسلسل و موثر پشت پناہی حاصل تھی۔ مکتی باہنی کے تربیت یافتہ
ہیاروں سے لیس ڈیڑھ لاکھ افراد کی حمایت بھی انہیں حاصل تھی۔ اسکے برعکس مقامی آبادی
خلاف' راہیں مسدود اور وسائل محدود تھے۔

مثال دینے کے لئے واضح کر دوں کہ ہمارے پاس ایک بھی میڈیم یا ہیوی گن یا ٹینک نہ تھا
بھارتی فوجوں کے پاس یہ چیزیں سینکڑوں کی تعداد میں تھیں۔ ہماری بحریہ فقط چار پرانی
ں پر مشتمل تھی۔ روسی' بھارتیوں کو کھلے بندوں افراد اور اسلحے کی مدد دے رہے تھے۔ عالمی
ن کا ترجمان بنا ہوا تھا۔ قصہ مختصر بھارتی فوج میں جذبہ قربانی اور جرات و بہادری سے
علی روایات اور بلند حوصلے سے لیس تھی۔ مشکلات اور مسائل کے باوجود ہم نے بھارتیوں کو
کے چنے چبوائے۔

وہ جب بھی ہمارے علاقوں پر حملہ آور ہوئے بھاری نقصان اٹھا کر لوٹے۔ ان نو ماہ میں
نے اپنی حماقتوں کی بڑی بھاری قیمت ادا کی۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ عسکری تاریخ
تنے کم آدمیوں کا اتنے کم ساز و سامان کے ساتھ' اتنے بدترین حالات میں اتنی عمدگی سے
نہ میدان کارزار میں اتنے طویل عرصہ تک اتنے حوصلے کے ساتھ رکنی کثیر تعداد میں اتنے
سلحہ سے لیس اور اتنے بہترین حالات کی حامل فوج کے خلاف لڑنے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔
ا تاریخ میں یہ واقعات عدیم المثال ہی رہیں گے۔

میں آپ کی توجہ ان حقائق کی جانب بھی دلانا چاہتا ہوں۔

امریکیوں نے جدید ترین ہتھیاروں سے مسلح اپنی فوج اور جنوبی ویت نامی فوج کی
کے باوجود اتنا طویل عرصہ جنگ لڑی' مگر شمالی ویت نامیوں نے جو امریکیوں کے مقابلے میں
کم مسلح تھے امریکہ کو جنگ بند کرنے اور شمالی ویت نام کی شرائط پر وہاں سے نکل جانے پر مجبور
ا۔

دوسری جنگ بوئر (بوئر وار سیکنڈ)۔۔۔۔ میں ڈیڑھ لاکھ برطانوی فوجیں صرف بندوقوں
لئے چالیس ہزار بوئر فوجوں کو شکست نہ دے سکیں۔

کوریا کی جنگ میں سترہ قومیں مل کر بھی شمالی کوریا کو شکست نہ دے سکیں' جس کی امداد
چین کر رہا تھا۔

سٹالن گراڈ میں 2 لاکھ بیس ہزار جرمن فوجوں نے روسیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

5۔ برطانیہ کی اسی ہزار فوجوں نے سنگاپور میں جاپانیوں کے سامنے ہتھیار ڈال د
برطانوی سلطنت میں سنگاپور مضبوط ترین قلعہ تھا۔

6۔ یہی کچھ کریٹے (CRETE) میں ہوا۔

7۔ ملایا میں ایک لاکھ ستائیس ہزار برطانوی فوجوں نے جاپانیوں کے سامنے ہتھیار ڈا

8۔ دوسری جنگ عظیم میں لاکھوں روسیوں نے جرمنوں کے سامنے ہتھیار ڈالے۔

مذکورہ مثالوں میں سے اکثر میں ہتھیار ڈالنے کا حکم کمانڈنگ جرنیلوں نے دیا اور یوں ا
اپنی حکومتوں اور فوجی ہیڈ کوارٹروں سے اجازت بھی نہ لی۔ ان کے سرنڈر غیر مشروط تھے۔ میر
سربراہ حکومت اور آرمی چیف کے حکم پر سرنڈر کیا جو غیر مشروط نہ تھا' پہلے باقاعدہ بات چیت ہو
مزید یہ کہ مذکورہ مثالوں میں بعض مقامات پر نصف آبادی' مسلح افواج اور ذرائع در
حملہ آوروں کے رحم و کرم پر تھے۔ ان سرنڈرز میں بھی کوئی عجیب و غریب بات نظر آئی؟ ان
کے کمانڈنگ جرنیلوں کی ناکامی کی وجوہ کیا تھیں؟ کیا ایسا غلط منصوبہ بندی کی وجہ سے ہوا
معلوم نہیں دوسری جنگ عظیم کے دوران دو لاکھ تینتیس ہزار برطانوی فوجیوں کی فرانس
پسپائی (یہ اپنے ہتھیار اور گولہ بارود بھی چھوڑ گئے تھے) کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟
بھی نہیں جانتا جرمنوں کے سامنے فرانسیسی فوجوں کے ہتھیار ڈالنے (جب کہ فرانس کی 56
فوج کو ابھی جنگ میں ملوث نہیں کیا گیا تھا) کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ کیا یہ س
سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوا؟

کیا برطانوی اور فرانسیسی جرنیلوں نے اس کے لئے رشوتیں وصول کی تھیں؟ پر
بربادی کے بارے میں کیا خیال ہے؟

کیا انچارج ایڈمرل کو رشوت دی گئی تھی؟ کیا اس سانحے میں کوئی گڑبڑ نظر آتی ہے؟
پروپیگنڈے کے زہر سے متاثر ہو کر آبادی کی اکثریت سے ہم برسرپیکار تھی اور بھارت ہر
ممکن طریق سے مدد کر رہی تھی۔ بھارتی فوجیں مشرقی پاکستان کی سرحدوں سے بالکل
کیمپوں سے اٹھ کر آتیں جہاں انہیں ہماری مداخلت کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ انہیں کمک پہنچ سکتی
ان کے نقصان کی آسانی سے تلافی ہو سکتی تھی مگر ہمیں یہ سہولتیں حاصل نہ تھیں۔

آپ کو یاد ہوگا' جب آپ ڈھاکہ آئے تھے' آپ نے مجھے کہا تھا کہ ڈھاکہ کو کھلا
دے دوں' مگر میں نے انکار کر دیا تھا۔ اس کے برعکس میں نے اپنی مقدس سرزمین وطن

ے دفاع کے لئے لڑ مرنے کا عزم کا اظہار کیا تھا۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے
ان آنے جانے والے پیغامات میں میں نے کبھی جنگ بند کرنے کو نہیں کہا۔
میں نے ہمیشہ واضح کیا کہ آخر دم تک لڑوں گا۔ جاپان کو بچانے کیلئے بحر ہند اور بحر الکاہل
ینات تمام جرنیلوں نے جنگ بند کر دی' ہتھیار ڈال دیئے' حالانکہ ان کی پوزیشن بڑی اچھی
(اس علاقے میں انفنٹری کے ستائیس' چار آرمرڈ ڈویژن اور بھاری تعداد میں بحریہ تعینات
تھی)

مجھے صدر (جو کمانڈر انچیف بھی تھے) نے حکم دیا اور چیف آف دی آرمی سٹاف نے مشورہ
جنگ بند کر دوں' کیوں کہ مغربی پاکستان خطرے میں ہے۔ اس حکم کے تحت مجھے سرنڈر کرنا
ران حالات میں کہ۔ "یہ نہ پوچھو کیوں' عمل کرو اور کٹ مرو"

(YOU ARE NOT TO QUESTIONS WHY, BUT TO
DO AND D میں ایسی کئی مثالیں پیش کر سکتا ہوں جب بڑے بڑے نامور اور تجربہ کار
وں نے برا وقت پڑنے پر اپنی فوج کو حالات کے حوالے کیا اور اپنی جان بچالی جب نپولین کو
قدر کا سورج ڈوبتا نظر آیا تو مصر میں اپنی فوجوں کو چھوڑ بھاگا۔

اسی طرح رومیل نے اپنے معروف زمانہ "افریقہ کورپس" کو افریقہ میں چھوڑ دیا حالانکہ
لڑنے کے لئے ہتھیاروں' جذبے اور ہمت کی کمی نہ تھی۔ رومیل جنگ جیت نہ سکتا تھا' شکست
کچھ عرصہ کے لئے موخر کر سکتا تھا۔ کیا ان دونوں جرنیلوں نے بھی رشوت لے لی؟ کیا وہ بزدل
؟ کیا سب کچھ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوا؟ سچی بات تو یہ ہے کہ شکست کا صدمہ سہنے کیلئے
جرنیل کا شیر دل ہونا ضروری ہے ان حالات میں خاص طور پر جب کہ اسے معلوم ہو شکست
نہیں سیاسی عوامل کی بنا پر ہو رہی ہے!

میں اچھے اور برے لمحوں میں اپنے فوجیوں کے ساتھ ساتھ رہا۔ میں نے لڑائیوں میں ان کی
ات کی مسرتوں میں شرکت کی اور جنگ کے خاتمے پر قید کے دوران ان کی بے آرامی او
ت میں بھی حصہ دار بنا۔ میں نے ایک پکے اور سچے سپاہی کی طرح اصولوں پر پورا پورا عمل کیا۔
اپنی فوجوں کو وہیں چھوڑ کر ایک دوست ملک میں پناہ لے سکتا تھا۔

اس کے لئے میرے پاس وقت تھا' ذرائع تھے اور وسائل و مواقع بھی' مگر ہماری بہادر فوج
ایات' میرا ضمیر' عزت نفس' اپنی فوجوں کے سلسلے میں میرے فرائض میری اخلاقی ذمہ داریوں

اور میرے آباؤ اجداد کی روایات کی بنا پر میں اپنی فوجوں کے ساتھ ہی رہا۔

میرے خیال میں واقعات کا یہ مختصر سا تذکرہ آپ کو ان مسائل و مشکلات کی ایک جھلک دکھانے کے لئے کافی ہوگا جن کا مجھے میرے افسروں اور میرے جوانوں کو مسلسل نو ماہ تک سامنا رہا۔ میں چاہتا تھا جنگ جاری رہے۔ میری فوجیں بھی آخر دم تک لڑنا چاہتی تھیں اور اس کے متعلق میں نے اپنے سینئرز کو بے شمار پیغامات میں اور زبانی بھی بتا دیا تھا۔ ایک بار نہیں دو بار نہیں کئی بار بتا دیا تھا۔"

مجھے یقین تھا ہندو ہمیں میدان جنگ میں شکست نہیں دے سکیں گے۔ میں اپنے اس یقین محکم میں یوں حق بجانب تھا کہ ہندو ہر ممکن سہولت اور ساز گار ترین حالات کے باوجود نو ماہ کے اندر مشرقی پاکستان کی ایک انچ زمین پر قبضہ نہ کر سکے' تا کہ وہاں بنگلہ دیش کی حکومت قائم کر سکیں نو ماہ کے طویل عرصے کے باوجود افراد' سامان اور متعلقات میں افسانوی کثرت کی موجودگی اور انتہائی ساز گار حالات کے ہوتے ہوئے بھارتی مشرقی پاکستان کے وسیع و عریض علاقے سے حصول مقصد کے لئے چھوٹا سا ٹکڑا بھی ہم سے نہ چھین سکے۔

اس سے ظاہر ہو جاتا ہے پاکستانی سپاہی کس جرات و ہمت اور مہارت سے لڑے۔ انہوں نے کس قدر مستعدی کا مظاہرہ کیا' کتنی مہارت سے لڑائیوں کے منصوبے بنائے گئے اور ان پر پورا عمل ہوا۔ مشرقی محاذ پر لڑنے والے ہندوستانی جرنیلوں کی اکثریت یوں بے رخی سے فوج رخصتی کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ اگر اس وقت کی حکومت نے مغربی پاکستان کے محاذ پر قسم کی جنگ شروع کرنے کی حماقت نہ کی ہوئی تو بھارتی اپنا مشن پورا کرنے میں کامیاب نہ تھے۔

(مغربی محاذ پر جنگ میرے مشورے کے خلاف اور میرے علم کے بغیر چھیڑ دی گئی) مار مار کر پاکستان کی سرحدوں سے نکال پھینکتا۔ گزشتہ کئی ماہ بھی تو یہی کچھ کرتے رہے تھے ہم

صدر اور کمانڈر انچیف پاکستان کے حکم اور چیف آف دی آرمی سٹاف آف پاکستان کے مشورے پر جنگ بند کر دی گئی۔ یہ پیغام گورنر مشرقی پاکستان ڈاکٹر اے۔ ایم مالک کیا تھا۔ یہ پیغام ڈاکٹر مالک کے پیغام کے جواب میں آیا تھا جو انہوں نے اور صرف صدر پاکستان کو بھیجا تھا۔

یہ پیغام 13 دسمبر کی رات کو موصول ہوا' لیکن میں نے ہتھیار ڈالنے کی دستاویز پر

۔ کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ نہ تو مجھے جنگ بند کرنے کا شوق تھا نہ جلدی؟ یہ حکم ملنے 13 کی صبح کو میں نے اخباری نمائندوں سے ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں خطاب کیا تھا۔ میں کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر بتا دیا تھا کہ ہم ہر حالت میں جنگ جاری رکھیں گے۔ اس دن میں وعیت کے احکام افواج کو جاری کئے۔ آپ کو ان ساری باتوں کا علم ہے' کیونکہ آپ اس ٹھہرے ہوئے تھے۔ گورنر ڈاکٹر مالک سمیت کئی افراد مجھ پر مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے کہ رت کرانے کے لئے احکام کے مطابق جنگ بند کروں۔

ن کا کہنا تھا اس طرح افراد و املاک کی تباہی بھی رک جائے گی اور میری افواج مغربی لی سویلین افراد کی جانیں اور مغربی پاکستانی خواتین کی عصمت محفوظ رہے گی۔ مجھے حیرت رہے کہ آپ کے رتبے کا آدمی سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس سطح پر اتر سکتا ہے۔ اس وہ ہو سکتی ہے۔

الف) بدنیتی پر مبنی یہ الزام لگانے کے لئے آپ کو رشوت دی گئی۔ یہ امکان اس لئے نظر کیا جا سکتا کہ آپ کا ہمارے خلاف لڑنے والے ہندوؤں اور بنگالیوں کے ساتھ چالیس سا یارانہ تھا۔ (ب) یا کہ جب میں نے آپ کی اس تجویز کو مسترد کیا کہ ڈھاکہ کو کھلا شہر جائے' آپ نے اسے ذاتی اہانت سے تعبیر کیا ہو اور پھر دشنام طرازی پر اتر آئے ہوں۔ لی ہو' آپ کے رتبے کے کسی فرد کو جو بین الاقوامی ادارے کی نمائندگی کر رہا ہو زیب نہیں ں قدر من گھڑت' بے سروپا باتوں میں خود کو ملوث کرے۔ لاتعداد لوگ گواہ ہیں جب میں ے پاکستان پہنچا میرے پاس تھوڑا سا ذاتی سامان اور چھ سو روپے نقد تھے۔ یہ تھا میرا اثاثہ

لم نے خط کے آغاز میں "اینڈرسن پیپرز" کا وہ اقتباس لکھا جس میں آپ نے مجھ پر لایا ہے۔ میں یہاں "سٹار" کراچی (17 دسمبر 1971ء) کی ایک خبر نقل کر رہا ہوں' تا کہ لو بھی سامنے آ سکے۔ "اس جیسے دنیا میں کم کم ہی ہوں گے۔ (سٹار سپیشل)

"واشنگٹن 17 دسمبر مشرقی محاذ کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل نیازی نے جنگ بند کرنے پر کا اظہار کیا ہے۔ یہاں اس فیصلے کو انسانیت دوست' شریف النفسی اور بہادری کا نام دیا جا ۔ کہا جاتا ہے جنرل نیازی اور ان کی فوجیں ایک اور چھ کے تناسب اور بری' بحری اور فضائی ماسے ضروری اشیاء کی سپلائی عدم موجودگی کے باوجود مہینوں جنگ جاری رکھ سکتے تھے۔

لیکن اس سے شہری آبادی کا بے پناہ جانی نقصان ہوتا۔ روک ٹوک اور مزاحمت نہ ہونے کی
سے بھارتی فضائیہ نے شہری آبادیوں اور تنصیبات پر زبردست بمباری کی ہے۔

''سرکاری حلقوں کا کہنا ہے جنرل نیازی شہری آبادی خصوصاً مشرقی پاکستان میں
مہاجرین کو مکتی باہنی کے ظلم وستم سے بچانے کے لئے جنگ بند کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ بھا
کمانڈر انچیف جنرل مانک شانے تو پست ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا تھا
جنگ بند نہ ہوئی تو میں مکتی باہنی کو کھلی چھٹی دے دوں گا جو چاہیں کریں۔

''امریکی محکمہ خفیہ اطلاعات کے ذرائع سے مرتب کردہ رپورٹوں میں کہا گیا ہے کہ
نیازی اور ان کی فوجوں نے جس قدر مزاحمت کی ہے' عسکری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی
قسم کی ضروریات سے محروم کردی جانے والی فوج اتنے طویل عرصہ تک اس قدر جرات و ہمت
نہیں لڑی۔ کہا جاتا ہے کہ کوئی اور کمانڈر ہوتا تو مروجہ جنگی ضوابط کے مطابق مہینوں پہلے ہتھیا
دیتا' لیکن اس باہمت پاکستانی کمانڈر اور اس کے منظم سپاہیوں نے ناقابل تصور مشکلات
باوجود بھارتیوں کی جرات سے مزاحمت کی۔

''یہاں ملنے والی اطلاعات کے مطابق مشرقی محاذ پر جنگ بھارتی فوجوں کو ہزار
تعداد میں جانی نقصان اٹھانا پڑا۔''

آپ نے میرے دامن کو داغدار کرنے' میری وفاداری' صلاحیت اور جرات کو بٹہ لگا
لئے جو الزام لگایا' وہ سراسر بے بنیاد ہے۔ ننھا سا پتا ہوا کے تھپیڑوں کے سامنے بے بس ہو
ادھر جھولنے لگ جاتا ہے مگر میرا کردار دولت کے جھگڑوں میں بھی غیر متزلزل رہنے وا
دولت تو مشرقی پاکستان میں روپے سے بھرے ہوئے ٹرکوں' مشرقی پاکستان کے بینکوں او
خزانوں میں موجود تھی اور سب کچھ میرے کنٹرول میں تھا۔ اگر پیسہ ہی لینا تھا تو تیرہ ا
بجائے نونقد پر ہی اکتفا کرتا۔ اور تیرہ ادھار بھی عیار بنیئے سے؟ جو سیکولرازم کی بنسی بجا کر
نظریئے کو شروع ہی سے تاراج کرنے میں مصروف ہے۔

میں کراچی اور لاہور جیسے بڑے شہروں میں دو بار مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر رہا۔ میں
ہوں' کوئی آئے ثابت کرے' میری آنکھیں روپے کی چمک سے چکا چوند ہوئی ہوں۔
عادات راتوں رات نہیں بدل جاتے۔ اگر میری صلاحیت' وفاداری' دیانت داری اور جرا
ذرہ بھر مشکوک ہوتی' تو ملازمت کے دوران مشکل' صبر آزما اور کلیدی آسامیوں پر تعی

جی ملازمت صدیوں سے ہمارا خاندانی پیشہ ہے۔ ہم فوج کی ملازمت روپے پیسے یا دنیاوی
کے لئے نہیں کرتے۔

ہمارا مقصود عزت' وقار اور روایات کی پاسبانی ہوتا ہے۔ میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ میرا ہر
پے سینئرز کے احکام مشوروں اور اصرار کا نتیجہ ہے۔ جنگ بند کرنے کے حکم پر عمل کرنے کے
ے لئے کوئی چارہ نہ تھا۔ کیونکہ اعلیٰ حکام کے احکامات کی تعمیل دنیا بھر میں صدیوں سے
کی روایت چلی آ رہی ہے۔ کوئی غدار ہی عزت بیچ سکتا ہے۔ مجھے رشوت میں کیا ملا؟
ں کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر' ہتھیار ڈالنے کا دلخراش ''اعزاز'' دل سے اٹھتے درد کی ٹیسیں کہ
اور مغربی پاکستان کے عوام کو حقیقت حال تک پہنچنے میں کچھ سال لگیں گے کچھ وقت لگے گا۔
ر دیر سے بے نقاب ہوں گے۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وطن عزیز ایک بازو کٹ جانے کا صدمہ جو مفاد پرست عناصر اور
ازلی دشمن پڑوسی کے پیدا کردہ انتہائی جذباتی حالات کے نتیجے میں ہوش وحواس کھونے
پنے ہی بھائی بندوں کے ہاتھوں عمل میں آیا اور بازو بھی وہ جس میں لاتعداد سہروردی' ناظم
تمیز الدین' نورالامین' فرید احمد افضل القادر' فضل الحق اور کوئی ان جیسے رہتے تھے۔

نواب سراج الدولہ (حاکم بنگال) کی روح اضطراب و پریشانی کے عالم میں مشرقی پاکستان
کے کونے میں گردش کر رہی ہوگی کہ میر قاسموں (حملہ آور کے ایجنٹ) نے مشرقی پاکستان
سر اٹھالیا ہے۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ مشرقی پاکستان کے المیے نے اور بہت سی باتوں کے علاوہ ایک لطیفے کو بھی
ہے۔ اس لطیفے کا خاص پس منظر ہے۔ پہلے پس منظر پھر لطیفہ...... بچے نے پوچھا ''بڑے ابا!
تے بوڑھے ہو گئے ہیں۔ اس عمر میں آم کی قلم لگانے کا کیا فائدہ؟ کیا آپ کو یقین ہے کہ
اس کا پھل کھاسکیں گے؟'' میں یہ پودا لگا رہا ہوں تا کہ میری اولاد اور ان کی اولاد اس کا پھل
''اور اب وہ لطیفہ کسی نے عنفوان شباب میں مشرقی پاکستان میں ایک پودا لگایا تا کہ وہ اور
اس کے اقربا اس کا پھل کھاسکیں۔ وہ زمین کی مبالغے سے بھی بڑھ کر زرخیز نوعیت سے آگاہ
تھا۔ چشم زدن میں پودا بڑھنے لگا تو پودا لگانے والا ششدر رہ گیا۔ اس کے اوسان خطا ہو
ان کا ایک حریف پودے کو تیزی سے پھلتا پھولتا بڑھتا دیکھ رہا تھا۔ اس کی باچھیں کھل گئیں' وہ
تھا اور ایک طفیلی کی مدد سے پودا لگانے والے کو ہٹا کر خود قابض ہو گیا۔ پودے کا پھل میٹھا
تھا۔ اس سے لطیفے کا دامن خالی ہے!

اختتام سے پہلے چلتے چلتے کہہ دوں کہ مشرقی پاکستان کے حالیہ واقعات نے پوری دنیا پر
واضح کر دیا ہے کہ بھارت ہمارے مشرقی پاکستانی بھائیوں کے لئے محض مگرمچھ کے آنسو بہا رہا ہے۔
وزیر اعظم پاکستان اور ان کی ٹیم کا ڈھاکہ میں بھارت کے کٹھ پتلی حکمرانوں کی خواہشات
اور کوششوں کے برعکس جس گرمجوشی، محبت اور جوش ولولے سے استقبال ہوا، وہ حالات بدلنے
پہلا واضح اشارہ تھا۔ بعد میں پیش آنے والے واقعات نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ دو قومی
نظریہ اتنا عظیم اور اتنا مضبوط ہے جتنا کوہ ہندوکش اور زہریلے سے زہریلا پروپیگنڈہ اور بڑے
سے بڑا مسلح حملہ بھی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ اس قسم کی ہر کوشش کے مقدر میں الٹی زد تحریر
مجھے مشرقی پاکستان کے ان بھائیوں کو سلام کرنا ہے جو بھارت کی ہلاکت انگیز چالوں کو بھی
تاڑ گئے یہاں اس امر کا ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا۔ مارچ 1971ء میں مولانا بھاشانی بھارت کے
میں آ کر چھپتے چھپاتے بھارت چلے گئے تھے۔ اب اس سال میں مولانا بھاشانی بھارت کی
سامانیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے۔ کھلے بندوں لاکھوں لوگوں کا جلوس لے
بھارت کی سرحد تک پہنچ گئے۔ وہ چاہتے تھے بھارتی سرحد میں گھس کر دنیا کو بتا دیں کہ بڑے
بڑا استحصال، بمباریاں اور گولہ باریاں بنگلہ دیش کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتیں جتنا بھارت فر
کے مقام پر پانی...... بند کر کے پہنچانا چاہتا ہے کہ مشرقی بنگال کی سرزمین سیراب نہ ہو اور
جائے۔ مکافات عمل (NEMESIS) نے بھارت کے گرد گھیرا ڈال دیا ہے، اس پر اپنے
کی پاداش میں بھاری سزا بھگتنا ہو گی اور ہر دو مسلمان بھائی اب اس منظر کو دیکھ رہے ہیں۔
بے عملی اور حماقتوں سے ہاری ہوئی جنگ انشاء اللہ سیاسی حکمت عملی اور تدبر و فراست سے جی
جائے گی۔ امیدوں کے چمن میں ہریالی کے آثار نظر آتے ہیں۔ اتحاد و مفاہمت کی ہوائیں
لگی ہیں۔ اب نگاہیں ایک ہی سمت اٹھی ہیں دل ساتھ ساتھ دھڑکتے ہیں ذرا کوئی سفیر ا
شاندار استقبال کا نظارہ یاد تو کرے! جغرافیائی فاصلے اور سرحدوں کے بندھن بجا، عقل کا
سے دور میں پکار اٹھتی ہیں ہم دو ہیں۔ مگر وجدان و عشق زمین فاصلوں کو سمیٹتے سرحدوں کو
نعرہ زن ہیں ہم ایک ہیں، ہم ایک ہیں، ناقابل تقسیم ہیں اور وہ جو عقل مند ہیں جانتے
وجدان عقل سے آگے کا مقام ہے۔

(آپ کا مخلص۔ اے اے کے نیازی)

مسٹر پال ہنری اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل یو۔ این۔ او
نیو یارک امریکہ

سقوط بنگال تا سقوط ڈھاکہ

کرنل ریٹائرڈ سید مہدی ایس ایس جی کے سابقہ کمانڈر اور آپریشن جبرالٹر کے حوالے سے
رت کما چکے ہیں 65ء میں جب گوریلا آپریشن تربیت دیا جا رہا تھا تو کرنل مہدی نے
ی کمانڈر کی حیثیت سے اس آپریشن سے اصولی طور پر اختلاف کیا اور لگی پٹی رکھے بغیر
پنی بے لاگ رائے ظاہر کر دی۔ یہ اصولی اختلاف اتنا زیادہ بڑھا کہ پھر انہیں فوج سے
اختیار کرنی پڑی۔

کرنل مہدی اب تک درجنوں مضامین دفاع کے حوالے سے لکھ چکے ہیں وہ فوجی نوعیت کی
دیوں میں کمال کا ملکہ رکھتے ہیں۔ جنگی تاریخ پر ان کی نظر بہت گہری اور مطالعہ بے پناہ
ل صاحب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ 71ء کی شکست کی بناء 65ء میں رکھ دی گئی تھی آیئے ان
ت سے استفادہ کیجئے۔

یک برطانوی جریدے کے علاوہ متعدد پاکستانی اخبارات میں ایک سینئر فوجی افسر ریٹائرڈ
ل راؤ فرمان علی اور اس سے پہلے ملک غلام جیلانی سے منسوب حال ہی میں یہ خبر شائع
1965ء کی جنگ مسٹر بھٹو اور ان کے ٹولے کی سازش کا نتیجہ تھی اس سازش کا مقصد یہ تھا
تان پر ایوب خان کی گرفت کمزور پڑ جائے اس خبر کی تصدیق کے لئے میرے پاس
شواہد تو موجود نہیں تاہم میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ بالواسطہ شاہد اس الزام کی صحت کی
ہنمائی کرتے ہیں۔

ل سازش کا اصل سبب فیلڈ مارشل ایوب خان جو ان دنوں سپریم کمانڈر اور سربراہ ریاست
وجی پس منظر میں تلاش کیا جا سکتا ہے عوام کو اب اصل حقیقت سے آگاہ ہونا چاہیے۔
ولین، سکندر اعظم، دیگر جرنیلوں کے سوانح مطالعہ کرنیکی بجائے ہمارے موجودہ فوجی
لیئے یہ معلومات زیادہ اہمیت کی حامل ہیں ورنہ انہیں 1965ء اور 1971ء کی جنگوں اور
بے (جن سے ہم اب دوچار ہیں) پوری طرح آگاہی حاصل نہ ہو سکے گی۔

یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ فوجی معاملات میں ایوب خان کو گمراہ کر
مشکل نہ تھا کیونکہ جنگی گہرائی' اس کے حدود اور نتائج وعواقب کو سمجھنے کی ان میں استعداد نہ تھ
خان کو آسام رجمنٹ کی بٹالین کی کمان سے میجر جنرل REESE نے 1945ء میں الگ
تھا یہ بٹالین برما میں مصروف پیکار تھی میجر جنرل ریس وہی شخص ہے جسے بعد میں پنجاب با
فورس کا کمانڈر بنایا گیا تھا اور دوسری جنگ عظیم کے باقی عرصے میں ایوب خان کو غیر ج
تفویض ہوئے تھے جس پر پرانی 15 پنجاب رجمنٹ کی گریژن بٹالین مقیم قلعہ شاگئی (صو
کی کمان میں شامل تھی یہ بٹالین پیرانہ سال اور طبی نقطہ نظر سے کمزور فوجیوں پر مشتمل تھی اور
پہلی جنگ عظیم کی خاصی نفری شامل تھی۔

1947-48ء میں قائداعظم نے ترقی کے معاملے میں ایوب خان کو نظرانداز کر
اس سے جونیئر دو افسروں کو میجر جنرل کے عہدے پر ترقی دے دی تھی اور ایوب خان
پاکستان گیریژن کی کمان پر روانہ کردیا گیا۔ یہ گیریژن فی الحقیقت ایک بریگیڈ گروپ
اور وہاں ان کی حیثیت (LOCAL - UNPAID) ''مقامی اور غیر تنخواہ دار میجر ج
ان میدان جنگ میں غیر جنگجویانہ صلاحیتیں اور ایک نکمے مفکر کی حیثیت سے ایوب خان'
جس کا اظہار جنگ اور امن کے دنوں میں 1947ء تک...... پھیلے ہوئے ان کے ریکار
ہے' ایک لحاظ سے اس امر کا ذمہ دار ہے کہ انہوں نے اپنا جانشین ہمیشہ پیشہ ورانہ ا
اخلاق قدروں کے حامل شخص کو منتخب نہ کیا۔

آخر کار صرف اور صرف قائداعظم کی وفات کے بعد' انگریز کمانڈر انچیف گریسی
پر 1948ء میں ایوب خان میجر جنرل کے عہدے پر ترقی دے کر انہیں ایڈ جوٹنٹ جنر
اور ستمبر 1950ء میں وہ پہلے پاکستانی کمانڈر انچیف بنے۔

آئیے اب ہم گریسی کے ساتھ کچھ لمحات گزاریں۔

1947ء میں میسروی' کمانڈر انچیف کی غیر حاضری میں گریسی نے جو چیف آ
فیلڈ مارشل آکنلک کی ہم نوائی میں قائداعظم کو مجبور کیا کہ وہ پاک فوج کے باقاعدہ د
بھیجنے کے احکامات کو واپس لیں۔ قائداعظم کا پہلا فیصلہ بالکل درست تھا اور اگر اس پ
جاتا' تو یہ پاک بھارت جغرافیائی سیاست کے قطعی مختلف چلن کو جنم دیتا۔ گریسی

ورانہ اقدام اور پاکستان کے مفادات کے خلاف عجیب وغریب رویہ کی علت غائی میں کون سے
انہ مقاصد پنہاں تھے؟ آئیے اب ہم گریسی کے رویئے کا بھارتی افواج کے کمانڈر انچیف
ل لاک ہاؤٹ کے پیشہ ورانہ اور اخلاقی طور پر صحیح اقدام پر موازنہ کریں۔

ماؤنٹ بیٹن' نہرو اور شیخ عبداللہ کی سازش کے نتیجے میں کشمیری عوام کی اکثریت کی مرضی
برعکس' بھارت کو ریاست کشمیر کے معاملات میں براہ راست مداخلت کی دعوت دی گئی' اور
ل لاک ہاؤٹ نے نہ صرف اسکیم بنائی بلکہ مختلف اقدامات میں ربط ونظم پیدا کیا اور پالم
رٹ کے رن وے سے جنگی سازوسامان اور بھارتی فوجیوں کی بذریعہ ہوائی جہاز سری نگر کے
روانگی کی بھی نگرانی کرواتا رہا۔ اگر قائداعظم کے فرمان پر عمل درآمد ہوجاتا تو قبل اس کے کہ
ی افواج کا قابل ذکر اجتماع ہوتا' سرینگر پر ہماری افواج کا بہت پہلے قبضہ ہوچکا ہوتا ہمارا المیہ
ہے کہ اس وقت ہمارا ایک بریگیڈ ایبٹ آباد سے کوچ کر کے سری نگر پر چڑھ دوڑنے کی
ن پوزیشن میں تیار کھڑا تھا۔

اس المیے کا دوسرا باب اس وقت لکھا گیا' جب حکومت پاکستان نے آخرکار کشمیر میں باقاعدہ
بھیجنے کا فیصلہ کرلیا' اور اس کے نتیجے میں ہماری فوج کی حربی صف بندی مکمل ہوچکی تھی کہ گریسی
واب کمانڈر انچیف بن چکا تھا جنگ بند کرادی۔ اس سلسلے میں اس نے دلی میں مقیم اپنے مد
اسے جنگ بندی کا گٹھ جوڑ کر کے حکومت پاکستان کو جنگ بند کرنے پر مجبور کیا۔ وجہ صاف
ہے جوابی حملہ کے سلسلے میں پاک افواج بہت فعال کمانڈر یعنی بریگیڈیئر شیر علی خان کی
ی میں بیری پتن کے حربی اعتبار سے بے حد اہم پل اور اس کے اردگرد ویسی ہی اہم
ل پر حملہ کر کے قابض ہونے کو تیار بیٹھی تھیں۔ فی الحقیقت توپ خانہ کی گولہ باری کا آغاز ہو
جس نے بھارتی فوج کے سازوسامان اور افراد کو بھاری نقصان پہنچایا۔ یہ حقیقت ہے کہ
فوجی سراسیمگی کے عالم میں اکیلی چند چوکیوں کو خالی کر کے بھاگ اٹھے تھے ان تمام
ت میں سکندر مرزا نے جو بہت بااختیار سیکرٹری دفاع تھے جسے آئندہ سالوں میں پاکستانی
پر اپنا منحوس سایہ ڈالنا تھا گریسی کی مکمل حمایت کی اسی عہد میں سکندر مرزا ایوب خان کے گٹھ
آغاز ہوا۔ پہلے کہا جاچکا ہے کہ ایوب خان کو نظرانداز کرتے ہوئے دو افسروں (جو بریگیڈیئر
ترقی دے دی گئی تھی۔ یہ افسر نذیر اور افتخار تھے جنہیں قائداعظم نے ساتویں اور دسویں

ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ مقرر کیا تھا۔ ناصر علی خان کو بھی ترقی دی گئی جو کہ ایوب خان سے
جونیئر تھے۔ پاکستان کے لئے یہ عظیم سانحہ تھا۔ کہ جنرل افتخار جنہیں گریسی کی جگہ کمانڈر انچیف
نامزد کیا گیا اور بریگیڈیئر شیر خان، ملٹری کراس جو بہت ذہین افسر تھے۔ فضائی حادثے میں جام
شہادت نوش کر گئے۔ اگر افتخار زندہ رہتے اور ہماری افواج کے اولین کمانڈر ان چیف بنتے
تو 1965ء کی جنگ میں ایوب خان، موسیٰ خان اور ٹکا خان کو اپنے مکمل اناڑی پن کے اظہار کا موقع
نہ ملتا اور پھر یہ بھی ہے کہ 1971ء کے سقوط ڈھاکہ کا المیہ پیش نہ آتا جنرل افتخار پیشہ ورانہ طور پر
بہت ہی مستعد اور اخلاقی لحاظ سے نہایت اچھے سپاہی تھے۔ تاہم مقدر تو پاکستان کی قسمت سے درد
ناک کھیل کھیل رہا تھا۔ پہلے قائداعظم ہم سے رخصت ہوئے پھر لیاقت علی خان شہید ہوئے اور
آخر میں بدقسمتی سے مذکورہ ہوائی حادثے میں پاکستانی افواج کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اور کیا
یہ عام ہوائی حادثہ تھا یا شعوری سبوتاژ کا عمل۔

مجھے یقین کامل ہے کہ اگر 1965ء کی جنگ میں پاک فوج کے کمانڈر انچیف جنرل افتخار
نوابزادہ شیر علی یا حبیب اللہ خٹک ہوتے اور جنگی ساز و سامان وہی ہوتا جو 1965ء میں ہمیں میسر
تھا تو آج پاکستان کی سرحدوں میں نہ صرف پورا کشمیر بلکہ وہ تمام علاقے شامل ہوتے
اگست 1947ء میں ماؤنٹ بیٹن نے نہایت دغابازی سے کام لیتے ہوئے ہم سے ہتھیا لیے
تھے۔

ایوب خان سے قائداعظم کی برہمی حق بجانب تھی ان کو ایوب خان کی نہ صرف عسکری
کوتاہیوں کا علم تھا بلکہ ایوب خان مسلمان مہاجرین کے جان و مال کی موثر حفاظت کرنے سے
قاصر رہے تھے۔ باؤنڈری فورس کے غیر مسلم عناصر کی فعال اور درپردہ اجازت سے قاتل
لٹیرے سکھوں کے جتھے مسلمانوں پر حملہ کر کے انہیں لاکھوں کی تعداد میں ہجرت کرنے پر مجبور کر
رہے تھے۔ حکومت پاکستان نے ایوب خان کو اپنی طرف سے باؤنڈری فورس کے کمانڈر
جنرل ریس کا مشیر نمائندہ مقرر کیا ہوا تھا۔ یہ وہی ریس تھا جس نے برما میں ایوب خان کو 45ء
میں کمان سے ہٹایا تھا۔ "نوائے وقت" "زمیندار" اور "پاکستان ٹائمز" جیسے قومی اخبارات
فائلوں پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ مسلم لیگی اور دیگر سماجی کا
نے ایوب خان کی اپنے مقدس، اہم اور نازک فرائض سے لاپرواہی پر جو تنقید کی اس سے
روزناموں کے کالم بھرے پڑے ہیں اس تنقید میں اس حد تک کہا گیا کہ اس وقت جب

ے ہنوں اور منگولوں کے ہزاروں مسلمانوں پر لگائے ہوئے جسمانی اور روحانی زخموں سے
رہا تھا، ایوب خان غیر سنجیدہ تقاریب کی شرکت میں مصروف تھے، ایوب خان کا منتخب کردہ
یحییٰ بقول جنرل ریٹائرڈ مظفر الدین کے اخباری بیان (وفاق 14 اپریل 88ء) اور کرنل
سالک کی کتاب کے مطابق، محلات میں نیرو بنا دن رات رنگ رلیاں مناتا رہا۔

گریسی کی بے وفائی اور سکندر مرزا ایوب خان کے کردار کے متعلق بیان کردہ نکتے کے
کے طور پر ڈاکٹر کلیم صدیقی کی تصنیف "پاکستان میں بحران کشمکش اور "جنگ" سے متعلق موثر
قتباس ذیل میں دیا جاتا ہے۔

"دولت مشترکہ، جس میں پاکستان اور بھارت دونوں نے آنکھ کھولی، ننھالی رشتے کا ایسا
بت ہوئی جس نے نو آزاد ریاستوں کو "مادر وطن" سے ملا دیا۔ برطانوی تاج ولایت کا
جب کہ خسروی ترجیحات اور سٹرلنگ ایریا شیر مادر کے مترادف تھا جس پر دونوں ڈومینین
تھے فی الحقیقت مضبوط ترین رشتہ تو افواج کا تھا گو یہ حقیقت تقسیم ملک کے فوراً بعد اجاگر نہ

ایوب خان کے الفاظ میں حب الوطنی، شعوری فرائض، وفاداری اور سول اتھارٹی کی مکمل
زاری کی عظیم روایات پاک فوج کو بلاشبہ ورثے میں ملی تھیں لیکن یہ روایات لچک دار تھیں
رادنے جب کشمیر پر قبضہ کا آغاز کیا تو جناح اکتوبر 1947ء میں بذریعہ ہوائی جہاز لاہور
لائے پاکستان کے اعلیٰ ترین سول حکمران جناح نے پاک فوج کو کشمیر میں داخل ہونے
اس حکم کی تعمیل نہ کی گئی جو واقع پیش آیا وہ کچھ یوں تھا کہ جناح نے قائم مقام کمانڈر
نرل سر ڈگلس گریسی کو کشمیر میں پاک فوج بھیجنے کا حکم دیا سول حکمران کے احکامات کی
لی بجائے گریسی نے جناح کو برطانوی افسروں کی واپسی کی دھمکی دے کر ان پر گویا
نالی..... کلیم صدیقی مزید لکھتے ہیں۔

ایوب خان جو جنوری 1951ء میں پاک فوج کے کمانڈر انچیف بنے اور میجر جنرل سکندر
ناپولیٹیکل سروس کا سول سرونٹ ڈیفنس سیکرٹری تھا یہ دونوں سینڈہرسٹ گریجوایٹ تھے
نا سازشیں کرنے والے ذہن کا مالک تھا شمال مغربی سرحدی صوبے میں برطانوی
بجنٹ کی حیثیت سے اسے (سازشیں کرنے کا) طول تجربہ حاصل تھا ایوب خان کا ذہن
کے کمانڈر کا سا تھا۔

گزشتہ پیروں (Paras) میں ایوب خان کے پیشہ ورانہ پس منظر کے سلسلے میں جو
تفصیلات بیان ہوئیں ان کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ایک ایسے انسان کی تحقیر و توہین کی جائے جو از
واقعات سے پردہ اٹھانے کی پوزیشن میں نہیں جو 1965ء کی اندھی گلی کی طرف دھکیل لے گئے
بلکہ ہمارا مقصود تو قارئین کو اس حقیقت سے روشناس کرانا ہے کہ کسی اور کی نسبت مسٹر بھٹو جیسے
زیرک، چالاک اور مشہور مہم جو نے یہ تاڑ لیا کہ میجر جنرل اختر حسین ملک یحییٰ وغیرہ کے سیاسی عزا
اور ایوب خان کی انا پر کھیل کھیل کر ایوب خان کو جنگ کے طفلانہ تصور پر قائل کرنا بہت آسان ہ
جیسا کہ حالیہ پریس رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے اس سلسلے میں نوکر شاہی کے اعلیٰ ترین عہدیدار
فائز افسر بھی بھٹو کی حمایت کر رہے تھے اس بچگانہ منصوبے کی مخالفت نہ کر کے موسیٰ نے بالواسطہ
پر بھٹو کی مدد کی لیکن وسعت پرواز کے فقدان کی بنا پر وہ قابل معافی ہیں تاہم موسیٰ کے جنرل سٹا
کو اتنی آسانی سے معاف نہیں کیا جا سکتا چیف آف جنرل سٹاف اور ڈائریکٹر ملٹری آپریشن
منصوبے کے سنگین نتائج کا ادراک رکھتے ہوئے بھی اس وقت خاموشی اختیار کئے رہے جب
نے (کہ فوج کے سپیشل سروس گروپ کی کمان کر رہا تھا) اس کارروائی کے بارے میں مفصل
پیش کئے جو کہ بعد میں صحیح ثابت ہوئے وجہ؟ مذکورہ بالا افسران ذہین ہوشیار اور لائق فائق شما
جاتے تھے انہوں نے سادہ لوح ایوب خان کو (بھٹو کا) آلہ کار کیوں بننے دیا ایسے حالات
جب قوم کی قسمت خطرے میں ہو تو خاموشی کو ڈسپلن کے ضابطے کا جواز بنا کر پیش نہیں کیا جا
امر تو یقیناً ہم سب فوجی تاریخ کے حوالے سے جانتے ہی ہیں یا کیا یہ بات بھی سٹاف کالج
اکادمیوں میں ہی پڑھائی جاتی ہے۔

ایوب خان نے یا تو حالات کا غلط اندازہ لگایا یا پھر اخبارات اور جریدوں میں چ
خبروں کے مطابق کسی ٹولے کی مجرمانہ سازش کے باعث پاکستان کو 1965ء کی جنگ میں
دیا گیا حقیقت یہ ہے کہ 6 ستمبر 1965ء کو بھارتی گولہ باری راکٹوں اور گولیوں کی بوچھ
عوام سراسیمگی کے عالم میں بیدار ہوئے ریاست کے سربراہ اور فوج کے سپریم کمانڈر ایوب
جو پیشہ ورانہ طور پر سادہ لوح مگر اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود محب وطن تھے۔
......ایئر وائس مارشل ایم اختر' چیف آف ایئر سٹاف نے میٹھی نیند سے جگا کر بتایا
فضائیہ کے آپریشن سنٹرز کے مطابق بھارتی فضائیہ کی بڑی بڑی ٹکڑیاں ہمارے اہم ہوا
اور دیگر مواصلاتی مراکز کی طرف بڑھ رہی ہیں خدا کا شکر ہے کہ کوئی تو پاکستان میں جاگ

پاک فوج کو تباہ کرنے کی سازش اس حد تک ابلیسانہ تھی کہ 6 ستمبر 1965ء کی صبح کو پاک
فوج کے یونٹوں کے بڑے حصوں کی افرادی قوت پچیس فی صد کم تھی کیونکہ سپریم کمانڈر اور کمانڈر
انچیف یا ان کے جنرل سٹاف نے بھارت کے ساتھ بھرپور جنگ کو یقینی تو کہاں امکانی بھی خیال
نہ کیا اور اس طرح رخصت پر گئے فوجیوں کی چھٹیاں بھی منسوخ نہ کیں ضمناً یہاں یہ عرض کر دیا
جائے کہ رن کچھ کے موقع پر تمام فوجیوں کی رخصتیں منسوخ کر دی گئی تھیں جو کہ صحیح عمل تھا۔

خواہ یہ حالات و واقعات کے متعلق غلط فہمی یا غلط اندازے کی وجہ سے ہوا کہ پاک فوج
6 ستمبر 1965ء کو اس وقت جنگ میں دھکیل دی گئی جب اس کی افرادی قوت پچیس فی صد کم تھی تو
بھی یہ کوتاہی ناقابل معافی ہے کیونکہ کمانڈر انچیف اور اس کے جنرل سٹاف کو بخوبی علم تھا کہ کشمیر کی
ساری وادی ایک ماہ سے زائد عرصے سے آگ کی لپیٹ میں ہے اور چھمب جوڑیاں سیکٹر میں
شدید زمینی اور فضائی لڑائیاں ہو رہی ہیں جن میں بکتر بند فوج توپ خانہ اور پیادہ فوج بڑی تعداد
میں حصہ لے رہی ہے چنانچہ ہمیں چار و ناچار ان دعوؤں کو تسلیم کرنا ہی ہوگا کہ فوجی شکست و ریخت
کے لئے جنگ ستمبر سوچی سمجھی ابلیسانہ سازش تھی۔

ایوب خان کے ہاتھوں ذاتی وفاداریوں کی بنیاد پر جنرل موسیٰ کا بطور فوجی سربراہ انتخاب
1965ء میں پاکستان کے لئے قریب قریب تباہ کن ثابت ہوا ایوب خان کی فہم و فراست کی دوسری
بڑی غلطی یہ تھی کہ 1966ء میں پاک فوج کو یحییٰ خان کے حوالے کر دیا گیا اور پھر مارچ 1969ء
میں مملکت پاکستان کو یحییٰ خان کی تحویل میں دے دیا گیا یہ بات کہ انہوں نے موخر الذکر کارروائی
جیسا کہ بہت سے مبصرین بشمول میجر جنرل فرمان علی اور ملک غلام جیلانی کا خیال ہے بعالم
مجبوری یا رضا کارانہ طور پر کی اس وقت تک پردہ اخفا میں رہے گی جب تک 1965ء کی جنگ کے
تصور عمل اور نتائج کی عدالتی تحقیقات نہیں کی جاتی۔

ڈیفنس جرنل کراچی کے شمارہ ۸ (1975) اور شمارہ ۹ (1976) میں ماہر فوجی مبصرین کے
بعض تبصرے نقل ہوئے ہیں 1965ء کی جنگ میں ہائی کمان کی حد درجہ پیشہ ورانہ نااہلی کے الزام
کے ثبوت کے طور پر یہ تبصرے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

”1965ء کی جنگ میں ایک انفنٹری ڈویژن جسے دشمن پر برتری حاصل تھی زیادہ تر بے کار
اور غیر فعال رہی تھی یہ ڈویژن ہر چہار اطراف ”سایوں“ کا تعاقب کرتی رہی اور جنرل ہیڈ کوارٹر کو غلط
رپورٹیں بھیجتی رہی .... جنگ کے پہلے ہی روز صف بندی کا نظام درہم برہم ہو گیا دشمن کے

قرب کے متعلق ذہن میں بجلی کی مانند کوندنے والے خیالات نے سوچے سمجھے منصوبے کے پرخچے اڑا دیئے۔"

(لیفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمٰن)

ریٹائرڈ میجر جنرل شوکت رضا کا کہنا ہے "3 ستمبر 1965ء کو میجر جنرل شیر بہادر چیف آف جنرل سٹاف نے ڈائریکٹروں کی ایک کانفرنس منعقد کی ہمیں بتایا گیا کہ ہماری افواج نے کشمیر کی جنگ بندی لائن عبور کر کے چھمب پر حملہ کر دیا ہے لیفٹیننٹ کرنل ریاض احمد (شعبہ تاریخ) نے استفسار کیا کہ آیا لاہور اور سیالکوٹ کے دفاع کے لئے مناسب احتیاطی تدابیر اختیار کر لی گئی ہیں کیونکہ بھارت ردعمل کے طور پر ان علاقوں پر لازماً حملہ آور ہو گا ڈائریکٹر ملٹری انٹیلی جنس (بریگیڈئر ارشاد) نے جس کی تائید ڈائریکٹر ملٹری آپریشنز (بریگیڈیئر گل حسن) نے کی حاضرین کو یقین دلایا کہ بھارت بھرپور جنگ چھیڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔

ریٹائرڈ میجر جنرل احسان الحق ملک کا بیان ہے "مجھے اس وقت بھی احساس ہوا تھا اور ا پر نگہ واپسیں ڈالنے پر اس خیال کو مزید تقویت ہوئی ہے کہ ہمیں زبردستی جنگ میں دھکیلا گیا ستمبر 6 سے پہلے ہم بیرکوں سے باہر نکل آئے تھے اور کارروائی کے لئے مستعد و تیار صف بند ہو ہمہ تن متوجہ تھے اس کے باوجود ہمیں یہ بالکل معلوم نہ تھا کہ جنگ چھڑنے کی صورت ہمیں ٹھیک ٹھیک کیا کرنا ہو گا۔"

ایک اور فوجی مبصر کا خیال ہے کہ 1965ء کی جنگ میں ہماری ہائی کمان نالائق، نااہل، قوت متخیلہ سے عاری ثابت ہوئی جنگی عمل کے دوران حد درجہ دخل اندازی مہلک اختلافات چھوٹے چھوٹے اختلافات ابھر کر سامنے آئے بعض سینیئر افسروں کی کامیابیاں حد درجہ بڑھا کر پیش کی گئی تھیں۔

1965ء کی جنگی حکمت عملی کے متعلق ایک اور بات اہم ہے کہ پاک فوج کو نام نہاد دفاعی تصور کے تباہ کن حربی نظریئے نے بہت نقصان پہنچایا اس نظریئے کی کڑوی گولی بھی مخالفت کے باوجود ہر سطح پر پاک فوج کے کمانڈروں کے حلق سے اتاری گئی ایوب خان اور موسیٰ کے علاوہ جن پر پیشہ ورانہ معصومیت کا الزام عائد کیا جا سکتا ہے جنرل یحییٰ خان چیف جنرل سٹاف اور جنرل حمید ڈائریکٹر جنرل ملٹری ٹریننگ اس فراڈ کے اصل مرتکب قرار دیئے ہیں یہ تصور جنگ کے پہلے ہی روز تلخ حقائق کا سامنا نہ کر سکا اور ذلت کی موت مر گیا لیکن

اس کے خالق ابھی زندہ ہیں اور پاکستان کا تمسخر اڑا رہے ہیں۔

اسی طرح جنرل یحییٰ اور جنرل حمید نے پاک فوج میں جو زہر گھولا تھا وہ خدمت قوم کے سلسلے میں ان کی واحد کارکردگی نہ تھی 1965ء کی جنگ میں ان کا رویہ نرم سے نرم الفاظ میں "مشتبہ" نااہلی کا تھا۔

اس وقت اختر حسین ملک کے خلاف خواہ کچھ بھی کہا جائے لیکن اس امر کا حد درجہ امکان موجود تھا کہ اگر جنرل موسیٰ نے انہیں غلط موقع پر کمان سے الگ نہ کیا ہوتا تو وہ اغلباً اکھنور پر قبضہ کر لیتے اور اس سے 1965ء کی جنگ ایک ایسا رخ اختیار کرتی جو پاکستان کیلئے انتہائی خوشگوار ہوتا ان حاصل کرنے پر یحییٰ خان نے اکھنور پر قبضے کے لئے کوئی اقدام نہ کیا کچھ بھی تو نہ کیا اکھنور قبضے سے اصل منصوبے کی نظریاتی کمزوریوں کی تلافی ہو جاتی لیکن یحییٰ خان نے کوئی کوشش نہ کی طلوع آفتاب سے رات گئے تک مسلسل شراب پیا کرتا تھا اور رنج کی نشستوں میں جن کے جام جاتا تھا ان چند لمحات میں جب وہ مدہوشی کے چنگل سے آزاد ہوتا۔

اس کا مشہور شغل اپنے اور اپنے حواریوں کے حق میں پروپیگنڈہ ہوتا...... صف اول کے قومی اخبار "نوائے وقت" کی 10 مارچ 1978ء کی اشاعت میں ایک فوجی مبصر کا حد درجہ تجزیاتی مضمون شائع ہوا تھا جس میں مضمون نگار نے یحییٰ کی المناک کارکردگی کی تصدیق و توثیق کی تھی اور لکھا تھا کہ یحییٰ، حمید، نکا خان، وغیرہ کو 65ء کی جنگ کے بعد ریٹائر کر دینا چاہئے تھا۔

جنرل حمید اپنے دوست سے بھی دو قدم آگے نکل گیا کھیم کرن، امرتسر سیکٹر میں بھارت پر کاری ضرب لگانے کا پاکستان کو نادر موقع ملا جسے جنرل حمید نے ضائع کر دیا وہ نمبر 1 آرمرڈ ڈویژن اور اپنی 11 انفنٹری ڈویژن کے فورس کمانڈر کی حیثیت سے حملے کے انتظام و انصرام کا ذمہ دار تھا۔

یہ گویا اس کے پاس ترپ کا پتا تھا اس کارروائی میں وہ ناکام و نامراد رہا اور اس نے یہ ترپ کا پتا بھی گنوا دیا کھیم کرن کا حملہ تین وجوہات کی بنا پر ناکامی سے دوچار ہوا ایک تو فورس کمانڈر کی سطح پر کنٹرول کمان کا فقدان، دوسرے فوجی نقل و حرکت میں سامان حرب و رسد اور ربط و ضبط کی خرابیاں، اور تیسرے بکتر بند ہراول فوج کے لئے پیادہ سپاہ کی ناکافی امداد ان تینوں کوتاہیوں کا براہ راست ذمہ دار فورس کمانڈر جنرل حمید ہی تھا۔

جنرل یحییٰ خان اور جنرل عبدالحمید دونوں ہی حد درجہ ذہین اور لائق سپاہی کی شہرت کے

حامل تھے سٹاف کالج کوئٹہ میں دونوں نے معلم کی حیثیت سے اچھی خدمات سرانجام دی تھیں اور
ایوب خان' جنرل موسیٰ اور جنرل ٹکا خان کے برعکس پیشہ ورانہ دیوالیہ پن کا شکار نہ تھے...... چنانچہ
1965ء اور 1971ء کی جنگوں میں ان دونوں کے اطوار حد درجہ مشتبہ دکھائی دیتے ہیں اور یہ بات
فقط اور فقط اس امر کی طرف دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں پاکستان کو تباہ کرنے پر تلے بیٹھے...... تھے
صد افسوس کہ وہ بالآخر 1971ء میں اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو ہی گئے۔

1965ء کی جنگ کے بعد سے یہ بات ہر جگہ کہی جا رہی ہے کہ مسلح افواج نے حکومت سے
مزید دو انفنٹری ڈویژنوں کے قیام کی منظوری طلب کی تھی اس وقت سے باخبر حلقے یہ کہہ رہے ہیں
کہ مسٹر شعیب' وزیر خزانہ نے فنڈز دینے کی سختی سے مخالفت کی ورنہ پیدل فوج کی دو ڈویژنیں جن
کی اشد ضرورت تھی قائم ہو جاتیں اور اس طرح بھارت کی بری فوج کے مقابلے پر ہماری بری فوج
کا تناسب تین اور ایک کا ہو جاتا اگر یہ صحیح بات ہو تو مسٹر شعیب کے انکار کی تہہ میں پنہاں وجہ کا
سراغ لگانے کے لئے بھرپور عدالتی تحقیقات کی ضرورت ہے خدا کرے یہ انکار معاندانہ غیر ملکی
اثر ورسوخ کے تحت نہ کیا گیا ہو۔

یہ بات بھی عام ہے کہ وزارت امور خارجہ نے جنرل موسیٰ کمانڈر انچیف کو یقین دہانی کرائی
تھی کہ وزارت کے پاس اس امر کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ جب تک مسلح کشمکش کشمیر کی متنازعہ
ریاست تک محدود ہے بھارت بین الاقوامی سرحدوں کو عبور کر کے حملہ آور ہونے کا کوئی ارادہ نہیں
رکھتا عوام کو یہ جاننے کا حق ہے کہ آیا اس نوعیت کا نوٹ وزارت امور خارجہ نے فی الحقیقت بھیجا
اور اگر بھیجا تھا تو وہ کون سے محرکات تھے جن کی بنا پر اس وزارت کا سیکرٹری غلط نتیجے پر پہنچا جو
موسیٰ' کمانڈر انچیف اور ان کے جنرل سٹاف کے غلط چلن کے باوجود جس کے باعث انہوں
پاک افواج کو جنگی اہمیت کے حامل مقامات پر تعینات نہ کیا مذکورہ نوٹ کے مصنف کو معاف نہ
کیا جا سکتا۔

اس مختصر سے مضمون میں ان سازشوں کی جانب بار بار اشارہ کیا گیا جو پاکستان کی تصو
منازل کے دوران اور قیام پاکستان کے بعد پروان چڑھتی رہیں ان سازشیوں میں سرفہر
ماؤنٹ بیٹن کا نام ہے جس نے ریڈکلف ایوارڈ کا سنگدلانہ تمسخر اڑایا...... گریسی نے اس کی
راہ پر چل کر قائداعظم کے صحیح فیصلے کے خلاف بغاوت کر کے پاک فوج کو کشمیر میں داخل ہ
سے روکے رکھا کلائیو کی پیروی کرتے ہوئے گریسی نے اسکندر مرزا کی ذات میں حیاتیاتی

خلائق ہونے کے ناطے سے میر جعفر ڈھونڈ نکالا کلائیو اور میر جعفر کی طرح ان دونوں نے
ے پاکستان کے حکام کو ایسے نازک موقع پر جنگ بندی کے لئے مجبور کیا جب بریگیڈیئر
یر علی خان کی سرکردگی میں ایک اعلیٰ منصوبے کے تحت حملہ ہونے کو تھا۔

کندر مرزا اور گریسی ایوب خان کو کمانڈر انچیف بنانے کے لئے کامیاب لابی کرتے ہیں
ے بعد 1958ء تک اسکندر مرزا' ایوب خان کے مفادات کو آگے بڑھاتا اور ان کی
رتا رہتا ہے اعلیٰ ترین سیاسی اقتدار کی اندرونی لڑائی میں بالآخر شکست کھانے سے پیشتر
زا' مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے پاکستانی سیاست میں داخلے کا اہتمام کرتا ہے اور اکتوبر
میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ایوب خان کی کابینہ میں مسٹر بھٹو کو وزیر صنعت و قدرتی
رر کراتا ہے۔

ں طرح جغرافیائی سیاسی میدان میں اسکندر مرزا اپنی نمائندگی کے لئے ذوالفقار علی بھٹو کو
تا ہے آخر کار 69-1968ء میں ایوب خان بھٹو سے سیاسی شکست کھاتے ہیں تاہم
ی جغرافیائی حدود کو یحییٰ خان کی تحویل میں دے کر وہ اعلیٰ ترین اختیارات کے حصول کے
ں بھٹو کی کوششوں کو کامیاب نہیں ہونے دیتے بنیادی طور پر فوج نہیں بلکہ گل حسن کے
بر 1971ء میں بالآخر بھٹو اعلیٰ ترین اختیارات حاصل کر لیتا ہے اور اب 1978ء میں
اہش ہے کہ ٹکا خان اس کا جانشین بنے اور موخرالذکر اپنے قائد کے لئے "اپنی جان قربان
ی قسم کھاتا ہے" اگر یہ محض ٹکا خان کی جان آفرینی کا سیدھا سادھا معاملہ ہو تو یہ کوئی باعث
سئلہ نہیں خس کم جہاں پاک۔

پاکستان کے ہاتھوں اگر بھارتی بری افواج کی فیصلہ کن جنگی شکست کا کبھی کوئی امکان تھا تو
ا میں موجود تھا یا یوں کہہ لیجئے 63-1962ء سے لے کر 1965ء تک یہ امکان موجود تھا
عوام کو یہ بات معلوم نہیں اور نہ ہی انہیں کبھی اعتماد میں لیا گیا کہ بعض غیر متوقع حربی
ے باوجود پاکستان نے بھارت کے خلاف 1965ء کی جنگ برتر فوجی ساز و سامان کے
ی یہ وہ پوزیشن ہے جس کے حصول کا مستقبل قریب میں کوئی امکان نظر نہیں آتا بریگیڈیئر
صدیقی نے اپنے بہت اچھے مضمون بعنوان جنوبی ایشیاء کی مسلح کشمکش۔ 1965ء میں نہایت
ے ساتھ پاکستان کے نسبتاً برتر ہتھیاروں مثلاً امریکی ساختہ پیٹن ٹینک' درمیانے درجے کا
توپخانہ ایف 86 لڑاکا بمبار طیارے ایف 104 سٹار فائٹرز اور بی 57 بمبار طیاروں کی

ترتیب وتشکیل کا نقشہ کھینچا ہے اس صحیح صحیح تصویر کشی کی تائید واشنگٹن سے جاری ہونے والی انگریز
سے بھی ہوتی ہے جس کا عنوان ہے بھارت اور پاکستان کے ہتھیاروں کا تقابل اور جسے ڈیفنس
جرنل کے 1965 کی جنگ کے خصوصی اور بہترین شمارے .....(جلد 3 شمارہ 109 سال
1977ء) میں نقل کیا گیا ہے ہر دو افواج کی آرمرڈ قوت قریب قریب یکساں ہے لیکن پاکستان
کے ٹینک جدید ترین اور پاکستان کی فضائیہ جدید ترین ...... بھارت کے پاس تعداد زیادہ ہے پاک
فضائیہ نے بہترین قیادت کے تحت حربی ساز وسامان ...... ہوائی جہاز' نظام راڈار' مرمت اور
گیری ...... ایئر فورس نے برتری کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اور فضائی جنگ یقینی اور فیصلہ کن طور پر جیت
لی ...... یونٹ اور چند رفیع الشان صورت میں بریگیڈ اور ڈویژن کی سطح پر ہمارے فوجی جوانوں اور
جونیئر افسروں کی ہمت' حوصلہ' شجاعت اور بے مثال جذبہ جاں نثاری کے باوجود اعلیٰ قیادت
نااہلی کے باعث بری افواج کے جنگی ساز وسامان کی موجودگی کا پورا پورا فائدہ نہ اٹھایا گیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ اس قسم کے ٹکا خان جان کا نذرانہ پیش نہیں کرتے ...... یہ لوگ تو ہزاروں
لاکھوں سادہ لوح اور دیانت دار افراد کو موت کی آغوش میں دھکیلتے ہیں تا کہ نکلے اور بھوان
لاشوں کے انبار کو زینہ بنا کر اندھے مفادات کے لئے کامل اختیارات کی بے نیام تلوار چلائیں۔

ٹکا خان بہت ہی نکما سپاہی تھا۔ اس میں ایوب خان کی فطری شان اور چمک مفقود ہے
صفات ایوب خان نے علی گڑھ اور سینڈھرسٹ سے حاصل کی تھیں۔ دوسری جنگ عظیم میں ٹکا خان
کا ریکارڈ صفر کے برابر ہے۔ اپنے سینے کی تزئین کے لئے اسے نہ تو کوئی ملٹری کراس ملا اور نہ کوئی
نمایاں خدمات کا حکم نامہ ملا۔

1939-45Distinguished Service Order ء کے عرصے میں اگر وہ
کارکردگی کا ذکر کر سکتا ہے تو وہ فقط یہ ہے کہ وہ اس عرصے میں جنگی قید بن گیا۔

رن کچھ میں اس کی کارگزاری ادنیٰ ترین تھی۔ اس لڑائی کے اصلی ہیرو بریگیڈیئر (بعد
ازاں میجر جنرل) مرحوم افتخار جنجوعہ ہلال جرات تھے۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں ٹکا
خان کو کوئی اعزاز نہ ملا۔ درآں حالیکہ یہ کہ ایوب خان اور جنرل موسیٰ نے میڈلوں کی بوریاں بھر
کر تقسیم کیں۔ بعض افراد کے معاملے میں اپنی کوتاہیوں کی پردہ پوشی کے لئے ایسا کیا گیا۔ بالآخر
اگست 1971ء میں یحییٰ خان نے اسے ہلال جرات بخشا۔ کس خوشی میں؟

آئیے اب ہم 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں ٹکا خان کی کارکردگی کا خود جائزہ لیں۔

ب ابلیسانہ طور پر پلان کردہ لابی کی پیداوار ہے' اور وہ 1965ء کی جنگ کے تمام ایام
کار بیٹھے) اپنے ''انگوٹھوں سے کھیلنے'' کا شغل فرماتے رہے۔ آئندہ سطور ان کی کارکردگی کا
خلاصہ پیش کرتی ہیں'' 1965ء کی جنگ میں ایک انفنٹری ڈویژن' جسے دشمن پر برتری
فی زیادہ تر بیکار وغیرہ فعال رہی۔ یہ ڈویژن ہر چہار اطراف ''سایوں'' کا تعاقب کرتی
رجنرل ہیڈ کوارٹر کو غلط رپورٹیں بھیجتا رہا۔ معقول فوجی بصیرت کی غیر موجودگی میں ایسا ہونا
تھا''

یہ اقتباس ہم نے لیفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمٰن کی ''اعلیٰ قیادت'' (Senior
Leaders سے لیا ہے' اور بالخصوص ٹکا خان پر تو یہ فیشن کے مطابق تیار کردہ پروپیگنڈہ مہم
رکام نہ لیا جاتا تو ان ایام میں جب وہ ''سایوں'' کا تعاقب کرتا اور غلط رپورٹیں بھیجتا رہا' اس
ہٹی' نہ ہو جاتی تو 1965ء کی جنگ کے بعد تو حکومت اسے لازماً فارغ کر دیتی۔

کہا جاتا ہے' یہ ''سایے'' جن کا تعاقب ہو رہا تھا۔ ان بھارتی کمانڈوز پر مشتمل تھے جو ٹکا
کے ڈویژن کی فرسٹ لائن کے عقب میں مصروف کار تھے۔ یہ نکتہ بھی دوسرے جنگی امور مثلاً
فوجوں کی صفوں کے مقابلے پر دشمن کی فوجی طاقت کی طرح ٹکا خان اور اس کے کرنل سٹاف
ین سنگین اختلافات کا موجب بنا۔ سادہ لوح عوام کو شدید چکمہ یہ دیا کہ اپنی ڈویژن جو فقط
ٹ شہر اور چھاؤنی کے دفاع پر مامور تھی' کے مقابلے پر دشمن کی طاقت کو جان بوجھ کر بڑھا
کے پیش کیا۔ سیالکوٹ فرنٹ کے بقایا سیکٹر کا دفاع جنرل ابرار حسین' اور بریگیڈیئر اے اے
کے مشہور 24 بریگیڈ اور دوسری سپاہ کے سپرد تھا۔

اس بریگیڈ اور سپاہ کو جنرل ابرار کی چھٹی آرمرڈ ڈویژن کی رفاقت میں بھارت کے ایک
ہند اور دو ماؤنٹین انفنٹری ڈویژنوں کے شدید حملوں کو ناکام بنانے کا شرف حاصل ہے۔ ٹکا
ل اپنی ڈویژن کو بھارت کے تقریباً ایک بریگیڈ نے جارحانہ انداز میں قابو کر رکھا تھا۔ کمانڈر
نے اپنے اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری کے توسط سے جب مجھ سے ہماری ڈویژن کے
بلے پر دشمن کی طاقت کے متعلق اپنی رائے کے متعلق استفسار کیا' تو میں نے ایک سگنل بعنوان ''
ڈیل ڈویژن کے کرنل سٹاف کی طرف سے کمانڈر انچیف کی خدمت میں'' صاف صاف تحریر
ل میری ذاتی رائے کے مطابق پندرھویں ڈویژن کو ناموافق حالات کا سامنا در پیش نہیں۔
ہے' ٹکا خان کو یہ رائے ناگوار خاطر گزری میں جس نکتے پر زور دینا چاہتا ہوں' وہ یہ ہے کہ ایام

جنگ میں کسی مرحلے پر بھی ٹکا خان کی ڈویژن پر دشمن کا دباؤ نہیں پڑا۔ اس پہلو کو ایک حالیہ مو
میں جو ایک قومی روزنامے .... (نوائے وقت 10 مارچ) میں شائع ہوا تھا' ایک ار
مبصر نے اجاگر کیا ہے۔

آیئے اب ہم اس امر کی طرف لوٹیں جسے عتیق الرحمٰن نے ٹکا خان کی طرف سے "سایۂ
تعاقب" کا موزوں نام دیا ہے' یعنی پندرھویں ڈویژن کی فرنٹ لائن کے پیچھے دشمن کے کم
کا جعلی اور من گھڑت قصہ اس مسئلے کو حل کرنے اور اس نکتے کو شکوک و شبہات کے دھندلکے
سے نکالنے کے لئے ڈویژنل انٹیلی جنس یونٹ کے آفیسر کمانڈنگ کو معاملے کی تہہ میں جا کر
اسباب کا سراغ لگانے پر مامور کیا گیا کہ جن کی بنا پر سیالکوٹ شہر اور چھاؤنی پر اور اس سے
مواصلاتی رابطے کے علاقے میں تقریباً روزانہ فائرنگ ہوتی تھی۔ اس کے نتیجے میں دو فوجی افر
کئی افراد شہید ہو گئے تھے۔ انٹیلی جنس کے کمانڈنگ نے جو رپورٹ پیش کی' اس سے یہ امر قطع
پر ثابت ہو گیا کہ ہماری فرنٹ لائن کے عقب میں دشمن کے کمانڈوز کے مصروف پیکار ہونے
کوئی شواہد نہیں۔ میں دہراتا ہوں نہیں ملے۔ اس رپورٹ میں مزید کہا گیا تھا کہ یہ تمام فائر
وغیرہ جنگ کی پیدا کردہ دھندلاہٹ کے باعث ہوئی۔ ہر بار' یہ فائرنگ اپنی ہی فوج نے شنا
کی غلطی کھا کر اپنے ہی لشکر پر کی۔ کرنل سٹاف نے یہ رپورٹ جنرل ٹکا خان کو دکھائی جس نے
پڑھا اور اس پر اپنے مختصر دستخط ثبت کئے۔

اس کے بعد کرنل سٹاف نے معمول کی کارروائی کی اور جنرل ہیڈ کوارٹرز کی اطلاع کے
سگنل دیا کہ ہماری فرنٹ لائن کے عقب میں نہ تو کبھی دشمن کے کمانڈوز موجود تھے اور نہ اب
دوسرے یہ بھی لکھا تھا کہ اس فائرنگ نے فرنٹ لائن کی سپاہ کے مقابلے پر مواصلاتی فوج
پست حوصلگی سے جنم لیا ہے اور تیسرے یہ سفارش کی گئی تھی کہ جنرل آفیسر کمانڈنگ (ٹکا خا
فیلڈ جنرل کورٹ مارشل کی کارروائی کرنے اور مثالی سزا دینے کے اختیارات تفویض کئے
تا کہ اس سراسیمگی پر فی الفور قابو پایا جائے۔ ساری دنیا کی افواج کا یہ عام معمول ہے' ا
تاریخ کے طالب علم اس دعوے کی بلا تامل تائید کریں گے' یہ سگنل پڑھنے کے بعد ٹکا خان
ہو گیا' اور اسے یہ خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں یہ سگنل اس کی برطرفی یا موقوفی کا موجب نہ بن
اس نے بلا تاخیر جی ایچ کیو سے اس سگنل کی منسوخی کی درخواست کی۔ بقایا کارروائی کے
کی لابی مستعد موجود تھی۔

رنل سٹاف کا ارسال کردہ سگنل ہیڈ کوارٹر 15 ڈویژن ملٹری انٹیلی جنس ڈائریکٹریٹ اور
ٹ جنرل کی برانچ (پی ایس ڈائریکٹریٹ) کے ریکارڈ میں موجود محفوظ ہونا چاہئے۔ جنگ
جنرل موسیٰ کمانڈر انچیف کو ایک رپورٹ کے ذریعے اس واقعے سے سرکاری طور پر بھی
یا گیا۔

اس رپورٹ کا جس میں ٹکا خان کی فاش غلطیوں کی نشاندہی کی گئی تھی' کوئی جواب موصول نہ
ونکہ اس وقت جنرل موسیٰ کو بخوبی علم ہو چکا تھا کہ فوج کے اندر اور باہر ٹکا خان کی حمایت پر
مضبوط لابی موجود ہے' یہ وہی لابی تھی جس نے یحییٰ خان کی سرکردگی میں تین سال بعد
ملک پر قبضہ کر لیا۔ مجھے امید ہے کہ اب تو قوم کے وسیع تر مفادات کے پیش نظر اور اس
کی روشنی میں کب کے "حیاتیاتی" سائے پھیل رہے ہیں' جناب جنرل موسیٰ حقائق سے
ائیں گے' تا کہ جب وہ خالق حقیقی کے حضور پیش ہوں' تو ان کے ضمیر پر کوئی بوجھ نہ ہو۔

بلحاظ تاریخ جنگ پلاسی کا فاتح کلائیو ہے جس نے صرف آٹھ سو انگریز سپاہ اور دو ہزار دو سو
راد یعنی کل تین ہزار سپاہ کے ساتھ بنگال' بہار اور اڑیسہ کو دو گھنٹے کی لڑائی کے بعد انگریزی
ت کا غلام بنا دیا۔ کلائیو کے صرف تین درجن کے قریب سپاہی کام آئے' لیکن اہل نظر جانتے
اس جنگ کا اصل فاتح' سراج الدولہ کی فوج کا سپہ سالار میر جعفر تھا جو پچاس ہزار فوج لئے
کے مقام پر اسلامی اقدار و اقتدار کی خودکشی کا نظارہ کرتا رہا۔ اس نے غداری سے کام لیتے
سراج الدولہ کی حکم عدولی کی کہ وہ کلائیو سے پہلے ہی ساز باز کر چکا تھا۔

اسی علاقے میں جو بعد میں مشرقی پاکستان کے نام سے موسوم ہوا' تاریخ کو پھر دہرایا گیا۔
یوں اور میر جعفر کی سی خصلتوں کے مالک بعض افراد اور افواج پاکستان کا کمانڈر انچیف اپنی
رج لئے مغربی پاکستان میں ناؤ نوش میں مصروف رہے' اور اسلامی اقدار و اقتدار کی' دوسری
ئی کا میر جعفر کے تتبع میں نظارہ کیا گئے ...... آیئے ان احوال کا ٹھنڈے دل کے ساتھ جائزہ

1971ء کا المیہ : سقوط ڈھاکہ

ہمارے ہائی کمان نے 1965ء میں جو حماقتیں کی تھیں ان میں 1971ء کی جنگ مر
دونوں محاذوں پر کئی گناہ اضافہ ہو گیا تھا ہمارے عوام اس حقیقت سے نا آشنا ہیں کہ 1971ء
جنگ تو دراصل مغربی پاکستان میں ہاری گئی مغربی محاذ پر ہماری افواج اگر کوئی فیصلہ کن اور حر
اعتبار سے اہم فتح کر لیتیں تو باعزت جنگ بندی کی امید کی جا سکتی تھی لیکن صحرا میں لا حاصل ر
اور اس کے ساتھ اس حقیقت کہ جوابی حملہ کرنے والی ہماری فوج کو پاک فضائیہ کی مناسب اہ
حاصل نہ تھی اس کے باعث ہمارا حشر 1965ء میں کھیم کرن کے سانحے سے بھی برا ہوتا فضا
امداد مہیا نہ کئے جانے کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ہمارے اگلے (forward) ہوائی اڈوں پر ز
ساز و سامان موجود نہ تھا یہ امر پاک فضائیہ کے دیگر سینئر افسروں کے علاوہ ایئر مارشل رحیم نے
1971ء میں پاک فضائیہ کے کمانڈر انچیف تھے کئی جگہوں پر بشمول غالباً حمود الرحمٰن کمیشن تسلیم
ہے۔

ان سب نے یہ کہہ کر کہ اگلے ہوائی اڈوں کو حرکت میں لانے کے لئے مناسب پیشگی نو
نہ دیا گیا تھا تمام تر ذمہ داری جنرل ہیڈ کواٹرز پر ڈال دی ہے اس مسئلے پر میں کسی سے بھی مبا
کرنے کو تیار ہوں بشرطیکہ یہ مباحثہ قومی سطح (مثلاً پریس، ٹیلی ویژن، عدالتی کمیشن، یا فوجی ٹریبو
پر ہو یہاں بیان کردہ حقائق سے کیا نتیجہ نکلتا ہے یہی کہ 1965ء اور 1971ء کی جنگوں کے متع
فوری تحقیقات کا آغاز ہونا چاہئے اور غدار اور نمک حرام بے نقاب ہوں ان پر مقدمہ چلے اور ا
سزا دی جائے صحیح عدالتی طریق کار کے مطابق جب تک یہ نہیں ہوتا ہماری مسلح افواج اور ہماری ق
کو سیاسی جنگجوؤں اور دیگر مہم پسندوں کے یکے بعد دیگرے فراڈ کی بڑھتی ہوئی بیماری سے نجا
دلانا ممکن نہیں 1965ء کی جنگ کا اگر صحیح احتساب ہو جاتا اور وہ لوگ جنہوں نے جنگی اہمیت
حامل پلوں کو اڑا دیا جنہوں نے ہمارے کئی معرکوں میں بے تدبیری غلط نظم و ضبط اور گمراہ کن
سے کام لیا جنہوں نے پاک فوج کے سپاہیوں کی رخصتیں منسوخ نہ کیں جنہوں نے پاکستان

پر جنگی اہمیت کے حامل مقامات پر فوج کی سرنگوں کا جال بچھے (جو لگائی بھی نہ گئیں)
کے پیچھے تعینات نہ کیا اپنی سزا کو پہنچتے تو 1971ء کے المیے کو بڑی آسانی کے ساتھ روکا جا

1965ء کی جنگ میں جرنیلی سڑک پر پیرا شوٹ کے ذریعے اترے جانے والے فرضی
دشمن سے دسمبر 1971ء میں راولپنڈی سے ڈھاکہ بھیجے جانے والے جھوٹے پیغامات
ال سے بھورے اور جنوب سے سفید لوگ پاکستان کے حق میں مداخلت کے لئے آ رہے
وئی زیادہ فرق نہ تھا جنرل ہیڈ کوارٹرز سے ایسے پیغامات بھیجنے والے وہی لوگ تھے جو
ء کے حد درجہ اہم جنگی عمل میں ناخوشگوار حرکتوں کے مرتکب ہوئے۔

1965ء کا ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز (گل حسن) 1971ء میں چیف آف جنرل
تھا اور 1965ء کا جنرل آفیسر کمانڈنگ انفنٹری ڈویژن (جنرل حمید) جو ان دنوں کھیم کرن
تے میں (دونوں ڈویژنل کمانڈروں سے سینئر تھا) جوابی حملے کے سلسلے میں ربط و ضبط، کمان
دہ سپاہ کی امداد کا ذمہ دار تھا 1971ء میں چار ستاروں والا جرنیل اور پاک فوج کا چیف آف
تھا۔

کیا ہمیں کم سبق ملا ہے کہ یہ لازمی ہے کہ ہم موجودہ میر جعفروں اور میر صادقوں کو مجرم
نے کا کام اپنی آئندہ نسل پر چھوڑ دیں ہمارے لئے اب یہ ضروری نہیں رہا کہ ہم ہاتھ پر
ھرے بیٹھے رہیں کیونکہ ہر دو ناقابل تردید حقائق ہمارے سامنے ہیں اور 1965ء اور
1ء کی جنگ کا ایک المناک پہلو یہ تھا کہ اس نے لیفٹیننٹ جنرل پیرزادہ جیسے راسپوٹینوں
لئے وسیع میدان چھوڑ دیا جہاں وہ لہو و لعب میں مشغول اور آرام پسند ایک اور محمد شاہ رنگیلے کے
ے تلے بیٹھ کر ذاتی مفادات کو آگے بڑھاتے تھے آیئے ہم پرامید ہو کر رب العزت کے حضور
ریں کہ ویسا بھیانک دور اب کبھی نہ آئے آپ بھی میرے ساتھ مل کر آمین کہیئے۔

قبل ازیں، میں کہہ چکا ہوں کہ پاکستان نے 1971ء کی جنگ مغربی محاذ پر ہاری۔ مشرقی
ان کو 16 دسمبر 1971ء کے المیے میں شرکت کے الزام سے مبرا قرار دیئے بغیر اب ہم اپنے
ے کے حق میں تائیدی شہادت پیش کرتے ہیں صدیق سالک نے اپنی بہترین کتاب "وٹنس ٹو
ر" میں بیان کیا ہے "مشرقی پاکستان میں 7 دسمبر کو ہی جب جنرل نیازی گورنر مالک کی

موجودگی میں عالم ندامت میں رو دیئے وہ ناامید ہو چکے تھے" مشرقی محاذ پر مسلح افواج کے
رپورٹر اور افسر تعلقات عامہ کی حیثیت سے سالک نے اس عظیم المیے کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا
کا بیان ہے کہ مشرقی کمان کے ہیڈ کوارٹرز میں 7 دسمبر کو مایوسی پھیل چکی تھی" مغربی محاذ پر
افواج نے کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کی تھی" اور 7، 8 اور 9 دسمبر کے ایام جنرل نیازی پر
بھاری گزرے وہ اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئے اور آئندہ تین راتیں قریب قریب
حرکت پڑے پڑے گزاریں ان کی شگفتہ مزاجی اور بذلہ سنجی رخصت ہو چکی تھی دل کے مر
مانند ڈھاکہ یکایک دھڑام سے گر گیا نہ تو اس کے اعضاء قطع کیے گئے اور نہ اس کے جسم کا
گیا۔

آیئے اب ہم راولپنڈی چل کر دیکھیں کہ کمانڈر انچیف کیا شغل فرما رہے تھے"
سرنڈر" ہی سے ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمایئے "یحیٰی خان غم غلط کرنے میں مصروف تھے انہو
3 دسمبر ہی سے جنگ میں دلچسپی لینا چھوڑ دی تھی اور وہ پھر کبھی اپنے دفتر نہ آئے بالعموم ا
سیکرٹری ان کے پاس نقشہ لے جایا کرتا تھا بعض اوقات وہ اس پر اچٹتی سی نگاہ ڈال لی
اور یوں تبصرہ فرماتے "مشرقی پاکستان کے لئے میں کیا کر سکتا ہوں یہ بھی سننے میں آیا ہے
دنوں یحیٰی خان حافظ شیرازی کا یہ مصرع پڑھا کرتے تھے۔

ایں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ

(بہتر ہے کہ ان لایعنی کاغذات کو شراب سے بھرے مٹکے میں غرق کر دیا جائے)"

محاذوں کے سپہ سالاروں کے اس چلن کے باوجود ہر میدان میں جنگ میں فوجی جوانوں او
افسروں نے غیر مربوط چھوٹی چھوٹی کاروائیوں میں جو جنگی چالوں اور حربی مقاصد سے عار
بے پایاں مشکلات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اور انتہائی حوصلے اور بے جگری سے کام لیتے
شجاعت کی ایسی داستانیں تخلیق کیں کہ دشمن بھی دنگ رہ گیا اور اس طرح انہوں نے چھ سال
بھی کم عرصے میں دوسری بار ہائی کمان کی قومی مقاصد سے بے وفائی کا کفارہ ادا کیا۔

معزز قارئین آپ بھی میرے ساتھ مل کر ان تمام بری، بحری، اور فضائیہ کے سپاہیوں،
مجاہدین اور دیگر گمنام محب وطن افراد کو خاموش خراج تحسین پیش کریں جنہوں نے امید کی
راہیں مسدود ہو جانے کے باوجود تمام خطرات سے بے پروا ہو کر داخلی بے وفائی اور غدار

ارت کی ننگی جارحیت اور فوج کشی کا مشرقی محاذ پر ڈٹ کر مقابلہ کیا ان کی عظیم الشان قربانیوں کے
ر حوصلہ شکن حالات میں ان کے معرکتہ آلاراء کارنامے اور ان کی شجاعت پر مشتمل رزمیہ
ستانیں جنم نہ لیتیں اور ہمارے معاشرے کو مزید خفت اٹھانا نہ پڑتی ان غازیوں کے معرکوں
شہیدوں کے خون سے پاکستان کی فضاء عطر بیز ہے ماضی کی بعض تفصیلات کے چھپے اور کھلے
رے بے نقاب کرنے کا واحد مقصد قوم کو مستقبل کی سازشوں کے خلاف مستعد کرنا ہے۔

اس برصغیر کے مسلمانوں نے 1756ء میں جنگ پلاسی اور 1971ء میں سقوط ڈھاکہ کے
قع پر پہلے ہی بہت بھاری قیمت ادا کی ہے ہمیں اپنے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو ہیٹ
ک (Hat trick) (مسلسل تین وکٹ لینا) کی اجازت نہ دینی چاہئے رب العالمین ہماری
اظ فرمائے آمین۔

آیئے ہم یہ بھی دعا کریں کہ 1965ء اور 1971ء کی جنگوں کی عدالتی تحقیقات بالآخر عزیز
بھٹو اور ٹکا خان جیسے لوگوں کے چہروں سے جو پاکستان کے اتحاد کو ضعف پہنچانا چاہتے ہیں وہ
نوئی ہالے نوچ پھینکے گی جو مفاد پرست عناصر نے تخلیق کئے تھے...... خدا کے لئے ان حادثات
ہرگز ہرگز دوبارہ جنم نہ لینے دیجئے۔

مشرقی پاکستان بنگلہ دیش کیسے بنا؟

میجر جنرل ریٹائرڈ نوابزادہ شیر علی خان کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ پاکستانی افوا
کی تنظیم نو میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا اور کشمیر کے جہاد 48 میں جانفروشی اور جاں سوزی
ناقابل فراموش مثال قائم کی۔

جنرل صاحب نے جرنیلی بھی کی' سیاست کے خارزار بھی پائے اور بہت کچھ لکھا بھ
خصوصاً ملکی مسائل پر ان کے مضامین ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اکثر زیر بحث آئے۔ سانحہ مش
پاکستان کا تجزیہ اس نامور جرنیل نے کیسے کیا آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

صوبائی انتخابات کا مرحلہ آیا تو میں لاہور میں تھا' قومی اسمبلی کے انتخابات کے بعد جو صو
حال سامنے آئی' اس کی روشنی میں صوبائی اسمبلیوں کے متوقع نتائج کا اندازہ با آسانی لگایا جا
تھا۔ جلد ہی دائیں بازو اور اسلام پسند جماعتوں کے ایک گروپ نے مجھ سے ملاقات کی۔
لوگوں کا تعلق ہزارہ کے علاقے سے تھا۔ انہوں نے مجھے ضمنی انتخاب میں قومی اسمبلی کی
نشست کا انتخاب لڑنے کی پیش کش کی۔ یہ نشست قومی اسمبلی کے کسی نو منتخب ممبر سے استعفی
خالی کرائی جاتی اور قطعی محفوظ ہوتی۔ میرے لئے اس پیشکش کو قبول کرنا ناممکن تھا' چنانچہ شک
کے ساتھ معذرت کر لی۔ اسی طرح ایک اور حلقے کی طرف سے پیش کش ہوئی کہ لاہور میں م
کی طرف سے خالی کی جانے والی نشست پر آزاد امیدوار کی حیثیت سے انتخاب لڑوں' لیکر
نے اسے بھی ٹال دیا پھر ایک قادیانی دوست کی معرفت ربوے سے "دوستی کا پیغام" آیا۔
برادری الیکشن میں میری مدد اور حمایت کرنے پر تیار تھی۔ "دوستی کے اس پیغام پر مجھے خاص
ہوا۔ میرا خیال ہے اس پیغام کا سبب ربوہ سے جاری ہونے والا وہ اخباری بیان تھا جس کی
عوامی تاثر کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ قادیانی برادری نے کمیونسٹوں' سوشلس
صرف پاکستان پیپلز پارٹی کے حق میں ووٹ ڈالے ہیں۔

دائیں بازو اور اسلام پسند جماعتوں کے بہت سے رہنما تقریباً روزانہ مجھ سے م

یں میں نے انہیں بہت ہی رنجیدہ اور بددل پایا۔ ان کے سامنے مستقبل کا کوئی لائحہ عمل نہ تھا۔
یں نے انہیں یہ حقیقت ذہن نشین کرائی کہ سیاست ایک ایسا کھیل ہے جو کبھی نہیں رکتا۔ یہ کبھی نہ
ختم ہونے والا ایک عملی طریق کار ہے۔ میں ان سے کہا کرتا تھا کہ جو کچھ ہوا وہ یہی ہے کہ انہیں
انتخابات میں شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان میں باہمی نفاق تھا اور وہ مختلف
دھڑوں میں بٹے ہوئے تھے۔ پھر ان کے پاس کوئی پروگرام تھا نہ جاندار شخصیتیں جو امیر غریب
سب کے لئے اپنے اندر کشش رکھتیں۔

انتخابات کے نتائج سامنے آئے تو ہارنے اور جیتنے والے دونوں بھونچکے رہ گئے۔ دو کاملاً
علاقائی جماعتیں اپنے اپنے علاقے میں کامیاب و کامران قرار پائیں۔ مشرقی پاکستان میں عوامی
لیگ' مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی' عوامی لیگ اپنی فتح کے بارے میں شائد کسی قدر پرامید
ضرور تھی' لیکن ان انتخابات کے نتیجے میں اسے جو زبردست اکثریت حاصل ہوئی' اس کا تصور
اس نے کبھی خواب میں بھی نہ کیا ہوگا۔ مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی نے پنجاب میں بے پناہ
کامیابی حاصل کی۔ سرحد اور بلوچستان میں نیپ (ولی گروپ) ایک طاقت بن کر ابھری۔ سندھ
میں پیپلز پارٹی کی کارکردگی کا دائرہ بے حد وسیع نہ تھا۔ کئی آزاد امیدوار بھی کامیاب قرار پائے تھے
تاہم ان سے مذاکرات کے بعد پیپلز پارٹی یہاں بھی حکومت بنا سکتی تھی۔ میں اس موقع پر سیاسی
اور آئینی گفتگو کا تذکرہ ضروری نہیں سمجھتا جو یحیٰی خان اور اسٹیج کے دوسری مرکزی کرداروں کے
درمیان خفیہ طور پر ہوئی۔ ڈاکٹر جی ڈبلیو چودھری کی کتاب "متحدہ پاکستان کے آخری ایام" میں
کی سیاسی ٹیم کی فہرست موجود ہے اور ان کے کام اور رویوں سے تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

میں یہاں مختصراً اس امر کا ذکر کروں گا کہ ایک سال کی انتخابی سرگرمیوں کا نتیجہ کیا نکلا اور پھر
جب الیکشن کا یہ معرکہ جیتا یا ہارا گیا' تو مشرقی اور مغربی پاکستان کے میدان جنگ کی صورت حال
کیا تھی۔

یکم جنوری 1970ء کو جب سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی ہٹائی گئی تو ساری جماعتوں نے
علم اپنی اپنی بولیاں بولنا شروع کر دیں۔ مہینے کے اختتام پذیر ہونے تک ان کی سرگرمیاں
اپنے عروج تک پہنچ گئیں اور جوں جوں وقت گزرتا گیا ان میں اور تیزی آتی گئی۔ جلد ہی سیاسی
جماعتوں کے باہمی اختلافات زیادہ کھل کر سامنے آ گئے اور انہوں نے ایک دوسرے پر تند و

تیز اور رکیک حملے شروع کر دیئے۔ بعض جماعتوں نے تو مخالف امیدواروں کی کردار کشی کو اپنا
مستقل وطیرہ بنالیا۔ کچھ عرصے بعد ہی صورت حال خاصی ابتر ہو گئی اور مجھ سے کہا جانے لگا کر
اخباروں کو اصلاح احوال کے لئے خصوصی ہدایات جاری کر دی جائیں۔ میں وزارت کی طرف
سے اس طرح کی کوئی "ایڈوائس" جاری کرنے کے حق میں نہ تھا۔ لوگوں کو اگر بعض لیڈروں کے
طرز فکر یا ناشائستہ لب و لہجے پر کوئی اعتراض تھا تو اخباروں کو ان کے جذبات کی عکاسی کرنے
اور ضروری قدم اٹھانے کی آزادی حاصل ہونی چاہئے تھے۔

مارشل لا حکام نے اس سلسلے میں صرف ایک بار سخت قدم اٹھایا اور وہ بھی اس وقت جب کہ
نے سی ایم ایل اے (یحییٰ خان) کی ذات کو تنقید کا ہدف بنایا۔ میں بائیں بازو کی جماعتوں کی تنقید
اور ملامت کا مرکزی ٹارگٹ تھا' لیکن ان کے خلاف کوئی تعزیری کارروائی نہیں کی گئی۔ شاید اس
لئے کہ میں کابینہ کا باوردی وزیر نہ تھا۔ مارشل لا حکومت کے اس تضاد اور حکمت عملی سے الیکشن کے
دوران غنڈہ گردی اور بدنظمی کو فروغ ملا اور بات یہاں تک بڑھ گئی کہ سال کے خاتمے پر جب
حکومت نے اس پر کنٹرول کرنا چاہا تو اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ لوگوں کے دلوں سے مارشل لاء
خوف اٹھ چکا تھا۔ پھر بعض سیاسی لیڈروں کے یہ دعوے بھی امن و امان بحال رکھنے کی کوشش
میں آڑے آئے کہ انہیں فوج کے مضبوط اور با اثر گروپوں کی حمایت حاصل ہے یہ کہنا غلط ہو گا کہ
فوج (کچھ سینئر فوجی افسر) انتخابات کے دوران غیر جانبدار تھی۔

المیہ مشرقی پاکستان کے بارے میں دوسرے لوگوں نے جو کچھ لکھا مجھے اس سے قدرے
اختلاف ہے۔ ڈاکٹر چودھری نے اس ضمن میں اپنی کتاب "متحدہ پاکستان کے آخری ایام" میں
جو مشاہدات قلم بند کئے ہیں وہ بالخصوص الجھن میں ڈالنے والے ہیں۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ ہم سب
اس المیے کے ذمہ دار ہیں۔ مجیب الرحمٰن نے جو کچھ کا وہ صرف اسی لئے کیا کہ انہیں ایسا کرنے سے
روکا نہیں گیا۔ اسی طرح دوسروں نے جو کچھ کیا وہ بھی اسی لئے کیا کہ انہیں کسی نے ایسا کرنے سے
روکنے کی کوشش نہیں کی۔ یحییٰ خان تک نے بھی جو کچھ کیا' وہ اسی لئے کیا کہ کسی نے اسے
کرنے سے روکا نہیں۔ اگر یہ سب لوگ اتنے بڑے یا اقتدار کے بھوکے تھے یا کمزور یا طاقت
تھے تو پھر نظریاتی پروگرام کی حامل یا آزاد جماعتوں نے اپنے اختلافات ختم کر کے ایک مضبوط
بنانے اور پاکستان کو بچانے کی متحدہ کوشش کیوں نہ کی؟

مجیب کے ارادوں اور عزائم سے یقیناً ہر شخص آگاہ تھا۔ پھر یہ مذاکرات اور کانفرنسیں کس
ے تھیں۔ کابینہ سے مستعفی ہونے کے فوراً بعد میری ملاقات جنرل حمید سے ہوئی جو اس وقت حقیقتاً
ں فوج کے سربراہ تھے۔ ان سے باتوں کے دوران میں نے شدت سے محسوس کیا کہ اس وقت
ب کہ پاکستان اپنی تاریخ کے نازک ترین موڑ پر کھڑا ہے' فوجی جنتا کے اعصاب جواب دے
ے ہیں۔ صورت حال کو اس حد تک بگاڑنے یا پہنچانے میں غیر ملکی طاقتوں نے جو اہم کردار انجام
' فوجی جرنیل اس کا اندازہ لگانے میں بالکل ناکام رہے۔ میں نے یحییٰ سے بار بار پوچھا آخر
پ کے مقاصد کیا ہیں؟ اس بارے میں اس کے ذہن کا صاف ہونا بہت ضروری تھا۔ یہ پہلا
ق ہے جو کسی سپاہی کے ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔ جب تک یہ مقصد صاف اور واضح نہ ہو' کسی
ش کا بھی ٹھوس اور مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ انتخابات کا انعقاد بذات خود کوئی مقصد نہیں ہو
ا۔ ہاں مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ یا لازمی جزو ضرور ہو سکتا ہے۔ اصل مقصد یقیناً پاکستان
سلیت کا تحفظ تھا۔ ایک فرد ایک ووٹ کی بنیاد پر الیکشن کا تجربہ ملک میں اتنے وسیع پیمانے پر پہلی
کیا جا رہا تھا۔ اس لئے ضروری تھا اس تجربے سے گزرنے سے پہلے لوگوں کی عمومی رائے کا تھوڑا
ت اندازہ بھی لگا لیا جاتا۔

1971ء کے سانحے کے بعد مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا اور مغربی پاکستان۔ آج پاکستان سائز اور آبادی کے لحاظ سے خاصا سکڑ گیا ہے اور مشرق اور برصغیر میں اسے جو اہم دفاعی حصار کی حیثیت حاصل تھی وہ بھی کھو بیٹھا ہے۔ یہ بات بظاہر بڑی سادہ سی معلوم ہوتی ہے اور شائد نقشے پر بھی یہ ملک نک سک سے درست نظر آتا ہوں۔ لیکن حقیقتاً یہ سانحہ ایٹم پھاڑنے کے عمل سے زیادہ ہولناک تھا۔ اس نے پاکستان کا ایٹم پھاڑ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ مشرقی حصہ ٹوٹ کر الگ ہوا اور خلیج بنگال میں ٹھنڈا ہونے کے بعد بنگلہ دیش کا نام پایا۔

انشقاق کے اس عمل کے دوران میں جو بے پناہ حرارت پیدا ہوئی اس کے نتیجے میں باقی ماندہ حصے میں کئی دراڑیں پڑ گییں۔ تاہم کوئی ٹکڑا ٹوٹ کر اس سے الگ نہ ہوا۔ اس گرمی اور حرارت میں اب وہ پہلی سی شدت باقی نہیں رہی لیکن گرم اور جلی ہوئی ریت کے ڈھیر ابھی تک موجود ہیں اور اس پرانے ڈھانچے میں پڑی ہوئی دراڑیں اور شگاف آج بھی صاف دیکھے جا سکتے ہیں۔

کسی مکان کا کوئی حصہ تباہ ہو جائے یا گر پڑے تو وہ مکان اپنی اصل شکل کھو بیٹھتا ہے۔ ممکن ہے اس کی مرمت وغیرہ کر کے اسے پھر پہلے جیسا بنا دیا جائے لیکن اس صورت میں بھی ایک بنیادی ڈھانچے اور خصوصیات میں کوئی نہ کوئی فرق باقی رہ جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ مکان عام طور پر اینٹ گارے اور سیمنٹ سے بنایا جاتا ہے لیکن میں جس مکان کا ذکر کر رہا ہوں اس کی تعمیر کے لئے اینٹ، گارا، سیمنٹ نہیں بلکہ کچھ اور طرح سامان درکار ہوتا ہے اور یہ سامان ہے نظریات، امیدیں اور خواہشات!

گنتی کے چند افراد نے ملک کے ایک بہترین ادارے فوج کو جس طرح اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیا وہ اب ڈھکی چھپی بات نہیں۔ فوج کو ایسا کام سونپا گیا جس کے لئے نہ تو اس کی تشکیل ہوئی تھی اور نہ کوئی تربیت ملی تھی۔

یحییٰ خان کو ایک بڑا سنہری موقع ہاتھ آیا تھا۔ یہ صاحب چاہتے تو فوج کو معاشرے میں اپنے اصل مقام پر واپس لا سکتے تھے۔ ایسی صورت میں یہ ادارہ سیاسی دباؤ کے وقت ملکی استحکام اور سلامتی کے لئے بطور نگران اعلیٰ اپنا کردار زیادہ موثر انداز میں ادا کرتا۔

یحییٰ خان کو کیا کرنا چاہئے تھا؟ یہ سوال بار بار پوچھا جاتا ہے جہاں تک میرا تعلق ہے میں اب بھی اس خیال کا حامی ہوں کہ اسے آئین منسوخ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ زیادہ بہتر اور احسن

ورت یہ تھی کہ وہ قومی اسمبلی کے سپیکر سے قائم مقام صدر کا عہدہ سنبھالنے کے لئے ہتے۔ 1962ء کے آئین میں اس کی گنجائش موجود تھی۔ انہیں چاہئے تھا کہ قومی اسمبلی میں لثریتی پارٹی کے لیڈر اور اس صورت میں صدر کو اسمبلی توڑنے کی ہدایت کرتے تاکہ فوج کو اس زان میں اپنا آئینی فرض کما حقہ ادا کرنے کا موقع ملتا اور وہ تین ماہ کی مقررہ مدت کے اندر اندر نخابات کروا دیتی۔ متبادل صورت میں 1956ء کے آئین سے رجوع کر کے سارے اقدامات کو قاعدہ بنایا جا سکتا تھا۔

فوج کسی فریق کی حمایت یا طرفداری کئے بغیر بڑی آسانی سے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات رواسکتی تھی۔ نئی منتخب شدہ قومی اسمبلی جس شے میں چاہتی ترمیم و تنسیخ کر لیتی۔ اگر ان انتخابات کے نتائج ایسے ہوتے کوئی پارٹی اتنی اکثریت حاصل نہ کر پاتی جو ملکی استحکام اور پائیداری برقرار کھنے کے لئے لازمی ہوتی اور کئی پارٹیوں کی مخلوط حکومت کے قیام سے بھی یہ مقصد حل نہ ہو سکتا، تو بلی کو دوبارہ توڑ کر نئے انتخابات کرائے جا سکتے تھے اور یہی وہ واحد راستہ تھا جس کے ذریعے ڈروں کو ملکی سیاست میں اپنا صحیح کردار ادا کرنے اور اپنی ذمہ داریاں نبھانے کی تربیت دی جا سکتی ی اور عوام کو سبز باغ دکھا کر اپنا الو سیدھا کرنے والوں اور مخلص اور بے لوث قیادت کے درمیان ق اور تمیز کرنا سکھایا جا سکتا تھا۔

میں پہلے بھی کئی موقعوں پر بار بار کہہ چکا ہوں کہ ملک میں آمرانہ نظام کی وجہ سے سیاست ں جو بدنظمی اور بگاڑ پیدا ہو گیا ہے یا جو کچرا اور کوڑا کرکٹ اکٹھا ہو گیا ہے اسے صرف کرنے کیلئے نخابات بے حد ضروری ہیں۔ اس کے بعد ہی ملک میں صحت مند تعمیری اور صاف ستھری سیاست ر نوجوان قیادت ابھر سکتی اور پھل پھول سکتی ہے۔

فروری 1970ء میں گارڈین کے نمائندے کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے میں نے ایک بار پھر ہی باتوں کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ سیاسی عمل کو جاری و ساری رکھنے کی خاطر سیاست کی تلچھٹ ر نجاست کو بہا کر صاف کرنا ضروری ہے لیکن اس عمل کو انتہائی تدبر اور احتیاط کے ساتھ انجام دینا رگا اور اس میں بند کے دروازے کا کنٹرول بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ذرا سی چوک کے نتیجے میں پانی کناروں سے اچھل کر باہر آ سکتا ہے اور تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔

یہ عقدہ مجھ پر ابھی تک کھل نہیں سکا کہ فوج نے 1969ء میں آئین کیوں منسوخ کیا؟ بعد

میں جب میں ایک سفارتی مشن کی تکمیل کے بعد واپس آیا اور کابینہ میں شمولیت اختیار کی تو ا
سلسلے میں استفسار بھی کیا۔ کہا گیا عوام کی اکثریت اسے پسند نہیں کرتی تھی۔ اس دلیل نے مجھ
مطلق متاثر نہیں کیا۔ نہ مجھے اس میں کوئی وزن یا معقولیت نظر آئی کیونکہ عوام کی اکثریت تو
مارشل لاء کو بھی پسند نہیں کرتی تھی۔

1969ء میں آئین کی منسوخی کے سلسلے میں لوگوں نے طرح طرح کے الزام لگائے۔ بع
نے کہا کہ وہ لوگ جو مارشل لاء کے نفاذ پر خوشی سے بغلیں بجا رہے ہیں (ایسے لوگ تعداد میں بہ
کم تھے) اس بہانے کا وقت حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ الیکشن میں حصہ لینے کے لئے اپنی پارٹ
اچھی طرح منظم کر سکیں۔ دوسروں نے کہا فوجیوں کے منہ کو سول حکومت کا خون لگ گیا ہے او
اب ایک نئے مارشل لاء کی صورت میں اس سے چمٹے رہنا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ سول کا
دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے بنائی گئی ہے اور اس طرح عالمی برادری کو یہ دکھانا مق
ہے کہ ملک میں حقیقی مارشل لاء نافذ نہیں حقیقت خواہ کچھ ہو اتنا ضرور تھا کہ کابینہ واقعی برائے
تھی۔ بڑے بڑے اہم فیصلے اور اقدامات چپ چاپ کر لئے جاتے اور کابینہ کے ارکان سے م
لینا تو درکنار انہیں اعتماد تک میں لینا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ مارشل لاء کے تحت اس سول کابینہ
ممبر وزیروں پر بلم (BLUM) کا یہ قول پوری طرح صادق آتا تھا ہم وزارت میں شریک
لیکن اقتدار میں نہیں۔

لیگل فریم ورک آرڈر (ایل۔ایف۔او) کسی طرح ایک مکمل اور جامع دستاویز نہیں
پھر بھی اس سے کچھ ضابطے اور بنیاد ضروری مہیا ہو گئی۔ سارا کام انہیں ضابطوں کے تحت انجا
تھا۔ بدقسمتی سے ان اعلیٰ و ارفع ضابطوں میں سے کوئی بھی عملاً نافذ نہ کیا گیا۔ یحییٰ خان کا مقص
تھا۔ انہوں نے اسلام اور نظریہ پاکستان کے خلاف سرگرم عناصر کا قلع قمع کرنے کا اعلان کیا۔
حکومت کا طرز عمل اس کے برعکس تھا۔ اس نے ان عناصر کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے ب
الٹا ان سے پینگیں بڑھائیں۔

جس زمانے میں وزیر برائے اطلاعات و قومی امور تھا قوم کو بار بار نظریہ پاکستان کی ط
متوجہ کرتا تھا جس پر پاکستان کی عمارت کھڑی تھی اور یاد دلاتا کہ اپنے اصل مقصد کو نظروں
اوجھل کرنے یا نصب العین سے بھٹکنے کا نتیجہ ہولناک ہوتا ہے۔ میری ان تقریروں نے کئی

ں کو میرا دشمن بنا دیا۔ انہوں نے میرے خلاف ایک باقاعدہ محاذ بنا لیا اور میری ذات پر تند و
لے کئے جانے لگے۔ مجھ پر الزام لگایا جاتا کہ میں سیاست میں باقاعدہ اور سرگرم حصہ لیتا ہوں
مت نے سیاست سے الگ اور لاتعلق رہنے کا اعلان کر رکھا ہے۔

یری سمجھ میں نہیں آتا' پاکستان کی کوئی حکومت ان معاملات میں کیونکر غیر جانبدار اور الگ
ہ سکتی تھی جن کا تعلق پاکستان کی نظریاتی بنیادوں اور مرکزی ڈھانچے سے تھا۔ مجھے علم تھا
جہ کیا نکل سکتا ہے۔ صدارتی سیکرٹریٹ میں ہونے والی سازشوں اور جوڑ توڑ کی وجہ سے میری
ں جلد ہی اس سارے کھیل سے بیزار ہو گئی جب بھی کسی کی ہدایت اور مشورے پر عمل کرنے
ا کام رہتا' فٹ سے الزام جڑ دیا جاتا کہ میں اپنی ضرورت سے زیادہ تشہیر کر رہا ہوں۔ میری
داریاں اگر کوئی اور سنبھال لیتا تو مجھے یقیناً بہت زیادہ خوشی ہوتی اور میں سکھ اور اطمینان
س لیتا' لوگ اعتراض اور باتیں تو بہت کرتے لیکن آگے بڑھ کر میری ذمہ داریاں سنبھالنے
آمادہ نہ ہوتا۔

انتخابی سرگرمیاں ایک سال تک جاری رہیں۔ یہ زمانہ انتہائی مضحکہ خیز اور پر آشوب تھا
ت غیر جانبدار تھی اس لئے جس کسی کے منہ میں جو آتا' بولے چلا جاتا تھا۔ سال کے اختتام پر
ت بہ اینجا رسید کہ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کے خلاف بولنا جلسہ کرنا ممکن نہ رہا مغربی حصے
پیپلز پارٹی نے روٹی' کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر اپنے اندر بے پناہ کشش پیدا کر لی تھی۔ فوج
ی خاموش تماشائی بنی کھڑی تھی کہ ڈسپلن نے اس کے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ کبھی اگر کسی منچلے
ذہن میں کوئی سوال کلبلاتا بھی تو اس کی زبان یہ کہہ کر بند کر دی جاتی کہ چپ گھبرانے کی کوئی
نہیں۔ سارے حالات کنٹرول میں ہیں۔ ملک اپنی تاریخ کے پہلے آزاد اور منصفانہ انتخابات
تیاروں میں مصروف ہے۔

سینئر فوجی افسران جن کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور تھی' جلد ہی اصل مقصد کو اپنی نظروں
اوجھل کر بیٹھے اور اب اس امر کا فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا کہ آیا یہ مقصد پاکستان کی سالمیت کا تحفظ
ے ٹکڑے ہونے سے بچانا ہے یا ملک میں عام چناؤ کرانا۔ اگر قیاس یہ تھا کہ انتخابات کی
آگے نہیں بڑھائی جا سکتی تو پھر لازماً جنگ کے پرانے اصول کہ اپنے مقصد کی حفاظت اور خبر
ری کی جائے کے مطابق اسے نظروں سے اوجھل نہیں ہونا چاہئے تھا۔ اس کے ساتھ ہی از راہ

احتیاط اور پیش بینی چند حفاظتی اقدامات پر بھی سوچ بچار کر لیا جاتا تو کوئی مضائقہ نہ ہوتا کہ
طرح اگر آزادانہ اور ملک گیر الیکشن کے نتائج اصل مقصد سے متصادم بھی ہوتے تو ملکی سالمیت
آنچ نہ آتی۔

جب میں نے انتخابی سرگرمیوں کے دوران عوام کو اپنے ساتھ ملانے اور جلسے جلو
رونق بڑھانے کی تکنیک دیکھی تو میں نے تنبیہہ کرتے ہوئے کہا انتخابات چونکہ بنیادی طور
اسمبلی کے چناؤ کے سلسلے میں منعقد ہو رہے ہیں تا کہ ایک نیا آئین تیار کیا جا سکے۔ ا
بحث مباحثوں کو اسی موضوع تک محدود رکھا جائے۔ یہ الیکشن سے زیادہ ریفرنڈم تھا۔ عوامی
چھ نکاتی پروگرام مکمل خود مختاری کا پروگرام تھا تاہم اسکی نوعیت بہر حال سیاسی تھی پیپلز پارٹی
کھلم کھلا کہتے کہ وہ الیکشن کے بجائے انقلاب پر یقین رکھتے ہیں۔ مرکزی نقطہ بہر حال ایک
اور وہ تھا طبقاتی نفرت اور کشمکش کو ہوا دینا۔ امیر کے مقابلے میں غریب کی حمایت کی جا
اس لئے کہ ملک میں غریب ووٹروں کی تعداد امیروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی۔

علاقائی پارٹیوں کے طور اطوار خاصے پریشان کن تھے۔ پیپلز پارٹی یا عوامی لیگ میں
پارٹی کے لیڈروں نے اتنی تکلیف بھی گوارا نہ کی کہ جھوٹے منہ کم از کم ایک ہی بار سہی،
دوسرے حصے کا دورہ کر لیں۔ قومی اسمبلی کے نتائج سامنے آئے تو میں نے وزارت
دے دیا۔ مجھے آنے والے خطرات کا احساس بہت پہلے ہو گیا تھا اور میں نے پاکستان
ہونے سے تقریباً ایک سال پہلے اپنے خدشات کا اظہار کر دیا تھا۔ میں نے ہائی کمان
پاکستان کو دولخت کرنے کا الزام جلد یا بدیر فوج کے سر تھوپا جائے گا اور یقیناً سخت ناانصافی
یہی سبب تھا کہ میں نے بار بار اصرار کیا کہ صرف انہی پارٹیوں کو انتخابات میں حصہ
اجازت دی جائے جو نہ صرف قومی کردار کی حامل ہوں، بلکہ مشرقی، مغربی دونوں بازوؤں
کا وجود پایا جاتا ہو۔ پھر جب مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسند عناصر کے خلاف آرمی ایکشن
بھارت کے عزائم کھل کر سامنے آ گئے تو ریکارڈ گواہ ہے میں نے اپنی تقریروں میں بار با
کہ اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے یا ہو سکتے ہیں۔ اس وقت تک مجھ پر یہ بات پوری طر
ہو چکی تھی کہ ہم عالمی سازشوں کے جال میں بری طرح جکڑے جا چکے ہیں اور اب پا
آپ کو دو ٹکڑوں میں تقسیم ہونے سے کسی طرح نہیں بچا سکتا۔

جس فضا میں انتخابات منعقد ہوئے، وہ غنڈہ گردی تشدد اور خوف و ہراس سے عبارت تھی۔
پاکستان میں عوامی لیگ کی دہشت تھی اور ایک باقاعدہ سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق
پاکستان کا نام تک زبان پر لانا ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ فوجی ہائی کمان نے اس غنڈہ گردی کو ختم
کے لئے کیا قدم اٹھایا؟ کوئی نہیں۔ کمانڈروں کا خیال تھا انہوں نے اس مرحلہ پر اگر
کی تو اسے جانبداری پر محمول کیا جائے گا۔ تعجب ہوتا ہے کہ اس کا اسلام، پاکستان اور نظریہ
پر بھی ایمان تھا یا نہیں؟ میں ایک اعلیٰ افسر کو جانتا ہوں اس کے متعلق مجھے یہ بتاتے ہوئے
سوس ہو رہی ہے کہ وہ خدا کے وجود سے بھی انکاری تھا۔ یہ افسر بعد میں محض اپنی ملازمت
کی خاطر برملا کہتا پھرتا کہ ہمیں تو اس ''آئیڈیالوجی'' نے مار ڈالا۔ المیہ یہی تھا کہ اس طرح
دو نہیں کئی افراد ہائی کمان کی صفوں میں شامل تھے۔

اب معلوم ہوا یہ لوگ محض اپنے رینک میں ترقی کرنے اور اپنا معاشرتی رتبہ بڑھانے کی
کستان آئے ہیں۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ اس ملک میں جہاں وہ رہائش پذیر
جس ملک نے انہیں اتنا کچھ دے رکھا ہے۔ اس کی عمارت اور ڈھانچہ کن اصولوں پر کھڑا کیا
اور اس کے قیام کا اصل مقصد کیا ہے؟ ایسے لوگ آج بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور کل
الی حکومتوں میں بھی اسی طرح موجود ہوں گے۔ انہیں کسی نظریئے سے جذباتی وابستگی نہیں
یہ ہمیشہ چڑھتے سورج کے پجاری ہوتے ہیں۔

ایک سوال آج بھی بڑی شد و مد کے ساتھ پوچھا جاتا ہے اور وہ یہ کہ پاکستان کو دو ٹکڑے
کی ذمہ داری آخر کس کے کندھوں پر ڈالی جائے؟ بعض لوگ عوامی لیگ کو اس سانحے کا ذمہ
اتے ہیں ان کے نزدیک چھ نکات کا مطالبہ پاکستان سے علیحدگی کا نقطہ آغاز تھا۔ کچھ حلقوں
ں سے کہا جاتا ہے یہ سانحہ پیپلز پارٹی کی غلط حرکتوں کی وجہ سے پیش آیا۔ بات صرف
پر ختم نہیں ہو جاتی۔

دوسری سیاسی پارٹیاں بھی اس جرم میں برابر کی شریک ہیں، انہیں بری الذمہ قرار نہیں دیا جا
ہے۔ اگر انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ متذکرہ پارٹیوں کا اتنا زور ہے اور وہ سوشلزم اور سیکولرازم کا
رہی ہیں یا ان کی سرگرمیوں سے پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کو خطرہ لاحق ہے، تو انہوں
م اکٹھے ہونے کی تدبیر کیوں نہ کی؟ کیا یہ سیاسی بصیرت اور فراست کی کمی کا نتیجہ تھا یا معمولی

شخصی اختلافات' تعصبات اور رشک وحسد نے انہیں ایک نہ ہونے دیا' اگرچہ سیاسی پلیٹ فارم
سے بات سب ایک ہی طرح کی کرتے تھے۔

حالات کی زد میں کھڑے فوجی جرنیل بھی بڑی حد تک اس سانحے کے ذمہ دار ٹھہرتے ہیں
جو کچھ ہوا وہ صرف اس لئے ہوا کہ انہوں نے با اختیار ہونے کے باوجود حالات کو بگڑتے ہو
جانے کی کھلی چھٹی دے رکھی تھی اور آخر کار جب صورتحال قابو سے باہر ہو گئی تو غیر مؤ
اور غیر دانشمندانہ فیصلے کئے اور حالات میں مزید بگاڑ اور الجھاؤ پیدا کر دیا صرف یحییٰ خاں ہی نہ
بلکہ اسکے جرنیلوں کی پوری ٹیم کو قوم کے سامنے اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی اس سانحے میں دلچسپی بڑھتی جارہی ہے اور وہ ا
کے پس منظر پیش منظر سمیت مختلف پہلوؤں کے متعلق زیادہ سے زیادہ باتیں جاننا چاہتے ہیں
اس وقت تک جو حقائق منظر عام پر آ چکے ہیں' ان کی روشنی میں عام شہری کے ذہن میں جو سوال
ہوتے ہیں ان کا نقشہ کچھ یوں بنتا ہے۔ انتخابی سرگرمیوں کے لئے ایک سال کی اتنی طویل مد
مہلت کیوں دی گئی؟ کیا اس طرح سیاسی غبارے کی ہوا نکالنی مطلوب تھی یا مجمع اکٹھا کرنے والا
کو تھکانا مقصود تھا؟ اس طرح کہیں دونوں بازوؤں کے درمیان اختلافات کی خلیج کو مزید
کرنے کا پروگرام تو نہیں تھا؟ یا پھر یہ سب فوجی جنتا میں سیاسی بصیرت کی کمی اور بے خبری
انتخابی سرگرمیوں کے دوران غنڈہ گردی کی اجازت کیوں دی گئی؟ لیگل فریم ورک پوری قوت
کیوں نہ لاگو ہوا؟ لادینیت کا کھلم کھلا پرچار ہوتا رہا بعض جماعتوں نے پوسٹروں کے ذریعے ا
اور دینی شعائر کا مضحکہ اڑایا' انہیں سختی سے کیوں نہ روکا گیا؟ حکومت کا دعویٰ تھا' وہ غیر جانبدار
لیکن کیا اس طرح انتظامی معاملات سے اپنے آپ کو الگ تھلگ کر لینا مناسب تھا؟

اونچے عہدوں پر فائز بہت سے جرنیل اپنے مخصوص حلقوں میں بار بار اعلان کرتے
کسی پارٹی کے ہمنوا نہیں' لیکن حقائق اور واقعات ان دعوؤں کی نفی کرتے ہیں۔ ان کے "پسند
گھوڑوں" کو ان کی مکمل اور بھرپور حمایت حاصل تھی۔ آپس میں ملاقاتیں ہوتیں' سیاسی معاملا
زیر بحث آتے اور ان کی طرف سے باقاعدہ سیاسی ہدایات جاری کی جاتیں۔ حکومت کے خ
ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ باقاعدہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہو رہا تھا
کوئی پارٹی واضح اکثریت حاصل کر کے اقتدار کے سنگھاسن تک نہ پہنچ سکے۔ اس طرح اعلیٰ

کے ہاتھ میں رہتی اور وہ الیکشن کے بعد بھی سیاسی پارٹیوں کا اتحاد اور الحاق توڑنے یا برقرار
قادر ہوتے اگرچہ واقعات نے کچھ اور ہی نقشہ دکھایا کہ الیکشن کے نتیجے میں دو علاقائی
ایک مضبوط قوت بن کر ابھریں۔ یہ صورت حال فوجی جنتا کے اندازوں سے یکسر مختلف
کے حواس وقتی طور پر جواب دے گئے' یہی وجہ ہے جب میں نے عوامی لیگ اور پیپلز
باہمی کشمکش ختم کرانے کی گزارش کی تو اسے شرف قبولیت نہ بخشا گیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ
ان دونوں علاقائی پارٹیوں میں قومی سطح پر راہ و رسم پیدا نہ ہوگی۔ پاکستان کے دولخت
خطرہ سروں پر منڈلاتا رہے گا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے آرمی ایکشن نے پاکستان کی
پر مہر ثبت کر دی۔ کیا اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا؟ کیا مجیب مذاکرات پر آمادہ تھا؟ کیا
مذاکرات کئے؟ کیا پیپلز پارٹی قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کا کردار ادا کرنے کے لئے
جرنیل عوامی لیگ پر کیوں زور دے رہے تھے کہ وہ پیپلز پارٹی کو اپنے ساتھ اقتدار میں
لے؟ اگر صورت حال پر جمود طاری ہو گیا تھا اور حالات کسی طور آگے نہیں بڑھ رہے تھے
لیگل فریم ورک آرڈر کے مطابق ایک سو بیس دن کے بعد قومی اسمبلی توڑنے کا اعلان کیوں نہ
اکثریتی پارٹی کا طرز عمل اگر پاکستان کے بنیادی نظریات اور سالمیت سے متصادم تھا
مارشل ایڈمنسٹریٹر جو اس وقت ملک کے صدر بھی تھے' اسے رد کرنے کا اختیار رکھتے تھے۔ پھر
انہوں نے مجیب کو مستقبل کا وزیراعظم قرار دینے کے بعد اپنا ارادہ کیوں بدل لیا اور غداری کا
لگا کر اسے کیوں پابند سلاسل کر دیا؟

ان تمام واقعات کی روشنی میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ نئے آئین کی تدوین
محض انتظامی سہولت کی خاطر صوبائی انتخابات کرانے کا فیصلہ نہ صرف خطرناک بلکہ سراسر
ناقابل فہم تھا۔ سیکورٹی کونسل میں فوری سیز فائر اور سیاسی مذاکرات شروع کرنے سے متعلق
قرارداد کیوں قبول نہ کی گئی؟ لوگ جاننا چاہتے ہیں کہ اقوام متحدہ میں جانے والے وفد کے
مسٹر بھٹو کو اس ضمن میں کیا ہدایات بھجوائی گئی تھیں۔ یاد رہے مسٹر بھٹو نائب وزیراعظم اور دفاع
حیثیت سے یحییٰ فوجی حکومت کے تحت باقاعدہ حلف اٹھانے کے بعد وہاں گئے تھے۔
مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن کو اور خواہ کچھ کہہ لیجئے لیکن اسے "جنگ" نہیں کہا جا سکتا۔
فوج کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ مشرقی پاکستان پر پہنچ کر شرپسند عناصر پر قابو پانے میں شہری انتظامیہ

کی مدد کرتے۔ اس لحاظ سے مشرقی پاکستان میں اس کا رول بڑا مختصر اور محدود تھا۔ دسمبر 1971ء
میں اسے بھارتی فوج کے ہاتھوں ذلت آمیز زک اٹھانا پڑی۔ وہ محض گنتی کے چند سینئر افسران کی
عاقبت نااندیشی اور غلط رویوں کا نتیجہ تھی۔ کچھ لوگ شکست کا نام دیتے ہیں۔ مجھے ان سے اتفاق
نہیں' کیونکہ پاک فوجی مشرقی پاکستان میں کسی وقت بھی ''جنگ'' لڑنے کی خاطر تعینات نہیں کی
گئی' اس لئے ''جنگ'' یا فوجی شکست کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بھارتی کمانڈرانچیف نے بھی
ایک بیان میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

اس نے کہا یہ پاکستانی سیاست دانوں کے مقابلے میں بھارتی قیادت کی اعلیٰ سیاسی سوجھ
بوجھ اور بصیرت کی فتح تھی۔ بہت ممکن ہے اس نے یہ بیان محض ''پاکستانی سپاہی'' کا یہ دل جیتنے
مستقبل میں ہمسایہ ملکوں میں باہمی تلخی اور رنجش مٹانے کی خاطر دے دیا ہو' لیکن اس کے ساتھ
ساتھ یہ واقعات و حالات کے صحیح تجزیئے کے بعد یقینی طور پر اعتراف حقیقت بھی ہے۔ حالات
بگڑنے یا بے قابو ہونے کی صورت میں مشرقی پاکستان سے پاک فوج کے انخلا کا بھی کوئی منصوبہ
موجود تھا یا نہیں؟ ایسا منصوبہ ضرور موجود ہونا چاہئے تھا۔ بھارت کے عزائم سے آگاہ ہونے کے
بعد اس طرح کے منصوبے کی تیاری اور ضرورت اور بھی ناگزیر تھی۔

فوجی نقطہ نظر سے پاک فوج کے لئے بوڑھی گنگا کے ساتھ ساتھ کشتیوں میں پیچھے ہٹ کر
گانگ کے پہاڑی راستوں سے ہو کر غیر جانبدار پڑوسی ملک برما پہنچنا نہایت آسان تھا۔ سوال
پیدا ہوتا ہے پھر اس پر عمل کیوں نہ کیا گیا؟ ہتھیار ڈالنے کا حکم کیوں جاری کیا گیا؟ مقامی کمانڈر
نے اپنی صوابدید پر فیصلہ کر کے اپنے جوانوں کو ذلت آمیز شکست سے بچانے کی کوشش کیوں نہ کی؟
اس طرح شکست تسلیم کرنے اور ہتھیار ڈالنے کے نتیجے میں ملک و قوم پر جو اثرات بد مرتب ہوئے
اور جس ذلت و خواری کا منہ دیکھنا پڑا کیا مقامی کمانڈران کا صحیح اندازہ لگانے کی صلاحیت سے
بہرہ تھا؟ بھارتی فوج نے مشرقی پاکستان کی سرحدوں کے اندر گھس کر جارحیت کا آغاز کیا تو
خان نے ریڈیو اور ٹی وی پر قوم کو بتایا ''یہ جنگ ہے''۔ اگر یہ سچ مچ جنگ تھی' تو پھر اسے
مغربی' شمالی' جنوبی تمام محاذوں پر ایک جنگ کی طرح پوری قوت اور سنجیدگی سے کیوں نہیں لڑا گیا؟
لوگ الزام لگاتے ہیں کہ مغربی محاذ پر کمانڈروں کو اس امر کی سختی سے تاکید کر دی گئی تھی کہ
اپنے جوانوں کو ''غیر ضروری طور'' جنگ کا ایندھن نہ بنائیں۔ اس الزام میں کہاں تک صدا

پاکستان ائیر فورس کے کمانڈرانچیف نے مغربی محاذ پر بھرپور حملے کئے زور دیا تاکہ مشرقی
بھارتی فوج کے دباؤ کو کم کیا جا سکے تو ان کی تجویز کیوں منظور نہ کی گئی' جبکہ وہ مغربی محاذ
پر حملے کے لئے موثر فضائی کور مہیا کرنے کی ضمانت بھی دینے کے لئے تیار تھے۔ یہ
پوچھا جاتا ہے جنگ کے دوران پرانے گھسے پٹے ٹارگٹ ہی دوبارہ کیوں منتخب کئے
نشانے اور ہدف تلاش کرنے اور جنگ میں ''حیرت'' کا عنصر شامل کرنے کی کوشش
گئی؟

ر خطرے کی زد میں ہوتا' تو اس سے نہ صرف لاہور کو تحفظ میسر آ جاتا بلکہ محاذ کی پٹی کے
پھیلے ہوئے چند کینال ہیڈ ورکس کو بھی اپنے حق میں بہتر اور موثر انداز میں استعمال کیا جا
ن کے بند ہو جانے سے فیروز پور اور لدھیانہ میں فصلوں کی صورت حال بری طرح متاثر
ہوتا نہ کا سارا نہری نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔ اس طرح سودا بازی کے لئے ہمارے
ب بہت بڑا ہتھیار آ سکتا تھا کہ تھوڑے ہی عرصے بعد موسم سرما کی بوائی کے لئے زمین کو
رت لاحق ہوتی اور دشمن کو اسکے حصول کی خاطر جلد ہی مذاکرات کی میز تک آنا پڑتا۔
ر اس طرح کے بے شمار اور گوناگوں سوال ہیں جو ابھی تک جواب طلب ہیں اور آج بھی
چھے جاتے ہیں یا لوگوں کے ذہنوں میں کلبلاتے اور ہونٹوں پر مچلتے ہیں۔ مجھے علم ہے
ا بدقسمتی سے دفاع سے متعلق تمام معاملات کو عام نظروں سے چھپا چھپا کر رکھنے کی
جود ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب تک ''سپاہی'' کی غلطیوں کی نشاندہی نہ ہوگی' اسے اپنی
ا اور خامیوں کا پتا کیونکر چلے گا؟ پھر عوام جو اپنا بہت سا آرام اور سہولتیں تج کر اس
ی ضروریات پوری کرتے ہیں' اس کا ''کام'' کس طرح پرکھ سکتے ہیں جب انہیں دفاعی
رنے والی سرگرمیوں سے اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔
کریہ بادبان)

ایک فوجی افسر کا روزنامچہ

دسمبر 71ء کے سانحے پر یوں تو بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جائے گا لیکن سازش کی تہہ کی
کڑیاں ہنوز منظر عام پر نہیں آئیں۔ پاکستانی فوج کے ایک مجاہد نے مشرقی پاکستان میں یہ
کرب و بلا سر کیا تھا۔ آیئے ایک حقائق پسند پاکستانی فوجی آفیسر میجر خلیل احمد مرزا کی زبانی م
احوال کا جائزہ لیجئے۔ لکھنے والے نے جذباتی انداز بیان کے بجائے حقائق کی زبان میں با
ہے اور بلا کم و کاست سب کچھ لکھ دیا ہے۔ ہماری بے سروسامانی اور پریشانی کا جو نقشہ سا
ہے وہ ایک باشعور اور زندہ قوم کو بہت کچھ سوچنے کی دعوت دیتا ہے۔

25 نومبر 1971ء کو صبح 5 بجے میری کمپنی پی آئی اے کے بوئنگ میں راولپنڈی سے
سفر ہوئی۔ اس میں چار جے سی او اور 143 این سی او اور سپاہی شامل تھے۔ نئی منزل اور نئی جگ
کا اشتیاق سب چہروں سے عیاں تھا چوبیس سال میں یہ پہلا موقع تھا کہ ہماری یونٹ ک
پاکستان کے دفاع کے لئے بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

جہاز کراچی کے بین الاقوامی ہائی اڈے پر تھوڑی دیر تک رکنے کے بعد ڈھاکہ کی ج
سفر رہا اور ہم مشرقی پاکستان کے وقت کے مطابق وہاں 2 بجے بعد از دوپہر پہنچ گئے۔ یہ سف
پرلطف تھا۔ تمام جوان ہشاش بشاش تھے' مگر ڈھاکہ میں اترتے ہی چہروں پر مردنی طاری
مغربی پاکستان میں وہاں کی جو خبریں موصول ہوا کرتی تھیں وہ زیادہ حوصلہ شکن اور مایو
تھیں' مگر ڈھاکہ کے ہوائی اڈے پر تو عالم ہی اور تھا۔ نہ وہ رونق' نہ وہ چہل پہل' نہ زند
گہمی جس کی ہم توقع کرتے تھے۔ اڈے کے اردگرد طیارہ شکن توپیں نصب تھیں۔ چار دا
مورچے ہی مورچے نظر آتے تھے۔ ہوائی اڈے کی عمارت میں بھی زیادہ فوجی چہرے تھے
سنجیدہ پریشانی ٹپکتی تھی۔

ہماری یونٹ کے کمانڈنگ آفیسر کچھ نفری کے ساتھ پہلے یہاں پہنچ چکے تھے۔ ان
ایک کیپٹن نے انتظار گاہ میں ہمارا استقبال کیا۔ اس نے بتایا کہ ہم فی الحال ٹرانزٹ ک

یں اور شام تک مزید احکامات کا انتظار کریں۔ ٹرانزٹ کیمپ میں جی تھری ہتھیار ہمیں دیئے
۔ شام سات بجے حکم ملا کہ ڈھاکہ کے ہوائی اڈے پر دوبارہ پہنچو میں اس مختصر عرصے
سوائے ہوائی اڈے سے ٹرانزٹ کیمپ کے اور کہیں نہ جا سکا' مگر اس دوران جن مقامات سے گزر
وہاں دیکھا کہ سڑکیں اور بازار ویران ہیں۔ سوائے فوجی گاڑیوں کے شہری آبادی کی
روفت نہ ہونے کے برابر تھی۔

ہوائی اڈے پر مجھے حکم ملا کہ میری کمپنی فلینی کے محاذ کا رخ کرے گی۔ ڈھاکہ سے کومیلا تک
ئی جہاز کا سفر اور پھر خشکی کا راستہ صبح 5 بجے کے قریب ہمیں کومیلا کے لئے پرواز کرنا تھی۔ ہوائی
ے پر ہتھیاروں کی صفائی کی' لیکن صفائی کے لئے مناسب سامان کی غیر موجودگی میں یہ کام
ما مشکل ثابت ہوا۔ صفائی کے علاوہ جوانوں کو اس اسلحے کے استعمال کا طریقہ بھی بتایا گیا'
نکہ اس سے پہلے اسے چلانے کی ہمیں بالکل تربیت نہ ملی تھی اور نہ آج تک اس سے فائر کیا تھا۔
ف چند این سی او کے بارے میں معلومات رکھتے تھے۔

26 نومبر 71ء

صبح 9 بجے ڈھاکہ سے ہوائی جہاز کے ذریعے روانہ ہوئے۔ پون گھنٹہ بعد کومیلا پہنچ گئے۔
ں بھی ہوائی اڈے کی حالت ابتر اور ویران تھی۔ اردگرد مورچے بنے ہوئے تھے۔ یہاں ہمیں
تھوڑا سا وقت مل گیا جس میں ہتھیاروں کی صفائی اور ٹریننگ کا کام مکمل کیا گیا۔ گھنٹے دو گھنٹے بعد
ڑیاں آ گئیں جو ہمیں سٹیشن لے گئیں۔ وہاں ہمیں کافی انتظار کرنا پڑا۔ دوپہر کا کھانا بھی نہ مل
سفر میں ہونے کے باعث ہم خود بھی نہ پکا سکے تھے۔ اڑھائی بجے سہ پہر ہم ریل گاڑی میں
ار ہوئے اور شام چھ بجے فلینی پہنچ گئے۔ توپ کے فائر کی آواز بڑے زور و شور سے آ رہی تھی۔
لے کہیں قریب ہی پھٹ رہے تھے یہاں پر بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کے ڈی کیو صاحب ملے انہوں
ے بتایا کہ میری کمپنی وہاں پر پہلے سے موجود ایک بلوچ رجمنٹ کے ساتھ رہے گی۔ بھاری
مان یہاں پر الگ کر دیا گیا۔ بڑے چھوٹے ہتھیار اور اسلحہ ساتھ رکھا۔ بھاری سامان یہاں پر
لگ کر دیا گیا۔ بڑے چھوٹے ہتھیار اور اسلحہ ساتھ رکھا۔ فوجی ٹرکوں میں بیٹھ کر ہم بلوچ رجمنٹ کی
فارورڈ پوزیشنوں کی طرف روانہ ہوئے۔ اس دوران میں تاریکی چھا چکی تھی۔ جب ہم پوزیشن
ما پہنچے تو کچھ پتہ نہ چلا تھا کہ اپنی فوج کدھر ہے اور دشمن کدھر ہے' ہمیں یہ احساس دلایا گیا تھا کہ

چوکس رہو کیونکہ دشمن کسی وقت بھی حملہ کر سکتا ہے ہمارے آگے اور دائیں بائیں تھوڑے تھوڑے وقفے سے فائر ہو رہا تھا۔ توپ کے گولے ہم سے کافی پیچھے پھٹ رہے تھے۔ یہ رات افراتفری میں بسر ہوئی۔ جہاں ہم نے پوزیشن سنبھالنی تھی، وہاں بلوچ کی ایک کمپنی موجود تھی جسے رات ہی کو پیچھے ہٹایا گیا۔

27 نومبر 71ء

خدا خدا کر کے صبح ہوئی اور منظر کچھ واضح ہوا۔ بلوچ کمپنی کی پوزیشن ڈیپتھ (DEPTH) میں بنتی تھی یہاں دفاعی نقطہ نظر سے مٹی کا ایک بند تعمیر کر دیا گیا تھا۔ مورچے کچھ بنے ہوئے تھے کچھ اپنی ضرورت کی خاطر کھودنے تھے۔ ہم نے تیزی سے اپنی دفاعی پوزیشن کو بہتر بنانے کی کوشش شروع کر دی۔ پورا دن اس کام میں صرف ہو گیا۔ اس دوران بٹالین ہیڈکوارٹر بھی گیا اور اپنی دقتوں سے انہیں آگاہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بلوچ نے ہمارے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔

28 نومبر 71ء

دفاعی پوزیشن کو بہتر بنانے کا کام ابھی جاری تھا کہ دوپہر کو بریگیڈ کمانڈر نے مجھے طلب کر لیا۔ میں بھاگم بھاگ بریگیڈ ہیڈکوارٹر پہنچا کمانڈر صاحب بڑی پریشانی کی حالت میں تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ایک اور بلوچ کمپنی پر دشمن کا زور بڑھ گیا ہے اور خطرہ ہے کہ وہ رام ہن سے چٹا گانگ ہائی وے کو کاٹنے پر تلا ہوا ہے۔ مجھے ایک پلاٹون کے ساتھ اس بلوچ کمپنی کی مدد کے لئے فوراً جانے کا حکم ملا...... میں واپس اپنے کمپنی ایریا میں آیا۔ ایک پلاٹون لیا اور جب بلوچ کمپنی کی دائیں پوزیشن پر پہنچا تو وہاں دو کرنل، تین چار میجر اور چند دیگر افسر پہلے سے موجود تھے۔ میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ سامنے باڑی میں ہماری سٹینڈنگ پٹرول (STANDING PETROL) جایا کرتی تھی۔ صبح کے وقت دشمن نے حملہ کر کے اس جگہ پر قبضہ جما لیا ہے۔ اب ہم جوابی وار کریں گے اور اس جگہ کو اپنے کنٹرول میں لائیں گے میں نے پوچھا کیا وہاں مستقل دفاعی پوزیشن ہی اختیار کی جائے گی تو انہوں نے کہا کہ ہم دشمن کو پیچھے ہٹا کر واپس آ جائیں گے کیونکہ کمانڈر صاحب کی طرف سے بھی یہی حکم ملا ہے۔

میرے پہنچنے سے پہلے حملے کا منصوبہ بن چکا تھا اور ایک میجر کو دو پلاٹونوں کے ساتھ حملہ کرنا تھا۔ حملے کا وقت سہ پہر ساڑھے چار بجے تھا۔ اپنی دفاعی پوزیشن اور دشمن کے درمیان دھان کے

ت تھے، جن میں پانی ہی پانی تھا۔ علاقہ بالکل کھلا تھا اور کسی قسم کی آڑ میسر نہ تھی دن کی روشنی میں ہمارے حملہ آور فوجیوں کو بخوبی دیکھ سکتا تھا میں نے پوچھا میرے متعلق کیا حکم ہے؟ بتایا گیا کہ ھے آدمی ایک جے سی او کی کمان میں انتہائی دائیں والی پوسٹ (جو کمپنی ہیڈکوارٹر رام ہن سے ھائی میل دور تھی) پر بھیج دوں اور باقی نفری کو ادھر ہی رکھوں، تاکہ حملے کے دوران کورنگ فائر ہ سکیں۔ ساڑھے چار بجے سے کچھ دیر پہلے توپ کا فائر مقام مقصود پر گرایا گیا، لیکن گولے صحیح پر نہ پڑے۔ ٹھیک وقت پر آغاز لائن کو عبور کیا گیا۔ ہماری پوزیشن سے چھوٹے ہتھیاروں کا شروع کیا گیا۔ منزل مقصود تک پہنچتے پہنچتے شام کا دھندلکا پھیل چکا تھا۔ دشمن کی طرف سے کسی ی آواز سنائی نہ دی، غالباً وہ دم دبا کر بھاگ گیا تھا۔ اندھیرا ہونے تک ہم کورنگ فائر دیتے ۔ اس دوران میں دشمن کا توپ خانہ حرکت میں آ گیا۔ دونوں جانب کی توپوں کے گولے ے آس پاس آ رہے تھے۔ یہ تماشا دیر تک جاری رہا جن آدمیوں نے حملہ کیا تھا، ان میں سے ا واپس آ چکے تھے، مگر چند ایک کا پتہ نہ چلتا تھا۔ ان کی تلاش کے لئے مختلف پارٹیاں بھیجی ں۔ رات کے گیارہ بجے مجھے حکم ملا کہ اپنے پلاٹون کو لے کر فوراً واپس پہنچو میرے آدھے آدمی ائیں پوسٹ پر چلے گئے تھے۔ ان کے آتے آتے ایک بج گیا۔ ہم ٹرک میں سوار ہوئے اور کے بٹالین ہیڈکوارٹر پہنچے جو ٹیکنیکل ٹریننگ کالج میں واقع تھا۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ میری مپنی کو بھی پہلے سے بلا لیا گیا ہے۔ اس افراتفری میں ہمیں شام کا کھانا نصیب نہ ہو سکا۔

29 نومبر 71ء

صبح 8 بجے مجھے ونگ کمانڈر نے طلب کیا۔ انہوں نے بلوچ کی ایک کمپنی کو گلاباڑیا (جہاں بلوہنا لیج شروع ہو جاتا ہے) میں دفاعی پوزیشن ہی میں رہنے کو کہا اور میری کمپنی کے مختلف گے مختلف مقامات پر متعین کرنا چاہا ہے۔ اس پر میں نے درخواست کی کہ میرے آدمیوں کے یہ جگہ بالکل نئی ہے، علاقے کے کوائف سے وہ سرے سے آگاہ نہیں۔ نئی جگہ، نئے ماحول اور ے ہوئے حالات میں انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا گیا تو ان سے خاطر خواہ فائدہ نہ جا سکے گا۔ بہتر ہو گا کہ کمپنی کو اکٹھا رکھا جائے اور ہمیں گلاباڑیا کے دفاع کی ذمہ داری سونپ ائے۔ آخر کمانڈر صاحب نے میری تجویز سے اتفاق کیا اور یوں میری کمپنی کی قوت منتشر نے سے بچ گئی۔

سہ پہر کے تین چار بجے تک ہم نے گلا باڑیا میں پوزیشنیں سنبھال لیں۔ دفاعی لحاظ سے یہ
جگہ بڑی موزوں تھی۔ مورچے مٹی کے بند کے ساتھ بنے ہوئے تھے۔ بند کے ساتھ ساتھ تیس فٹ
چوڑا گہرا نالہ تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ دشمن کی پوزیشن نصف دائرے کی شکل میں اکہری لائن
پر بنی ہوئی تھی۔ یہ دفاعی لائن بائیں جانب بارڈر آبزرویشن پوسٹ سے لے کر دائیں ریلوے
لائن تک تھی۔ یہ دفاعی لائن بائیں جانب بارڈ آبزرویشن پوسٹ سے لے کر دائیں ریلوے لائن
تک تھی۔ یہ تقریباً 2500 گز کا ایریا تھا۔ ہمارے مورچے خستہ حالت میں تھے۔ انہیں ٹھیک
ٹھاک کیا گیا۔ دائیں بائیں بلوچ کی کمپنیاں دفاع میں لگی ہوئی تھیں۔

30 نومبر اور یکم دسمبر کو ہم انہی پوزیشنوں میں رہے دشمن کی گولہ باری وقفے وقفے سے جاری
رہی زیادہ زور ہماری گن پوزیشنوں بٹالین اور بریگیڈ ہیڈ کوارٹر ایریا میں رہا۔ میں نے کچھ سویلین
آدمیوں کو نالے کے پار درخت کاٹنے کے لئے بھیجا' تاکہ ٹارگٹ صحیح نظر آسکے۔ دشمن نے ان پر
زبردست فائر کھول دیا۔ چند آدمی زخمی بھی ہوئے اور کام مکمل نہ ہو سکا۔ دشمن ہماری پوزیشنوں سے
بارہ تیرہ سو گز دور حرکت کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ غالباً وہ اپنی پوزیشنیں مضبوط بنانے میں لگے ہوئے
تھے۔ کبھی کبھار ہماری طرف فائر کر دیتے' مگر اس کا اثر ہم پر کچھ نہ ہوتا۔

2 دسمبر 71ء

ساری رات دشمن کی گولہ باری ہوتی رہی تھی صبح دس بجے کمانڈر صاحب میری پوزیشن پر
آئے میں انہیں بارڈر آبزرویشن پوسٹ کے ایریا میں لے گیا اور دفاع کی ترتیب و ترکیب واضح
کی۔ کمانڈر صاحب کا کہنا تھا کہ جب بھی ہمیں دشمن کا کوئی فوجی حرکت کرتا نظر آئے تو اس پر گولا
چلا دیں میں نے عرض کیا کہ میرا منصوبہ یہ ہے کہ خاموشی سے اپنا دفاع مضبوط بنا لوں اور دشمن کو
بے خبری کی حالت میں آگے بڑھنے کا موقع دوں۔ جب وہ میری مار کی حد میں آئے تو اسے بھون
کر رکھ دوں اس کے علاوہ میں دن کو نئے مورچے وغیرہ کھدوا رہا تھا۔ اگر ہم دشمن پر فائر کرتے تو
تو لامحالہ دشمن بھی انتقامی کارروائی کے طور پر ہمارے آدمیوں پر فائر کرے گا اور ہمارا کام مکمل
ہو سکے گا ہماری بحث و تمحیص مورچے میں بیٹھے ہوئے کسی سپاہی نے سن لی۔ اس نے دشمن کے چند
آدمیوں پر مشین گن کا فائر کھول دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے پورے توپخانے کا فائر ہماری پوزیشن
پر مرکوز ہو گیا۔ کمانڈر صاحب تو واپس ہیڈ کوارٹر چلے گئے' مگر ہم نے بھڑوں کے جس چھتے میں ہاتھ

لا تھا اس نے ہمیں مورچہ بندی کا کام دن کی روشنی میں پھر کبھی نہ کرنے دیا۔

3 دسمبر 71ء

گلا باڑیا دفاعی پوزیشن۔ رات بھر دشمن نے گولہ باری جاری رکھی۔ میرے دائیں بلوچ کمپنی
ے ایریا سے چھوٹے ہتھیاروں کا فائر گونجتا رہا۔ صبح دس بجے میں بلوچ کے بٹالین ہیڈ کوارٹر گیا۔
اں معلوم ہوا کہ اعلان جنگ ہو چکا ہے۔ مغربی محاذ پر ہماری فوجیں امرتسر تک چلی گئی ہیں۔
ھ پاکستان کے ساتھ مل گئے ہیں اور ان کی یونٹیں پاک فوج کے ساتھ مل کر ہندوستان کے خلاف
رہی ہیں پاکستان کو مغربی محاذ پر ہر جگہ کامیابی نصیب ہو رہی ہے۔

یہ خبریں ہمارے لئے نہایت اہم اور حوصلہ افزا تھیں۔ فلینی بازار سے گزرتے ہوئے وہاں
یلین افراد کو میں نے ان کے بارے میں بتایا تو انہوں نے کسی خاص دلچسپی کا ثبوت نہ دیا۔
اری بعض دفاعی پوزیشنوں سے لاؤڈ سپیکر کے ذریعے دشمن کے مورچوں کی طرف یہ اعلان کیا
یا کہ سکھ ہمارے ساتھ مل گئے ہیں' اس لئے اگر ادھر بھی سکھ فوجی ہوں تو وہ مورچے چھوڑ کر
ارے ساتھ شامل ہو جائیں اس پر بعض جگہوں سے دشمن نے زبردست فائر کیا۔

4 دسمبر 1971ء

رات کو حسب معمول دشمن کی گولہ باری جاری رہی۔ ہمارے دائیں بلوچ رجمنٹ کے
رچوں سے چھوٹے فائر کی آواز آتی رہی تھی۔ میں نے اپنے جوانوں کو سختی سے حکم دے رکھا تھا
لہ وہ زبردست فائر کنٹرول کا ثبوت دیں اور صرف ضرورت پڑنے پر فائر کھولیں' بہر حال پوری
ت جاگنے اور ہوشیاری کی حالت میں بسر ہوئی۔

دن کے بارہ بجے حکم ملا کہ ایک گھنٹہ کے اندر اندر یہ جگہ چھوڑ کر ریلوے سٹیشن پر کمپنی کو جمع
روں۔ اس تند و تیز حکم نے ایک لمحے کے لئے مجھے حیران کر دیا کہ کس طرح مختصر وقت میں ڈیڑھ
ل میں پھیلے ہوئے جوانوں کو اکٹھا کر کے سٹیشن تک پہنچوں گا۔ بہر حال حکم ہو چکا تھا اور اس کی
یل لازمی تھی کوشش شروع کر دی کہ وقت کے اندر سٹیشن پہنچ جائیں۔ ہم تمام تکلفات سے گزر کر
ل 3 بجے سٹیشن پہنچ سکے۔ وہاں بریگیڈ کے ڈی کیو صاحب ملے جو ہمیں الوداع کہنے آئے
ے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اوپر سے احکامات اتنی تیزی سے پاس ہو رہے ہیں کہ مجھے ابھی
ک یہ بھی پتہ نہیں چلا' جانا کہاں ہے؟ میجر صاحب نے جواب دیا۔ ''پہلے جوانوں کو گاڑی میں

بٹھالو پھر بتاتا ہوں۔تم پہلے ہی کافی لیٹ ہو رہے ہو۔'' میں نے جلدی سے جوانوں کو گاڑی میں سوار کرایا۔ بعد میں دوبارہ ڈی کیو سے اپنی منزل کا پتہ پوچھا۔ کہنے لگے ''یہ گاڑی تمہیں لکشم سٹیشن تک لے جائے گی وہاں مزید احکامات ملیں گے۔''

شام چار بجے گاڑی فلینی ریلوے سٹیشن سے لکشم کی طرف روانہ ہوئی۔ جوانوں کو گاڑی کے اندر کھانا زہر مار کرنے کا حکم ملا اور ساتھ ہی خبردار کر دیا گیا تھا کہ علاقہ خطرناک ہے' اس لئے کسی بھی واقعہ کیلئے اپنے آپ کو ہر لمحے تیار رکھو۔ گاڑی بڑی آہستہ چل رہی تھی۔ کئی جگہوں پر مرمت کا کام ہو رہا تھا اور گاڑی کو رکنا پڑا۔ ریلوے لائن کے ساتھ بنکر بنے ہوئے تھے پلوں پر مجاہدوں کی ٹولیاں مورچہ بند تھیں۔ تقریباً تمام پل کئی دفعہ مرمت شدہ معلوم ہوتے تھے۔

خوف اور سکوت کا ماحول طاری تھا۔ ساڑھے چھ بجے شام ہم لکشم پہنچے۔ ایک میجر صاحب نے بتایا کہ ایک پلاٹون ادھر ہی رہے گا اور باقی نفری آگے جائے گی جس کے لئے ٹرک آرہے ہیں۔

ریلوے سٹیشن پر دن کے وقت دشمن کی فضائیہ نے بم گرا کر تیل کے بعض ڈبوں میں آگ لگا دی تھی' اس وقت بھی آگ کے بلند و بالا شعلے خوفناک منظر پیش کر رہے تھے۔ میں نے اپنے نمبر ایک پلاٹون کو صوبیدار کی کمان میں دے دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فوجی ٹرک آگئے میں نے دو پلاٹون اور کمپنی ہیڈ کوارٹر ان میں بٹھایا اور میجر صاحب سے پوچھا کہ اب ہمیں کدھر کا رخ کرنا ہے؟ انہوں نے بتایا ''یہاں سے تین چار میل دور ایک جگہ ہے' وہاں تک تمہیں یہ ٹرک لے جائیں گے ڈرائیوروں کو ہدایات دی گئی ہیں...... وہاں اتر و گے' تو مزید احکامات مل جائیں گے۔'' مجھے ا

ن لائی مائی لے جانے کو کہو۔

پھر انہوں نے جنگی صورت حال کی وضاحت کرتے ہوئے کہا یہاں بازار میں فرنٹیئر فورس ایک یونٹ ڈیپلائے تھی۔ دشمن نے اچانک زبردست حملے کے بعد آدھی سے زیادہ یونٹ کو سی یت قیدی بنالیا ہے۔ باقی نفری شکستہ حالت میں پیچھے ہٹ آئی ہے۔ دشمن یا تو وہاں اپنی ن کو مضبوط بنا رہا ہوگا یا آگے بڑھ رہا ہوگا۔

میں نے پوچھا میاں بازار کدھر ہے؟ میں نے پہلی بار اس کا نام سنا ہے۔

کہنے لگے۔ ''تمہارے نقشے پر موجود ہے دیکھ لینا''۔

میں نے بتایا کہ نہ تو میرے پاس نقشہ ہے اور نہ کسی نے مجھے ان حالات سے آگاہ کیا ہے صبح اس تیزی سے کام ہو رہا ہے کہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں میں اس وقت کہاں کھڑا ہوں۔ اس پر وہ جھونپڑی میں لے گئے اور ایک بڑے نقشے کی مدد سے ٹارچ کی مدھم روشنی میں موٹے ھانے لگے۔ مجھے اپنی پوزیشن سے ایک کچی سڑک مشرقی کی جانب جاتی ہوئی دکھائی دی۔ با چودہ پندرہ اسکوائر SQUARE آگے ایک نالہ دکھائی دیا۔ نالہ کے کنارے پر کمانڈر ب نے پنسل سے نشان لگاتے ہوئے کہا کہ یہاں ایف ایف کی یونٹ متعین تھی۔ تین چار لی درمیانی رات کو دشمن نے یہاں حملہ کیا تھا۔ دشمن کی قوت غالباً بریگیڈ نفری سے زیادہ ہے۔ کے پاس ٹینک بھی ہیں۔ اسے نالہ عبور کرنے میں دیر لگے گی۔ وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ نالہ عبور کر کے آگے بڑھ آیا ہے یا نالہ کے پار بیٹھا ہے۔ بہرحال یہاں سے نالہ تک کا ایریا خالی ہے۔

کمانڈر صاحب نے بتایا کہ تمہارے دو پلاٹون ایک سول آرمڈ فورسز کا پلاٹون ایک کرنل ب کے زیر کمان ہوں گے۔ اس کچی سڑک پر آپ لوگ پیش قدمی کریں اور جس قدر جلدی ہو نالے کے اس طرف دفاعی پوزیشن اختیار کریں۔ بریفنگ کے دوران میرے نئے سی او ب بھی آگئے۔ میرے ذہن میں یہ نقشہ ابھرتا تھا۔

(1) بل کھاتا ہوا نالہ موجودہ پوزیشن سے مشرق کی جانب ہو۔

(2) دشمن کی قوت بریگیڈ سے اوپر۔

(3) موجودہ پوزیشن اور نالے کے درمیان تقریباً دس بارہ میل کا علاقہ خالی' غیر محفوظ' آبادی

دشمن اور کمکی فوج کے حملے کا ہر وقت خطرہ، دشمن کی فوج سے بھی کسی بھی لمحے مڈبھیڑ ہو سکتی ہے۔

(4) میرے دو پلاٹون کئی دنوں کے تھکے ماندے، بھوک سے لاچار اور علاقے اور ماحول سے بالکل اجنبی۔ یہ نقشہ خود میرے ذہن میں بھی زیادہ واضح نہ تھا۔ بہر حال یہ سوچ کر خاموش رہا کہ جب کرنل صاحب ساتھ ہیں، تو پھر کیا فکر ان سے مزید ہدایات اور راہنمائی لے لوں گا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ میری فورس کو آگے روانہ کر چکے ہیں، اور میں بھی ان کے پیچھے چلا جاؤں۔ دو خود سی اے ایف کے پلاٹون کے ساتھ بعد میں آئیں گے۔

میں اندازے سے ایک سمت چل دیا۔ راستے میں مجھے اپنا ایک سپاہی مل گیا جو مجھے کمپنی کی طرف لے گیا۔ میں نے اپنے جوانوں کو پیش قدمی کی فارمیشن اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اس اثناء میں پیچھے سے ایک شخص آیا۔ اس نے کہا کمانڈر صاحب کا حکم ہے پلاٹون ادھر ہی رہنے دو اور خود واپس آجاؤ۔ میں واپس کمانڈر صاحب کے پاس پہنچا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے سوچا ہے ادھر ہی دشمن کی آمد کا انتظار کرتے ہیں، اس لئے تم ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ مورچوں میں اپنے جوان لگا دو اور ساتھ ہی گشتی دستے آگے دو تین میل تک بھیجو جو دشمن کی نقل و حرکت سے خبردار ہیں۔

کرنل صاحب بھی وہیں موجود تھے۔ انہوں نے مزید ہدایات دیتے ہوئے کہا ''تم ایک پلاٹون ریلوے پل سے دائیں اور ایک بائیں اس جھنڈ تک لگا دو۔ دائیں جانب پلاٹون کو اس قدر پھیلا دو کہ دشمن ہماری پوزیشن کو بائی پاس (BYPASS) نہ کر سکے۔ یہ باتیں انہوں نے رات کی تاریکی میں ہاتھوں کے اشارے سے بتائیں۔

میں یہ احکام لے کر واپس کمپنی میں پہنچا ایک پلاٹون کو ریلوے کے دائیں جانب پوزیشن سنبھالنے کو کہا اور دوسرے پلاٹون کو لے کر ریلوے ٹریک جنکشن سے بائیں طرف ریلوے لائن پر چلنا شروع کیا تقریباً دو ڈھائی سو گز کے فاصلے پر ریلوے پل آیا۔ وہاں سے بائیں طرف دیکھا تو درختوں کے بے شمار جھنڈ تھے، لیکن ایک جھنڈ ان میں زیادہ نمایاں تھا۔ پل سے اس کا فاصلہ تقریباً دو ہزار گز ہو گا۔ ریلوے لائن شرقاً غرباً جاتی تھی۔ ایک پلاٹون کو یہ ایریا دے کر کمپنی ہیڈ کوارٹر کے جوانوں کو ریلوے ٹریک جنکشن اور پل کے ایریا میں لگا دیا۔ اس اثناء میں تین دستے بھی آگے بھیج دیئے تاکہ دشمن ہمیں اچانک نہ آ لے۔ میں فارغ ہو کر اب پورے ایریا کا چکر لگانے جا رہا تھا

نے میں ایک آدمی دوڑتا ہوا ملا۔ اس نے کہا جناب میں آپ کو بڑی دیر سے تلاش کر رہا کمانڈر صاحب نے طلب کیا ہے۔ میں دوڑتا ہوا کمانڈر صاحب کے پاس پہنچا۔ وہ اپنی ڑی میں موجود تھے۔ کہنے لگے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم پہلے منصوبے کے مطابق آگے اب تمہیں پنجاب رجمنٹ کا ایک پلاٹون اور مل جائے گا توپ خانے کا آبزرویشن آفیسر بھی ے ساتھ جائے گا۔ کرنل صاحب اس پیش قدمی کے کمانڈر ہوں گے۔ جب دشمن سے ی مڈبھیڑ ہو گی تو مزید آدمی بھیج دیئے جائیں گے۔

اب میں کرنل صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔ انہوں نے کہا ''تم کمپنی کو ریلوے روڈ جنکشن پر دمی کی ترتیب میں جمع کرو۔ میں کمانڈر صاحب سے بات کر کے تمہیں ملتا ہوں''۔

دو اڑھائی گھنٹوں کے اندر تیسری بار نئے احکام لے کر میں آگے کمپنی میں پہنچا، منتشر ں کو جمع کیا اور انہیں پیش قدمی کی ترتیب میں مارچ کرنے کے لئے تیار ہونے کا حکم دیا۔ ی دیر بعد ایک رنر (RUNNER) آیا۔ اس نے بتایا کہ کرنل صاحب نے کہا ہے آپ پ آگے بڑھیں، میں پیچھے آتا ہوں۔

تاریک رات، اجنبی علاقہ اور ہر قدم پر دشمن سے ملاپ کے احساس کے ساتھ پیش قدمی ع کی۔ سڑک کے دونوں جانب دھان کے کھیت تھے جن میں بعض جگہ پر پانی کھڑا تھا اور درختوں جھاڑیوں کی بہتات تھی۔ تقریباً چار پانچ فرلانگ کے بعد درختوں میں گھرے ہوئے گاؤں ے جنہیں یہاں کی زبان میں ''باڑی'' کہا جاتا ہے۔ سڑک کے دائیں بائیں تقریباً آٹھ سو گز علاقے میں چھان بین کرتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کیا رفتار بہت سست تھی۔ ہمارے ان ملاپ صرف رنروں کے ذریعے تھا۔ وائرلیس سیٹ ہمیں نہ ملے تھے۔ بہر حال ابھی تھوڑی گئے ہوں گے کہ توپ خانے کے او پی کیپٹن اپنے وائرلیس سپاہی سمیت ہمارے ساتھ آ شامل ے ان کے آنے سے ہمارے مورال میں اضافہ ہو گیا۔ ان کے پاس نقشہ بھی تھا اور ملاپ کے وائرلیس سیٹ بھی تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ اگلے سیکشن پیش قدمی میں جھجک رہے ہیں۔ اس لئے میں ان کے ساتھ چلنے لگا۔ اس سے ان کے حوصلے بڑھ گئے...... سڑک کے نواح میں تمام باڑیاں سنسان تھا۔ شاید دیہاتی لوگ ہماری آمد کی خبر پا کر ''زیر زمین'' چلے گئے تھے۔ توپ خانے کے کیپٹن

صاحب بنگالی میں شد بد رکھتے تھے اس لئے کہیں اکا دکا بنگالی بوڑھا مل جاتا تو اس سے سوا
جواب کر کے اور نقشے کی مدد سے اپنی پوزیشن کا تعین کر لیتے۔

5 دسمبر 71ء

ہم نے یہ پیش قدمی رات کے تقریباً بارہ بجے باغ مدرا سے شروع کی اور پانچ دسمبر ساڑ
چار بجے صبح گولا جاباڑی میں پہنچے۔ اس دوران دشمن سے کہیں ملاپ نہ ہوا۔ صبح ہونے والی تھی
ہمارا مقصود جو نقشے پر بتایا گیا تھا ابھی تین چار گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ اب یہ فکر دامن گیر تھی کہ دن
روشنی میں دشمن کے ہوائی جہاز ہماری پیش قدمی میں حائل ہوں گے۔ ہم چاہتے تھے جتنا جلد
ہو سکے منزل پر پہنچ جائیں۔ دشمن سے مڈبھیڑ نہ ہونے کی بنا پر میرے جوانوں کی جھجک بھی دو
گئی تھی۔

گولا جاباڑی سے آگے سڑک دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ ایک سیدھی آگے جاتی
اور دوسری بائیں طرف کو مڑ گئی تھی۔ ہمارا مقام مقصود بائیں جانب سڑک پر تھا' تاہم اس امر کا
کرنے کے لئے ہم نے گاؤں میں کسی آدمی کو تلاش کیا۔ تھوڑی سی کوشش سے ایک ادھیڑ عمر کا
شخص مل گیا۔ توپ خانے کے کیپٹن نے اس سے معلومات لیں۔ اس دوران میں میرا ایک پلا
سیدھا آگے بڑھ گیا تھا۔ میں ان کے ساتھ شامل ہونے کے لئے تیزی سے آگے بڑھا۔ دو تین
گز آگے بڑھے ہوں گے کہ سامنے والے گاؤں سے زبردست فائر آنا شروع ہو گیا ہم لمحہ بھر
لئے دم بخود رہ گئے۔ سنسناتی گولیاں ہمارے دائیں بائیں سے گزرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں
میں نے کیپٹن صاحب کی مدد سے اپنے جوانوں کو ایک تالاب کے کنارے دفاعی پوزیشن میں
دیا۔ ہم نے بھی ہر قسم کا فائر کھول دیا۔ تھوڑی دیر تک دونوں طرف سے اندھا دھند فائرنگ
رہی۔ اس دوران میں صبح کی روشنی میں ہم نے آگے جانے والے پلاٹون کو پیچھے مڑ
دیکھا۔ میں نے اس کے کمانڈر نائب صوبیدار کو سڑک کے ساتھ پوزیشن لینے کو کہا۔ مشین
تالاب کے کنارے نصب کیں۔ اب دشمن کے توپ خانے کا فائر بھی آنے لگا۔ مگر ایک تو گو
ہم سے سو گز دور گر رہے تھے۔ دوسرے دلدلی زمین کی وجہ سے بہت کم گولے پھٹتے زیا
دلدلوں میں دھنس کر رہ جاتے ہمارے ساتھ توپ خانے کے کیپٹن نے اپنا فائر بھی مانگ لیا۔
بوچھاڑ تو دشمن پر نہ گری' مگر پھر نشانہ درست کروا دیا گیا اور دشمن کا سر دب گیا۔

ب میں نے اپنی کمپنی کی حالت پر نظر ڈالنے کا فیصلہ کیا کیونکہ اندھا دھند فائرنگ میں کچھ
تھا کہ میرے آدمی کدھر چلے گئے بس جو قریب دکھائی دیئے انہیں پوزیشنوں میں لگا دیا تھا
آدمیوں کی تلاش میں دو میل پیچھے رہ گیا تو راستے میں سی اے ایف کے جوان ملے۔ کہنے
رنل صاحب نے بتایا کہ تم دشمن کی گھات میں آ گئے ہو۔ میں نے کہا فکر کی بات نہیں' ہم
روک دیا ہے۔ پھر میں کرنل صاحب کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچا۔ وہ بڑے مغموم نظر آ رہے
یکھتے ہی اچھل پڑے۔ ''تم زندہ ہو؟ میں تو سمجھا تھا کہ تم اور توپ خانے کا کیپٹن دشمن کی
ں آ گئے ہو؟''۔

ں نے جواب دیا خدا کا شکر ہے ہم محفوظ رہے ہیں اور دشمن کو فی الحال روک لیا گیا ہے۔
ب میں واپس پہنچا تو عجیب نقشہ تھا۔ میرا ایک پلاٹون پھر دشمن سے ٹکرا گیا تھا۔ سخت مقابلہ
۔ دشمن کو اگلی پوزیشنیں خالی کرنا پڑیں۔ مگر ان کے پیچھے سے مشین گن کے فائر نے
دمیوں کو سخت زچ کیا۔ ایک جوان شہید ہو گیا تھا۔ چار زخمی۔ میں نے دیکھا کہ دشمن کے
ں ٹرکوں سے اتر رہے ہیں...... یوں تازہ دم فوج کی مدد انہیں مل گئی تھی۔ وہ کسی وقت بھی
کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس اسلحہ محدود تھا پیچھے سے کمک کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا' مگر میں
ت پر جگہ چھوڑنے کو تیار نہ تھا' کیونکہ پھر دشمن اور بریگیڈ کوارٹر کے درمیان کوئی رکاوٹ باقی
دشمن دندناتا ہوا ہمیں روند کر آگے نکل جاتا۔

ے اگلے پلاٹون میں سے ایک جوان شہید ہو گیا تھا اور چار زخمی اور دو لاپتہ تھے۔ دن
بجے' ہمیں پیچھے ہٹنے کا حکم ملا۔ ہم شہید کی لاش کو لیکر باغ مورا میں پہنچ گئے جہاں سے رات
ی کا آغاز کیا تھا۔ شہید کو وہاں دفن کیا اور زخمیوں کو کومیلا بھیج دیا۔ اب بریگیڈیئر صاحب
لال مائی جانے کا حکم دیا۔ یہ جگہ باغ مورا سے تین چار میل شمال مغرب میں تھی۔ کمانڈر
اور کرنل صاحب جیپ میں آگے آگے چلے گئے۔ میں کمپنی کو ساتھ لے کر ایک بجے کے
ل مائی پہنچا۔ یہاں جوانوں نے کھانا کھایا۔ دو بجے بعد دوپہر دشمن کے ہوائی جہازوں
ر دیا۔ ہماری تین چار گاڑیوں اور پٹرول کے ڈمپ میں آگ لگ گئی۔ میرے دو جوان
ے۔ انہیں کومیلا روانہ کر دیا گیا۔ آگ کے شعلے اور دھوئیں کے مرغولے بڑا خوفناک منظر
ہے تھے۔ شام تک ہوائی جہاز چکر کاٹتے رہے' مگر بعد میں مزید بمباری نہ ہوئی۔ شاید وہ

اپنی کارگزاری پر مطمئن تھے۔

تین بجے سہ پہر کرنل صاحب نے مجھے بریگیڈ کمانڈ پوسٹ میں بلایا اور مغرب کی طر
اشارے سے بتایا کہ دائیں جانب اس درخت کی چوٹی سے بائیں جانب اس جھاڑی تک تم
دفاعی پوزیشن اختیار کرنی ہے۔ میں اندازے سے پلاٹون لے کر ادھر روانہ ہوگیا۔ راستے
ایک رنر ملا کہ کرنل صاحب پیچھے بلا رہے ہیں واپس گیا۔ حکم ہوا' آج رات ہم آگے جا کر دُ
پوزیشنوں پر فائر گرا کر واپس آجائیں گے۔ تم اپنے جوانوں کو شام ہوتے ہی نقطہ آغاز پر
میں کمپنی میں واپس گیا۔ شام تقریباً ہونے والی تھی۔ جلدی سے انہیں سٹارٹنگ لائن پر جمع
وہاں ایف ایف کی دو کمپنیاں اور سی اے ایف کے دو پلاٹون بھی آگئے۔ شام ہوتے ہی ہم
مارچ کیا۔ کومیلا روڈ پر جا کر ہم دائیں طرف مڑے اور تھوڑی دور تک ایک تنگ سی سڑک پر تا
کے کنارے بنائی ہوئی جگہوں پر فائر گرایا۔ اس کے بعد لال مائی واپس آگئے رات خاصی سرد
کہ مورچوں میں گزاری ہم سے کچھ دور چھوٹے ہتھیاروں کے فائر کی آواز آرہی تھی۔

6 دسمبر 71ء

صبح چھ بجے میں نے کرنل صاحب سے اپنی جگہ کے تعین کے بارے میں استفسار کیا۔
لگے۔ سیدھے مغرب کا رخ کرو۔ جہاں ٹوٹی پھوٹی زمین ختم ہوتی ہے۔ وہاں مورچہ بندی
تمہارے بائیں ایف ایف کی دو کمپنیاں ہوں گی اور دائیں سی اے ایف کا ایک پلاٹون
کمپنی کو لے کر آگے بڑھا۔ ٹوٹی پھوٹی زمین کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ پورا علاقہ خا
تھا۔ خطرہ تھا کہیں دشمن گھات میں نہ بیٹھا ہو اس لئے باقاعدہ ٹیکنیکل ترتیب اختیار کرلی۔
ڈھائی تین ہزار گز کے فاصلے پر ٹوٹی ہوئی زمین ختم ہوتی تھی آگے گنجان آبادی والے گاؤں
یہاں مورچے بھی بنے ہوئے تھے' مگر یوں معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے جلدی میں بنائے ہیں
ہتھیاروں کی جگہ کا درست انتخاب نہ کیا گیا تھا۔ فیلڈ آف فائر بھی صاف دکھائی نہ دیتا تھا۔

میں نے ہر پلاٹون کے ایریا میں جا کر ہتھیار لگانے کی جگہوں کی صحیح نشاندہی کی۔
بائیں کمپنیوں سے ملاپ کے لئے آدمی بھیجے' مگر وہ دور دور تک ہو کر واپس آگئے۔ انہیں کوئی
نہ ملا۔ اب خالی مقامات کی دیکھ بھال کے لئے میں نے گشتی دستے بھیج دیئے' تاکہ دشمن ا
پہلو سے حملہ نہ کرے۔ میں سمجھتا تھا کہ دائیں بائیں والی کمپنیاں تھوڑی دیر تک آجائیں گی

یہ جگہیں خالی پڑی رہیں پیچھے ہیڈ کوارٹر سے ملاپ کا ذریعہ بھی سوائے رنر کے کچھ نہ تھا۔
ہم مورچے درست کرنے میں لگے رہے خیال تھا ہمیں یہاں زیادہ دیر تک رکنا پڑے گا۔
وقت دشمن کے ہوائی جہاز ہمارے اوپر سے پرواز کرتے آگے نکل گئے۔ ہم سے ڈیڑھ دو
گے ایک سڑک تھی جو شرقاً غرباً جاتی تھی' غالباً لکشم سے چاندپور روڈ تھی۔ اس پر دشمن کی اکا دکا
کھائی دے جاتی۔ اس کے علاوہ ہمارے محاذ پر مکمل خاموشی تھی۔ رات کو دائیں بائیں کچھ
پر چھوٹے ہتھیاروں کے فائر کی آوازیں متواتر سنائی دیتی رہیں۔

7 دسمبر 71ء

ہارے دائیں بائیں والی پوزیشن بدستور خالی پڑی تھی۔ میرے پلاٹون' لال مائی سے
ٹ گئے تھے۔ ہمارے پیچھے بریگیڈ کمانڈ پوسٹ کا ایریا تھا جو نظروں سے اوجھل تھا صبح
ہی ہم نے مورچے مزید مضبوط بنانے شروع کئے دن کے بارہ بجے میں واپس بریگیڈ ہیڈ
جا رہا تھا کہ کرنل صاحب کو حالات سے آگاہ کروں' راستے میں ایک رنر ملا' اس نے کرنل
ب کی طرف سے طلبی کا حکم سنایا' میں جب پیچھے پہنچا' تو کیا دیکھتا ہوں کہ سب لوگ سامان
ر جگہ چھوڑنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ کرنل صاحب بھی جیپ کے قریب تیار کھڑے تھے۔
نے کہا آدھ گھنٹہ کے اندر کمپنی کو پیچھے بلاؤ اگر تم نے دیر کی تو یہاں ہی رہ جاؤ گے اور نتائج کی
ری تم پر ہوگی۔ اگرچہ یہ وقت ناکافی تھا تاہم میں نے رنر کو اپنے پلاٹون کے پاس ہدایات
بھیج دیا اور خود میں اپنے لنگر والوں کو اطلاع دینے چلا گیا۔ ہر شخص حیران تھا کہ آخر ہو کیا گیا
لدی جلدی جوانوں نے کھانے کے برتن گاڑیوں میں رکھے۔ ان کے کئی بستر اور کٹ بیگ
ہ گئے۔ دشمن کے ہوائی جہازوں کو شاید ہماری نقل و حرکت کا پتہ چل گیا تھا۔ بار بار ہمارے
ر منڈلانے لگتے اور ہمیں درختوں کی اوٹ میں پناہ لینا پڑتی' اس عرصے میں میرا ایک
اں پہنچ گیا۔ باقی لوگ ابھی پیچھے تھے۔ کرنل صاحب نے مجھے حکم دیا کہ گاڑی میں بیٹھوں
لوں کا انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں جلد از جلد کومیلا چھاؤنی میں پہنچنا ہے کیونکہ اندیشہ ہے کہ
مارا راستہ ہی نہ کاٹ دے۔

ڈھائی بجے ہم نے لال مائی کی پوزیشن کو خیرباد کہا۔ وہاں سے ایک کچی سڑک پہاڑی
سے کومیلا چھاؤنی جاتی تھی اس کی حالت سخت ناگفتہ بہ تھی۔ ہمارا چار پانچ بجے کومیلا

چھاؤنی کی چیک پوسٹ پر پہنچ گئے۔ یہ جگہ لال مائی ہل کی شمالی حد تھی اور کومیلا چھاؤنی ا
جنوبی حد۔ سورج غروب ہونے کو تھا۔ کرنل صاحب نے ڈوبتے سورج کی طرف اشارہ کر
وہ دیکھو دو جھاڑیوں کی چوٹیاں' پھر ناریل کے درختوں کا جھنڈ' تمہاری بائیں حد ہے۔ یہ
آدمیوں کو لے کر ادھر چل پڑا۔ میری باقی ماندہ کمپنی کا کچھ پتہ نہ تھا وہ پیچھے لال مائی رہ گئی
کہیں پیدل ٹھوکریں کھاتی آ رہی تھیں۔ میرے ایریا میں زمین کٹی پھٹی تھی اور جھاڑ جھنکار کی
ایک قدم آگے بڑھنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ رات کی سردی ڈیرہ جما رہی تھی۔ ہم کمبلوں سے مح
بیشتر سامان لال مائی رہ گیا تھا۔ بہر حال میں نے تھوڑی سی تگ و دو سے چھاؤنی سے مطلو
فراہم کر لیا۔ اس اثناء میں میری باقی نفری بھی یہاں پہنچ گئی۔

8 دسمبر 71ء

دن کی روشنی میں ہمارا علاقہ ذرا واضح ہوا۔ یہ کومیلا بریگیڈ ہیڈکوارٹر سے جنوب مغر
اے ایف ہیڈکوارٹر سے شمال مغرب کی طرف تھا' اور یہ جگہ کوٹ باری ایریا کی مغربی جا
ہمارے سامنے مغربی جانب میدانی علاقہ تھا۔ جس میں خوبصورت سرسبز باڑیاں تھیں۔
بائیں سی اے ایف کا ایک پلاٹون اور اس کے آگے پورا ونگ ڈیپلائے تھا۔ میرے دا
عقب میں ایف ایف کی کمپنیاں مورچہ بند تھیں۔ میری پوزیشن میں چند ایک مورچ
ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ پورے علاقے میں نئے مورچے تیار کروانے تھے۔ میں۔
جوانوں کو مناسب ہدایات دیں۔ پھر میں دائیں طرف ایف ایف کی کمپنی میں ملاپ کے
کمپنی کمانڈر سے تو ملاقات نہ ہو سکی۔ جوانوں کی حوصلہ افزائی کے بعد میں نے بائیں ط
اے ایف کے مورچوں کا رخ کیا۔ یہاں بیشتر لوگ مغربی پاکستان کے سابق فوجی تھ
کمانڈر بھی ایک ادھیڑ عمر کا ریٹائرڈ صوبیدار تھا۔ ان کے مورچے زمین اور ہتھیاروں کی م
لحاظ رکھے بغیر تیار کئے گئے تھے پلاٹون کی ہلکی مشین گن بھی اہم راستوں کو نظر انداز کر کے
گئی تھی۔ باڑیوں سے ایک کچی سڑک آ کر دفاعی پوزیشن کے اندر داخل ہوئی تھی۔ جو
تھی' میں نے ان جوانوں کو سمجھایا کہ مورچے بلندی پر بنانے کے بجائے اس کے آگے ا
بنائیں کہ مورچے کے قریب سے لے کر دور تک کا علاقہ صاف نظر آئے۔ پلاٹون کمانڈر
ہدایات سے استفادہ کیا۔

سارا دن اس قسم کی مصروفیات میں گزرا دشمن کے ہوائی جہاز خاصے سرگرم تھے۔ مگر وہ
اوپر سے گزر جاتے تھے۔ میرے پاس کسی سے ملاپ کے لئے نہ فون تھا نہ وائرلیس سیٹ
ہی حالات کی کچھ خبر نہ تھی۔ دشمن نے کومیلا چھاؤنی کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا مگر میرے
پر خاموشی تھی چھاؤنی کی مشرقی اور مغربی جانب سے فائر کی آوازیں آتیں۔ دشمن کا توپ خانہ
کبھار چھاؤنی میں گولہ باری کرتا۔

شام کو میں بریگیڈ ہیڈکوارٹر گیا اور بی ایم سے کہا کہ میرے پاس ملاپ کا کوئی ذریعہ نہیں۔
نے سگنل کمپنی کو فوری طور پر لائن بچھانے کو کہا۔ اس دوران میں شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔

9 دسمبر 71ء

صبح سویرے کمپنی میں چکر لگایا۔ پھر ملاپ کے لے دائیں بائیں نکل گیا۔ ونگ
(WIN) کے علاقے میں مورچے سٹیل پروف بنے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر مجھے رشک سا
ہوا پھر میں سی اے ایف کے آفیسر میس میں گیا بڑی خوبصورت جگہ تھی افسروں کے کمرے
تھے۔ ملحقہ غسل خانے دیکھ کر میرا نہانے کو جی چاہا۔ چار تمبر کے بعد سے غسل کا موقع نہ
بدن سے بدبو اٹھ رہی تھی اور چہرے سے وحشت برس رہی تھی۔ اب غسل کے بعد تازہ دم
نے فرحت سی محسوس کی۔

میں نے کمپنی میں واپس جا کر بتایا کہ ہمارے بائیں جانب ایک پورا
(WING) ڈیپلائے ہے۔ ان کے مورچے بہت مضبوط ہیں' اس لئے ہمیں اس طرف
خطرہ درپیش نہیں۔ ہم نے اپنی توجہ اپنے سامنے علاقے پر مرکوز کر دی۔

رات کے بارہ بجے تک پراسرار خاموشی چھائی رہی۔ اس کے بعد ہمارے بائیں ونگ کے
توپ کا فائر کرنے لگا۔ یہ آہستہ آہستہ شدت اختیار کرتا چلا گیا اور گولے ہماری پوزیشنوں
پھٹنے لگے۔

10 دسمبر 71ء

رات کے تین چار بجے تک فائر کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ہم مورچوں سے باہر نہ نکل سکتے
بائیں طرف سی اے ایف کے پلاٹون اور ونگ کے علاقے میں سے چھوٹے ہتھیاروں کے
آواز آنے لگی تھی [illegible] حملہ کر دیا تھا' مگر ہمیں جنگ کی صورت حال کا کچھ

پتہ نہ چلا۔ دائیں بائیں ہمارا ملاپ تو تھا نہیں' بریگیڈ سے ہیڈ کوارٹر کے ساتھ ملاپ کے لیے جو نئی
لائن بچھائی گئی تھی وہ بھی کہیں سے کٹ گئی۔ بے یقینی اور شش و پنج کی عجیب کیفیت تھی۔ صبح کی دھندلی
روشنی میں میں نے بائیں طرف سے دس بارہ آدمیوں کو آہستہ آہستہ اپنے مورچے کی طرف رینگتے
دیکھا۔ میں نے سوچا شاید دشمن کے سپاہی ہیں۔ اس لئے اپنے مورچے میں ہر ایک کو تیار رہنے
حکم دے دیا۔ پھر میں نے بلند آواز سے کہا۔ ہاتھ اوپر اٹھا دو ورنہ گولی مار دوں گا میری للکار کے
جواب میں انہوں نے کہا۔ "صاحب! ہم سی اے ایف کے پلاٹون کے آدمی ہیں۔ ہمارا ایمونیشن
ختم ہو چکا ہے۔ ہماری پوزیشن پر دشمن نے قبضہ کرلیا ہے۔ خدا کے لئے ہم پر فائر نہ کرنا"
شناخت کرنے کے بعد میں نے انہیں اپنی پوزیشنوں سے گزرنے کی اجازت دے دی۔ اس کے
بعد تو اور آدمی پیچھے ہٹنے لگے۔ میرے سر پر اپنے بائیں اور آگے والے سیکشن کی حفاظت اور دشمن
روکنے کا ایسا جنون طاری ہوا کہ میں نے پانچ چھ آدمیوں کو ساتھ لیا اور کھلے میدان میں دوڑ
شروع کر دیا۔ پچاس گز آگے بڑھے ہوں گے کہ دشمن کا فائر آ گیا۔ میرے دو جوان زخمی ہو کر گر
پڑے۔ کھلی جگہ پر فائر اس قدر بے پناہ تھا کہ ایک انچ آگے سرکنا دشوار ہو گیا تھا' میں رینگ
واپس مورچے میں آ گیا۔ صبح کی روشنی پھیل چکی تھی۔ پانچ چھ سو گز تک واضح طور پر یہ دیکھا جا
تھا میں نے ونگ کے ایریا پر نگاہ ڈالی۔ وہاں بہت سے آدمی پھر رہے تھے۔ پہلے تو سوچا شاید پا
فوج کے جوان ہوں گے۔ مگر انہوں نے تو ہماری طرف مورچے کھودنے شروع کر دیئے تھے
نے ان پر فائر کھول دیا۔ ایک آدمی ادھر ہی زمین پر گر پڑا۔ اسے اٹھانے کے لئے ایک شخص آ
بڑھا میری دوسری گولی اس کی کھوپڑی میں پیوست ہو گئی۔ اس کے بعد اس کا آزادانہ چلنا پھرنا
ہو گیا۔ پھر میں نے دو سو گز دور بائیں جانب کچھ اور لوگوں کو مورچے کھودتے دیکھا۔ ان پر بھی
کیا گیا۔ ایک آدمی گر گیا باقی لوگ پیچھے بھاگ گئے۔ اب دشمن جدھر بھی تھا مورچوں میں د
گیا۔

سورج نکل چکا تھا۔ دشمن کے حملے کی شدت کم ہو گئی تھی مگر اس کا توپخانہ مسلسل قیامت
رہا تھا۔ میں اس سے بے پرواہ ہو کر اپنے جوانوں کے حوصلے بڑھاتا رہا۔ سارا دن پیچھے سے
کمک ملتی رہی' مگر کوئی بھی دشمن کی گولہ باری میں زیادہ دیر تک جم نہ سکا۔ آہستہ آہستہ نوبت
یہاں تک پہنچی کہ ہمارے دائیں جانب بھی مورچے خالی ہو گئے۔

دشمن کی فضائیہ نے شکار کا فائدہ اٹھانا چاہا۔ وہ تو بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کو شاید بموں سے اڑا دینا
چاہتے تھے۔ بریگیڈ ایریا سے دھویں اور گرد و غبار کے دبیز بادل اٹھ رہے تھے۔

میرے دائیں اور بائیں پوزیشنیں خالی ہو جانے سے میرے اپنے جوان بھی ہمت ہار
۔ ایک وقت تو ایسا آیا کہ میرے ارد گرد صرف دس بارہ جوان موجود تھے۔ اگرچہ ہم نے دشمن کا
پسپا کر دیا تھا اسوقت ہماری پوزیشن مضبوط ہو رہی تھی پھر پسپائی میری سمجھ میں نہ آئی' مگر میں
چار آدمیوں کے ساتھ تنہا یہاں نہ ٹھہر سکتا تھا۔ دن کے ایک بجے میں نے تمام مورچے چیک
۔ اس لڑائی میں میرے پانچ آدمی شہید اور سات زخمی ہوئے تھے۔ شہیدوں کی لاشیں دشمن
مورچوں کے اس قدر قریب کھلی جگہ پر پڑی تھیں کہ وہاں سے انہیں اٹھانا محال تھا (سرنڈر کے
ہیں 18 دسمبر کو دفن کیا گیا)

ہم نے تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر ایم۔ پی چیک پوسٹ کے نواح میں نئے مورچے کھود لئے۔
اب بھی ہمارے نزدیک تھا اور چھوٹے ہتھیاروں سے فائر کر رہا تھا۔ میں نے اپنے جوانوں کو
دیا تھا کہ چونکہ ایمونیشن کی کمی ہے' اس لئے جب تک دشمن مار کی حد میں نہ آئے' اس پر فائر
نے سے گریز کیا جائے۔

11 دسمبر 71ء

صبح کی دھند دور ہوتے ہی دشمن کے ہوائی جہازوں نے ہمارے سروں پر چیلوں کی طرح
لانا شروع کر دیا۔ ہر گھنٹے آدھے گھنٹے بعد دو تین جہاز آ جاتے۔ ان کا نشانہ خاص طور پر بریگیڈ
تھا' جہاں پٹرول اور اسلحہ کے ڈمپ تھے۔ دشمن کے توپخانے کا نشانہ یہی ایریا تھا کبھی کبھار
ے مورچوں پر گولے برستے' مگر ہم ان کے عادی ہو چکے تھے۔

نو دس بجے کے قریب اس بریگیڈ کے بچے کھچے تین چار سو آدمی اپنے کمانڈر کے ساتھ کومیلا
سے ہمارے دفاعی حصار میں داخل ہوئے جن کے ساتھ سب سے پہلے ہم نے فلینی میں کام
تھا پہلے تو ہم نے انہیں دشمن کی فوج تصور کیا' مگر ان کے شور مچانے پر فائر بند کیا گیا۔ تھکاوٹ
ان کا برا حال ہو رہا تھا۔

پچھلے پہر میں نے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کا ایک چکر لگایا۔ بی ایم کو اپنے ارد گرد محاذ کی داستان
ا اور پھر واپس مورچوں میں آ گیا۔ رات کو کافی دور سے فائر کی آوازیں آتی رہیں۔

12 دسمبر 71ء

میری بائیں پلاٹون پر دشمن نے زبردست فائرنگ شروع کر دی۔ وہ ٹینکوں کو بھی آگے
آیا۔ دشمن کی جنگل والی رج پر قبضہ کرنا چاہتا تھا جو میرے دفاع کے لئے نہایت اہم تھی۔ دشم
سامنے میرے پلاٹون کے صرف اگلے دو سیکشن رہ گئے تھے۔ انہوں نے کمال جرات اور
کا مظاہرہ کیا۔ دشمن کی خواہش کو انہوں نے مٹی میں ملا دیا۔ ہمیں پیچھے سے ایف ایف کی مد
ایک ٹینک بھی بھیج دیا گیا۔ ہمارے حوصلے آسمانوں سے باتیں کرنے لگے۔ اب مل کر ہم نے
کو پیچھے دھکیل دیا۔ اس کارروائی میں بلوچ رجمنٹ کا کمانڈر دلیری سے لڑتا ہوا زخمی ہو گیا۔
والی رج پر ایف ایف کے پلاٹون نے دوبارہ پوزیشن مستحکم کر لی۔

14 دسمبر 71ء

13 دسمبر کا دن کسی خاص کارروائی کے بغیر گزر گیا دشمن اپنی جگہ پر مطمئن بیٹھا رہا۔ ا
ہوائی جہاز کسر نکال رہے تھے۔ رات نو دس بجے میرے مورچوں پر دشمن کے توپ خانے کا ف
شروع ہوا۔ آہستہ آہستہ یہ شدت اختیار کر گیا۔ اس کا نشانہ میرا بایاں پلاٹون اور جنگل والی
علاقہ تھا۔ رات کے بارہ بجے تک قیامت خیز گولہ باری ہونے لگی۔ یوں محسوس ہوتا تھا ک
پھٹ جائے گی۔ رات ڈیڑھ بجے ایف ایف کا کیپٹن میرے مورچوں سے گزرا۔ میں نے
لگا لیا کہ جنگل والی رج خالی کر کے آئے ہیں۔ میں سخت پریشان تھا کہ اب دشمن مزے سے
ایم پی چیک پوسٹ کی طرف بڑھ کر میری پوزیشنوں میں داخل ہو سکتا ہے۔ میں نے توپخا
او پی سے کہا کہ وہ فائر مانگے اور دشمن کا کچھ توڑ کرے۔ اس نے بڑی پھرتی دکھائی تھوڑی
ہماری توپوں کا فائر آنا شروع ہو گیا۔ دشمن کو میرے اوپر حملہ کی جرات نہ ہو سکی۔

خدا خدا کر کے رات کا اندھیرا ختم ہوا۔ صبح کی روشنی پھیلنے سے منظر واضح ہوا۔ میں نے
مورچوں میں چکر لگا کر جوانوں کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کی۔

نو دس بجے کے قریب دشمن نے دائیں اور بائیں دونوں طرف سے بڑھنا شروع ک
بائیں طرف جنگل والی رج پر میری پوزیشن سے فائر کی وجہ سے وہ آگے نہ بڑھ سکا' لیکن ا
کمک دھڑا دھڑ مل رہی تھی۔ دائیں طرف بغیر کسی مزاحمت کے دشمن نے میرے پیچھے والی ر
مغربی جانب سے آگے بڑھنا شروع کیا۔ وہاں سے پاک فوج کے جوان بڑھتے ہوئے د

نظر پسپا ہونے لگے۔ دشمن کی اس دو طرفہ پیش قدمی سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ میری پوزیشن
برے میں لینا چاہتا ہے۔ واویلے کو ایک فوجی افسر نے سن کر اپنے کرنل سے کہا اسے شیل شاک
ہے یہ ہوش میں نہیں رہا اس صورت حال میں کچھ پیش نہ گئی۔...... میں نے مناسب سمجھا کہ
صورت حال کی اطلاع بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کو دوں ٹیلی فون یا وائرلیس نہ ہونے کی بنا پر جیپ میں
ہو گیا۔ راستے میں ایک کیپٹن صاحب بھی ساتھ ہو لئے۔ ہوائی جہازوں کی بار بار مداخلت کی
ہمیں جیپ روک کر مورچوں میں دبکنا پڑتا۔ ہیڈ کوارٹر میں پہنچے تو نہایت ابتر حالت تھی جا بجا
ے پڑے تھے۔ مجھے بریگیڈیئر صاحب نہ مل سکے جب واپس اپنی کمپنی میں گیا تو کئی جوان
چھوڑ چکے تھے۔ دشمن سامنے آزادانہ گھوم پھر رہا تھا۔ انتشار اور افراتفری کا یہ عالم میں نے
ی میں کبھی نہ دیکھا تھا۔ نظم و نسق معطل تھا۔ احکام سرے سے تھے ہی نہیں' اگر کوئی حکم دیتا بھی تو
ی طرف کوئی دھیان نہ دیتا۔ بداعتمادی' عدم تعاون اور باہمی بے تعلقی کی ایسی مثالیں دیکھیں
لیجہ منہ کو آنے لگتا۔ پھر یہ سوچ کر دل کو سمجھانا چاہا کہ بحران میں شاید ایسا ہی ہوتا ہو۔

شام چار بجے بریگیڈ کی طرف سے حکم ملا کہ لائنوں میں رپورٹ کی جائے۔ بارکوں میں پہنچے
اں بری حالت تھی۔ دیواریں اور چھتیں گولوں سے چھلنی چھلنی تھیں۔ رات نہایت بے آرامی
ٹی دشمن کے توپ خانے نے گاہے بگاہے گولہ باری جاری رکھی اور ہمارے اعصاب پر مسلسل
رتا رہا۔

15 دسمبر 71ء

آج مجھے پنجاب رجمنٹ کے ایریا میں بھیج دیا گیا۔ یہاں ہمارے بھوکے پیاسے جوانوں کو
بار کھانا اور آرام میسر آیا۔ اس محاذ پر حالات نسبتاً پرسکون تھے کبھی کبھی دشمن کی توپوں کا فائر آ
۔ میری کمپنی کے پلاٹون مختلف جگہوں پر ڈیپلائے کر دیئے گئے۔ میں نے جس جگہ پوزیشن
بالی وہاں دشمن سامنے کی باڑیوں میں موجود تھا رات کو بھی کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔ یہاں
فوج نے مکمل فائر کنٹرول کا ثبوت دیا تھا۔

16 دسمبر 71ء

پورا دن پوزیشن میں گزرا چند ایک مورچوں کو ٹھیک کیا۔ حالات پرسکون تھے۔ دشمن کے
جہاز ہمارے اوپر سے گزر کر آگے نکل جاتے۔ شام چھ سات بجے کے قریب یونٹ کی طرف

سے حکم ملا کہ تمام کمپنیاں پیچھے آ جائیں۔لڑائی ختم ہوگئی۔جنرل نیازی نے ہتھیار رکھ دینا منظور کر
ہے۔پلاٹون کو کمپنی ہیڈ کوارٹر میں جمع کر کے حالات سے مطلع کیا گیا۔

پنجاب کے کمپنی کمانڈر اور میں نے مل کر فیصلہ کیا کہ اپنے ہتھیار دشمن کے حوالے نہیں کر
گے' چنانچہ ہم نے اپنی رائفلیں اور ایمونیشن ایک بوری میں لپیٹ کر ایک بڑے درخت کے نیچے گ
کھود کر دبا دیا۔اس وقت میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔آہ! ہمیں یہ ذلت بھی دیکھنا تھی۔
و دماغ میں ایک طوفان سا اٹھ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ ہماری آئندہ نسلیں ہمارے متعلق کیا خیا
کریں گی۔پاکستان کا ایک حصہ دشمن نے ہم سے علیحدہ کر دیا تاریخ میں ہندوستان کی کامیابی
ہماری ناکامی کا ذکر ہوگا۔

اگلے روز 17 دسمبر کو دشمن کے سامنے ہتھیار رکھنے کی رسم پوری ہوئی۔اب ہم دشمن کے قی
تھے۔

جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں

جناب الطاف گوہر کا نام تیسری دنیا کے شاید ہی کسی پڑھے لکھے شخص کے لئے اجنبی رہا ہو
ہوں نے مرحوم صدر ایوب خان کے ساتھ اعلیٰ سول افسر کی حیثیت سے ایک لمبا عرصہ گزارا۔
ں اس دوران مختلف حوالوں سے شہرت پاتے رہے اور یہ بھی کہا گیا۔کہ صدر ایوب مرحوم کی
شپ کے پس پردہ دراصل الطاف گوہر کا ذہن کارفرما تھا۔مرحوم صدر ایوب خان کی
لیسیاں جناب الطاف گوہر کی بصیرت افروز مشاورت کے مرہون منت رہی ہیں۔ان کی
ت لاکھ متنازعہ سہی لیکن ان کی حب الوطنی کبھی متنازعہ نہیں رہی۔اس لئے سقوط ڈھاکہ پر ان
یالات ہر چند کہ اس میں اختلاف ہزار پہلو ہی کیوں نہ موجود رہے ہوں' اپنی جگہ بڑی اہمیت
ل ہے' آیئے اور دیکھیں کہ ہماری بیوروکریسی کے اس آہنی ستون نے تاریخ اسلام کے اس
زین سانحے کو کس انداز سے دیکھا اور محسوس کیا۔

فرید پور میں پہلی دفعہ مجھے یہ احساس ہوا کہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان
یائی فاصلے کے علاوہ ایک سیاسی خلیج بھی حائل ہو رہی ہے۔موہن میاں مجھ سے جب کبھی
چوہدری محمد علی کا ضرور ذکر کرتے۔چوہدری صاحب ان دنوں ابھی سیکرٹری جنرل تھے لیکن
رہا تھا کہ وہ سرکاری ملازمت کی تنگ نائے غزل سے نکل کر سیاسی اقتدار کے بحر بے کراں
طہ زن ہونے والے ہیں۔مشرقی پاکستان میں خلق خدا چوہدری صاحب کے بارے میں یہ
ی کہ وہ مرکزی حکومت میں بیٹھا بنگالیوں کے خلاف ایسا زہر پھیلا رہا ہے جس کا کوئی تریاق
مغربی پاکستان کے وہ افسر جو مشرقی پاکستان میں متعین ہوئے تھے سب چوہدری صاحب
ی سمجھے جاتے تھے۔ہر چند کہ ہم میں سے شاید ہی کسی نے چوہدری صاحب کو دیکھا ہو۔یہ
بھی عام تھا کہ ہمیں ہزاروں روپے تنخواہ ملتی ہے اور بنگالی افسروں کو دو چار سو روپوں پر ٹرخایا
ہے۔موہن میاں کو جب معلوم ہوا کہ مجھے ماہوار ساڑھے چھ سو روپے ملتے ہیں۔تو وہ بے حد
ہوا اور کہنے لگا۔''تو پھر آپ اتنی دور کیوں آتا ہے؟'' وہ انتظامی ڈھانچہ جسے ہم نے

انگریزوں سے ورثے میں پایا تھا آزادی کے بعد رنگ لانے لگا۔ مسلم لیگ کے اکابرین اور سیا
حکمران' انتظامی ذمہ داریوں اور ملک کو چلانے کے کاروبار سے نا آشنا تھے۔ کارندے' آخر کا
ندے تھے اور ان میں سے جو پرانے لوگ تھے' ان کے مزاج میں انگریزیت رچی ہوئی تھی۔
نئے پاکستانی افسروں کو بھی اپنے برابر کا درجہ دینے کو تیار نہ تھے۔ اپنے نام کے ساتھ ایس پی لکھ
توہین سمجھتے اور شروع شروع میں انہوں نے اپنی ایسوسی ایشن بھی علیحدہ ہی رکھی تھی۔ تربیت کے
زمانے میں یہ قاعدہ ہوتا کہ نوجوان افسر' ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا سیشن جج کے ہاں رہا کرتے تھے
آزادی کے بعد کسی آئی سی ایس افسر نے اس طرح کا میل ملاپ مناسب نہ سمجھا۔ جب پاکستا
افسروں کی طرف ان بزرگوں کا یہ رویہ تھا تو عوام کس شمار میں تھے۔

گاؤں کے لوگ پاکستان کے نئے مسلمان افسروں کو دیکھنے آتے' وہاں انہیں وہی گور
اور صاحب لوگ اجلاس فرماتے نظر آتے۔ مرکزی حکومت کی طرف سے پرانے افسروں اور
افسروں کی تربیت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ جس قسم کا چیف سیکرٹری ہوتا صوبے میں اس قسم کا نظام
لگتا۔ 1955ء تک مشرقی پاکستان میں جو نظام کارفرما تھا وہ انگریزی نظام کا چربہ تھا۔ اس میں
کوئی اسلامی رنگ تھا نہ کوئی پاکستانی خصوصیت۔ وہی سیکولر نظام تعلیم' وہی نوکریوں کے لئے تگ
ودو ہی پولیس وہی مجسٹریٹ' جب یہ سب کچھ وہی تھا' تو لوگ کیسے سمجھ لیتے کہ یہ افسر جو ہزار میل
سے ان کے صوبے میں آئے ہیں' ان کے اپنے لوگ ہیں؟ خود افسروں کا یہ حال تھا کہ وہ ہر دم
نالاں رہتے۔ ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جو مشرقی پاکستان میں رہنے کو تیار ہو۔ وہاں کے لوگوں
ملنا جلنا یا ان سے کوئی ربط قائم کرنا تو درکنار۔

حکومت مغربی پاکستان میں تھی جیسے پہلے انگلستان میں ہوا کرتی تھی۔ صوبے کا نظم ونسق
ٹولے کے ہاتھوں میں تھا جس کا تعلق مغربی پاکستان سے تھا۔ بنگالی چونکہ چھوٹے قد کے تھے'
لئے فوج میں ان کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ جہاں تک سول سروس کا تعلق تھا' اس میں ایک ا۔
ایم نورالنبی چوہدری' باقی اللہ اللہ خیر سلا۔ بنگالیوں کے باپ دادا چونکہ مقابلہ کے امتحان میں
کامیاب نہ ہوئے تھے' اس گناہ کی سزا آزادی کے بعد ان کے بچوں کو دی جا رہی تھی۔ مر
حکومت میں اس موضوع پر نہ کوئی سوچ بچار ہو رہا تھا اور نہ اس بڑھتی ہوئی صوبائی کشمکش کا
احساس تھا۔ سوچا تو یہ سوچا کہ ''کوٹہ'' سسٹم ڈھونڈ نکالا۔ وہی حربہ جو انگریز' اقلیتوں کے

ل کرتے تھے' بنگالیوں کے لئے بھی مناسب سمجھا گیا۔

ان حالات میں تیس پینتیس افسر' جن میں سے بیشتر پنجابی اور مہاجر تھے' مغربی پاکستان کی
ن بن گئے۔ ان کی حیثیت اقتدار پر قابض حکمران ٹولے کے گماشتوں کی ہوگئی۔ بزرگ قسم
ئے تو خیر سیاسی جوڑ توڑ میں شریک تھے ہی نوجوان افسر بھی سیاسی کاموں کے لئے استعمال
گے۔ جس ضلع میں وزیر اعلیٰ کے سیاسی تعلقات اچھے ہوتے وہاں بنگالی افسر بھیجے جاتے اور
کراؤ کی نوبت آتی وہاں مغربی پاکستان کا کوئی افسر متعین کیا جاتا اور دلیل یہ دی جاتی کہ افسر
بدار طریقے پر کام کرے گا اور کسی قسم کی مقامی دھونس یا سرکاری لالچ میں نہ آئے گا۔ دلیل کی
تو یہ بات صحیح تھی' مگر بنگالیوں کی نظر میں ان افسروں کی حیثیت بھاڑے کے ٹٹوؤں سے
تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جہاں وزیر اعلیٰ کے کسی مخالف نے سر اٹھایا' فوراً مغربی
ن کا کوئی افسر شرپسندوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا گیا۔

ادھر اسکولوں اور کالجوں میں وہی پرانی کتابیں اور نصاب تعلیم رائج تھا۔ فرید پور کے
رد کالج کے پرنسپل اور کئی استاد ہندو تھے۔ یہ ہندو حضرات اپنے اپنے مضمون میں ماہر اور شہر
جوانوں میں ان کی بڑی عزت تھی۔ ان کے ساتھ کئی اور ہندو استاد ان کالجوں میں پڑھاتے
صوبے کے دوسرے کالجوں اور ہائی اسکولوں میں بھی یہی صورت حال تھی۔ ان استادوں نے
یوی بچے تو کلکتے میں بھیج دیئے تھے اور خود اپنے مشن کی تکمیل میں مصروف تھے۔ مرکزی
بائی حکومتوں کے پاس کہاں وقت تھا کہ وہ تعلیم جیسے ''غیر ضروری'' معاملے پر توجہ دیتی؟ جن
ل اور افسروں کو کسی قابل نہ سمجھا جاتا انہیں تعلیم کے محکمے میں لگا دیا جاتا۔

دوسرے اہم پیشوں میں بھی ہندوؤں کا بڑا اثر ورسوخ تھا۔ وکالت' ڈاکٹری' بیوپار ان میں
شعبے میں ہندو ہی ممتاز اور نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ بنگالی مسلمان ابھی ترقی کی ابتدائی
مل میں تھے۔ مغربی پاکستان کے مسلمانوں سے ان کا کوئی تعلق قائم نہ ہو رہا تھا۔ سرکاری
ے داران کے لئے اجنبی تھے۔ ان حالات میں ہندو اساتذہ' وکلاء اور سیاسی طالع آزماؤں کو
ر اثر وسیع کرنے میں بڑی آسانی ہوگئی۔

مغربی پاکستان والے' اردو زبان کا ذکر تو بہت کرتے' لیکن بولتے تھے صرف انگریزی
لی نوجوان انگریزی میں بات چیت کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ جب مغربی پاکستان سے

زبان کا ربط پیدا نہ ہو سکا تو مشرقی بنگال کے ہندوؤں کو بنگالی مسلمانوں سے اپنے لسانی تعلق کو بڑھا کر ایک بنیادی کلچرل مماثلت اور اشتراک کی شکل دینے کا موقع مل گیا۔ ہندو جو بنگلہ بولتے تھے وہ مسلمانوں کی زبان سے مختلف ضرور تھی' مگر مشرقی پاکستان والوں کے لئے وہ' انگریزی زبان (جو مغربی پاکستان والوں کی زبان تھی) سے زیادہ قابل قبول تھی۔

رہ گیا اسلام کا ناطہ تو وہ ہوا میں تو برقرار نہ رہ سکتا تھا۔ جب زندگی کے کسی شعبے میں کسی اسلامی قدر کا کوئی نشان نہ تھا' تو دلوں میں اس کی جھلک کیونکر آتی؟ وہی کچہریاں لگتیں۔ وہی جھوٹی شہادتیں' وہی جبر و استبداد کے طریقے' وہی انگریزی طرز کے الیکشن اور وہی ووٹوں کی دھاندلیاں' اسلام تو بس لفظوں کا ایک کھیل تھا۔

بس ایک ہی قدر مشترک تھی اور وہ تھی مال و دولت کی خواہش۔ ہر شخص اس فکر میں مبتلا کہ وہ کہیں روپے کی دوڑ میں پیچھے نہ رہ جائے۔ اسے پرمٹ مل گیا' وہ لائسنس لے اڑا' دیکھتے ہی دیکھتے فلاں نے کارخانہ کھڑا کر لیا' فلاں نے مل لگا لی۔ ہر طرف یہی چرچا تھا۔ مشرقی پاکستان والوں کو یہ احساس بڑی شدت سے کھائے جا رہا تھا کہ مغربی پاکستان کے تیز گاموں نے محمل کو جا لیا اور وہ محو نالہ جرس کارواں رہے۔ بڑھانے والوں نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ مشرقی پاکستان کا سارا زر مبادلہ مغربی پاکستان میں صرف ہو رہا ہے۔ ہر طرف مایوسی اور مفلسی کا سماں دیکھتے دیکھتے اور غیروں کی باتیں سنتے سنتے انہیں یقین ہو گیا کہ مغربی پاکستان میں جو دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں' ان کی کھدائی انہیں کے خون پسینے کی مرہون احسان ہے۔

بنگالی مسلمانوں کی متلون مزاجی' ان کا جوشیلا پن اور سیاسی سوجھ بوجھ وہ حقائق ہیں جن کا بہت ذکر ہو چکا ہے' لیکن ان کے کردار کا ایک اور پہلو تجزیئے اور توجہ کا محتاج ہے اس پہلو کو ایک نام دینا مشکل ہے۔ اس لئے کہ یہ کئی الجھے ہوئے احساسات اور دبی ہوئی خواہشات کا پردہ دار بھی ہے اور آئینہ دار بھی۔ عام میل جول میں یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ لوگ بڑا تند و تیز لہجہ اختیار کرتے ہیں' دوسرا شخص سوچنے لگتا ہے کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے مجھے بارہا یوں محسوس ہوا جیسے اس جارحانہ خول میں ایک گداز اور حساس دل دھڑک رہا ہے' مگر اسے نہ اپنے آپ پر اعتماد ہے اور نہ کسی اور پر۔ خول سے باہر ہر چیز اس کی دشمن اور دشمن کا کیا اعتبار کب اور کہاں وار کر بیٹھے؟ ممکن ہے میرا تجزیہ غلط ہو' اس لئے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' اس کی بنیاد ذاتی مشاہدہ ہے' کوئی سائنٹفک

نہیں۔

بنگلہ زبان میں ایک لفظ ہے "پوچھیما" POSHCHIMA" (اردو میں پچھمیا کہیں گے) مغرب سے آنے والا۔ مغرب سے کیا آتا ہے؟ ہوائیں جو طوفانوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔ فرید پور میں ایک مخصوص طوفان آتا ہے جسے "کال بیساکھی" کہتے ہیں۔ گھٹائیں اُمڈتی ہیں' ہر طرف سناٹا چھا جاتا ہے' کشتی والے دریاؤں سے چشم زدن میں غائب ہو جاتے ہیں۔ کھیتوں سے بھاگ کر گھروں میں پناہ لیتے ہیں اور کال بیساکھی آفات آسمانی کے چنگھاڑتے غول کی طرح نازل ہوتی ہے اس کی زد میں جو کچھ آتا ہے' فنا ہو جاتا ہے۔ مغرب سے اور کیا آتا ہے؟ بے کراں دریاؤں کا بے قابو پانی جو تباہی کی ایک سیاہ دیوار بن کر ابھرتا ہے اور سینکڑوں کو اپنی لپیٹ میں بہا کر لے جاتا ہے۔ مغرب ہی سے نئے پاکستانی حکمران آئے تھے۔ مغربی پاکستان کے کسی شخص کے بارے میں یہ بات کرتے ہوئے بنگالی نوجوان اسے "پوچھیما" ہی کہتے۔ یہ لفظ ظلم اور نو آبادیاتی نظام حکومت کی علامت تھا۔

کوئی یہ نہ سوچتا کہ مغربی پاکستان کے لوگ اگر بھائی نہیں' تو ایک ہی ملک کے باشندے تو ہیں اور جن حالات میں وہ اپنے گھروں سے دور کام کر رہے ہیں اسے اگر خدمت کا درجہ نہ دیا جائے تو کم از کم ایک شہری حق تو ضرور گردانا جائے۔

وہ عناصر جو تحریک پاکستان کے اصل روح تھے۔ ایک ایمان' ایک عقیدہ' ایک زبان' رفتہ رفتہ نظر میں چلے گئے اور یوں دلوں سے قناعت اٹھ گئی اور اس کی جگہ مال و دولت دنیا کی ہوس نے لی۔ محبت کے چشمے سوکھ گئے اور ان کی جگہ کدورت کے سڑتے ہوئے تالاب بھرنے لگے۔

ان حالات میں شیخ مجیب الرحمٰن سیاسی افق پر ابھرے اور دیکھتے ہی دیکھتے کالی گھٹا کی طرح چھا گئے اور پھر وہ بنگالی نوجوانوں کے شکوک و شبہات' خوف' بے اطمینانی اور ہوس کے علمبردار بن گئے۔

شیخ مجیب الرحمٰن فرید پور کے تھانے گوپال گنج میں پیدا ہوئے۔ گوپال گنج کے ارد گرد دلدل بیل کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ موٹر لانچ اس میں سے نہیں گزرتی۔ میں پہلی دفعہ ایک ناؤ میں وہاں تک پہنچا۔ اس علاقے میں آبادی کا ایک بڑا حصہ شودروں پر مشتمل ہے۔ مجھے گوپال گنج کے ایک اسکول کا معائنہ کرنا تھا۔ اتنا مجھے سمجھا دیا گیا تھا کہ وہاں دو بڑے گھرانے ہیں۔

ایک وحیدالزماں (جو بعد میں مرکزی وزیر تجارت بنے) کا اور دوسرا شیخ مجیب الرحمٰن کا۔ وحیدالزماں کے والد اور بھائی تو اسکول کی تقریب میں موجود تھے شیخ مجیب کے وہاں آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ وہ بڑی ہواؤں میں تھے۔ طالب علموں کی لیڈری سے ابھر کر صوبائی سیاست میں اڑانیں لے رہے تھے۔ 1954ء کے الیکشن کا زمانہ آرہا تھا۔ ووٹ ڈالنے کے لئے علاقہ بندی ہورہی تھی۔ موہن میاں اور مجیب الرحمٰن کا آپس میں بیر تھا مگر نورالامین کی مخالفت میں دونوں ہم زبان۔ مجیب الرحمٰن کی تقریروں میں ترشی بڑھتے بڑھتے بدکلامی کی حد تک جا پہنچی تھی۔ مجھے ہدایت کی گئی کہ مجیب کے خلاف کارروائی کی جائے ایک تقریر میں اس نے کہا تھا۔ ''میں نورالامین کی کھال کا جوتا بناؤں گا''۔

اس جملے پر وزیر اعلیٰ بہت برہم تھے۔ سیکرٹریٹ کے دوسرے سینئر افسر جو سب مغربی پاکستان' بہار یا یوپی سے تعلق رکھتے تھے' وزیر اعلیٰ کو بہت چاہتے تھے۔ یہ چاہت نورالامین کو بڑی مہنگی پڑی۔ اردو بنگلہ فساد کے بعد ہر طرف یہ نعرے تو لگ رہے تھے۔ ''نورالامیز رکتو چائی'' (نورالامین کا خون چاہئے) اب نورالامین کو یہ خطاب بھی مل گیا کہ پوچھماؤں کے دلال ہیں۔

میں نے مجیب الرحمٰن کو دفتر میں طلب کیا۔ وہ بلا تامل حاضر ہوگئے۔ ان کا بات چیت کا انداز برادرانہ تھا۔ انہوں نے یہ بھی آسانی سے مان لیا کہ ان کی تقریریں شائستگی کا اعلیٰ ترین نمونہ قرار نہیں دی جاسکتیں' مگر اس بات پر اصرار کیا کہ الیکشن کی تیاریاں ہورہی ہیں اور یہ ان کا جمہوری حق ہے کہ وہ اپنے حریف پر بھرپور وار کریں البتہ وعدہ کیا کہ وہ ذاتی حملوں اور گالی گلوچ سے احتراز کریں۔

الیکشن میں مسلم لیگ بری طرح پٹی۔ جب نورالامین ایک طالب علم سے ہار گئے تو باقی امیدواروں کا کیا ذکر؟ جگتو فرنٹ نے الیکشن' مغرب دشمنی کے پلیٹ فارم پر لڑا تھا اور سارے صوبے میں چرچا ہونے لگا تھا کہ مغربی پاکستان (بالخصوص) پنجابیوں نے مشرقی پاکستان کو لوٹ کھایا ہے۔ نورالامین صاحب کے سوا مسلم لیگی لیڈروں' وزیروں اور کارکنوں میں سے بیشتر کا ذاتی کردار بڑا داغدار تھا۔ ان میں سے کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ وہ پاکستان کی حمایت میں کچھ کہہ سکتا۔ دو چار کو چھوڑ کر مسلم لیگی کارکن خود بھی در پردہ مغربی پاکستان والوں کی شکایت ہی کرتے تھے۔
الیکشن کے نتائج چھ مہینے پہلے سے نظر آرہے تھے۔ صوبائی حکومت نے ضلع افسروں کو ایک

رنے کو کہا جس میں مختلف سیاسی جماعتوں کی شکست و فتح کے خانے بنے ہوئے تھے۔ فرید ے میں نے جو فارم بھر کر بھیجا' اس میں مسلم لیگ کا خانہ خالی تھا۔ باریسال کے ڈسٹرکٹ ٹ ڈیوڈ پاور کا بھی یہی اندازہ تھا البتہ بنگالی افسروں نے بڑے اعتماد سے مسلم لیگ کی سو میابی کی پیشین گوئی کی۔

مرکزی حکومت صوبے کے حالات سے بے خبر تھی۔ مغربی پاکستان کے لوگوں کو اتنی فرصت ں کہ وہ مشرقی پاکستان میں جو سیاسی کشمکش ہورہی تھی' اس کا تجزیہ کرتے۔ مجھے یاد ہے جب فاطمہ جناح مسلم لیگ کی حمایت کے لئے ڈھاکہ تشریف لائیں تو مغربی پاکستان کے ں میں یہ سرخیاں جمائی گئیں کہ جگتو فرنٹ کا تیا پانچا ہوگیا اور جب مسلم لیگ ہار گئی تو مغربی ں میں یہ نتیجہ برآمد کیا گیا کہ جگتو فرنٹ کے لیڈر ملک دشمن ہیں اور انہوں نے ہندوستان کی لم لیگ کے خلاف گٹھ جوڑ کیا ہے۔

لاہور اور کراچی میں پڑھے لکھے لوگ ہر وقت اسی فکر میں رہتے۔ کیا فضل الحق محب الوطن یا موہن میاں دل سے پاکستانی ہیں۔ مسلم لیگ کی شکست ایک سیاسی جماعت کی شکست ر یہ پاکستان کی شکست سمجھی گئی اور بنگال کے ہر لیڈر کی حب الوطنی ایک سوالیہ نشان بن گئی۔
جگتو فرنٹ کی حکومت چلنے والی چیز نہ تھی۔ دو ہفتے بھی نہ گزرے تھے کہ جوتیوں میں دال شیخ مجیب الرحمٰن اب اس فکر میں تھے کہ فضل الحق نکلے تو عوامی لیگ کی حکومت بنے۔ موہن ل الحق ایک طرف' مجیب الرحمٰن اور عطاء الرحمٰن دوسری طرف۔ ادھر سہروردی صاحب پاکستان میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا رہے تھے تا کہ عوامی لیگ کی حکومت مرکز کے لئے قابل د سکے۔ یہ تگ و دو جاری تھی کہ مشرقی پاکستان کا امن درہم برہم ہوگیا۔ پہلا فساد چندر گونا جہاں نوا کھالی کے مزدوروں نے مغربی پاکستان کے انجینئروں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مرحوم کی لاش ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریا کے سپرد کر دی گئی۔ ایک جھڑپ کھلنا میں ہوئی۔ میں بنگالی غیر بنگالی تناؤ بڑھا۔ شمس الضحیٰ اس زمانے میں آئی جی پولیس تھے اور ان کے لیس ڈھاکے میں پولیس سپرنٹنڈنٹ......

شمس الضحیٰ مغربی پاکستان کے افسروں سے میل جول تو بہت رکھتے تھے مگر ان کے خلاف ائی میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ چندر گونا کے فساد کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا بھئی! میں

نے تو پولیس کو دخل دینے سے روک دیا تھا۔ یہ بات انہوں نے ایسے سرسری انداز میں کہی کہ مجھے
کئی دن تک یہ خیال رہا کہ شاید مجھے سننے میں غلطی ہوئی ورنہ پولیس کا انسپکٹر جنرل اس قسم کا بیان
کیسے دے سکتا ہے؟ تھوڑے ہی دنوں میں معاملہ واضح ہو گیا۔ رمضان کا مہینہ تھا میں ہوم پولیٹیکل
ڈیپارٹمنٹ میں ڈپٹی سیکرٹری تھا۔ دوپہر کے بعد یہ خبر سنی کہ نارائن گنج جوٹ ملز میں فساد ہو گیا ہے۔
میں نے جوٹ ملز کے جتنے ٹیلی فون نمبر تھے گھمانا شروع کر دیئے۔ آخر کوئی تو بولے گا۔ ایک نمبر
سے جواب ملا۔ میں نے فوراً ہی آواز پہچان لی اور کہا۔ ''دوہا صاحب کیا ہوا؟''

وہ حیران سے ہو گئے اور واقعے کی تفصیلات بتانے لگے جو کچھ وہ کہہ رہے تھے میں اسے لکھتا
جاتا۔ میں نے پوچھا۔ ''پولیس نے کتنے راؤنڈ فائر کئے؟''

انہوں نے کہا ''پولیس نے کوئی فائرنگ نہیں کی'' انہوں نے مجھے تاثر دیا کہ فساد کی نوعیت
کچھ ایسی سنگین نہیں۔

کوئی دو گھنٹے کے بعد آئی بی (IB) کے سپرنٹنڈنٹ محمد علی (بابا) کی تحریری رپورٹ بھی آ گئی
اس میں بھی یہی درج تھا کہ پولیس نے کسی موقع پر فائرنگ نہیں کی۔ دوہا سے میری اس اتفاقیہ
گفتگو کے بڑے اہم نتائج نکلے۔ حافظ اسحاق چیف سیکرٹری تھے۔ انہوں نے اکرام احمد خان کو اور
مجھے یہ فرض سونپا کہ ہم نارائن گنج جا کر حالات کا جائزہ لیں۔ شام کے جھٹ پٹے میں میری جیپ
نارائن گنج کے قریب پہنچی' دوسری طرف سے زخمیوں کے ٹرک چلے آ رہے تھے۔ جوٹ ملز کے
احاطے میں داخل ہوتے ہی مجھے یوں لگا جیسے میرے دونوں طرف ملبے کے ڈھیر لگے ہوں۔
میں نے دیکھا کہ ملبہ انسانی جسموں' بازوؤں' گردنوں اور ٹانگوں کا ہے۔

فسادیوں نے ایک دوسرے کو کاٹ کاٹ کر کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ جی اے مدنی کمشنر
تھے۔ وہ ایک بھونپو پر علاقے میں کرفیو کے نفاذ کا اعلان کر رہے تھے میں جنرل مینجر کے کمرے
میں پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ڈھاکے کے اے۔ ڈی۔ ایم اور علاقے کے دوسرے افسر جمع ہیں
نارائن گنج کے ایس ڈی او معظم حسین چودھری پاگلوں کی طرح ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے۔
ایک کرسی پر دراز تھے۔ اتنے میں ایس پی ادریس کمرے میں آئے اور انہوں نے ٹوپی اتار کر میز پر
دے ماری اور کہا۔ ''اب کوئی مجھ سے پوچھے گا کہ گولی کیوں نہیں چلائی تو میں اس کو سمجھ لوں گا''
مطلب ان کا یہ تھا کہ اردو بنگلہ فساد کے موقع پر گولی چلانے کی وجہ سے پولیس کے خلاف

ری ہوئی تھی۔ اس کے جواب میں آج انہوں نے مزدوروں کے قتل عام کی کھلی چھٹی دے دی
کم از کم چھ سو آدمی مارے گئے۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں تھیں۔ دریا میں' تالاب میں' راستے
گھروں میں' کئی دن تک لاشیں نکالی نہ جا سکیں۔ آخر آئی اے امتیازی کی ہمت سے ان کے
دفن کا انتظام ہوا۔

نارائن گنج سے واپسی پر میں نے چیف سیکرٹری کو رپورٹ دی انہوں نے۔ ''محمد علی کی
ٹ واپس کر دی جائے اور اس کی جگہ جو نئی رپورٹ آئی ہے اسے لے لیا جائے۔'' نئی رپورٹ
لھا تھا کہ پولیس نے فساد روکنے کی ہر ممکن کوشش کی اور ایک سو سے زائد راؤنڈ فائر کئے۔ میں
ہا رپورٹ تبدیل کرنا مناسب نہ ہو گا۔ اس پر حافظ اسحٰق نے پہلی رپورٹ کی ایک کاپی بنوائی
ں کی خود تصدیق کر دی۔ میں نے وہ کاپی محفوظ کر لی اور پہلی رپورٹ پولیس والوں کو لوٹا دی
اس کاپی کی مدد سے بعد میں چیف جسٹس سر ٹامس ایلس واقعات کا صحیح اندازہ لگا سکے۔

آخر جگتو فرنٹ گورنمنٹ ٹوٹ' فضل الحق ایک بار پھر غدار قرار پائے اور اسکندر مرزا مشرقی
ن کے گورنر مقرر ہوئے۔ این ایم خان چیف سیکرٹری بنے اور سیکشن 92 الف گورنمنٹ بڑے
ں سے صوبے پر مسلط کی گئی۔ اسکندر مرزا کے پہنچتے ہی نقشہ بدل گیا۔ لوگ سہم گئے وہ دوپہر
ڈھاکے پہنچے۔ شام کو انہوں نے حلف اٹھایا۔ رات کے دس بجے مجھے مانگ ہاؤس طلب
یا۔ این ایم خان کچھ کاغذ لئے بیٹھے تھے اسکندر مرزا شب خوابی کے لباس میں تھے۔ انہوں
ے کہا ہر ضلع کے ڈی ایم اور ایس پی سے فون پر کہہ دیا جائے کہ صبح ہونے سے پہلے شرپسند
ر کر لئے جائیں۔

ہر ضلع میں کم از کم ایک سو بیس آدمی پکڑے جانے چاہئیں۔ معلوم نہیں یہ 120 کا ہندسہ
نے کیوں منتخب کیا؟ بہر حال صبح تک صوبے بھر میں کوئی دو ڈھائی ہزار آدمی گھروں سے نکال
ا خانوں میں پہنچا دیئے گئے۔ گرفتار ہونے والوں میں شیخ مجیب سر فہرست تھے۔ جب تک
رزا کی حکومت رہی سطحی طور پر حالات پر امن نظر آتے رہے' مگر دلوں میں نفرت بڑھتی رہی
ی بنگالی کو یہ شبہ نہ رہا کہ مغربی پاکستان والے ان پر زور بازو سے حکومت کرنے کا تہیہ کئے
ہیں۔ جگتو فرنٹ گورنمنٹ کی نااہلی کا کسی بنگالی کو قطعاً احساس نہ تھا اور نہ چندر گونا اور نارائن
فسادات کی وجہ سے انہیں کوئی ندامت تھی۔ وہی پروفیسر اور صحافی جو معمولی سے معمولی ہندو

مسلم فساد کا سنتے ہی سڑکوں پر احتجاجی جلوس لے کر نکلے آتے تھے چندر گونا اور نارائن گنج کے لرزہ خیز
واقعات خاموش سے دیکھتے رہے اور ایک حرف مذمت ان کی زبان تک نہ آیا۔

مرکزی حکومت خوش تھی کہ لا اینڈ آرڈر کا مسئلہ تو طے ہو گیا اور یہ بات اس کیلئے اور بھی
اطمینان بخش تھی کہ مشرقی پاکستان کے سربرآوردہ خاندان سب مرکزی حکومت اور اس کی پالیسیوں
کے حامی ہیں۔ چٹا گانگ کے اے۔ کے اور فضل القادر چودھری' ڈھاکے کے نواب فیملی' کھلنا کے
خان عبدالصبور خان' فرید پور کے وحید الزمان' بوگرہ کے محمد علی' یہ لوگ اگر ساتھ تھے تو مخالفت کرنے
والوں کی کیا حیثیت تھی؟ اسکولوں اور کالجوں کے لونڈے' کچھ قلم گھسیٹو' چند بد دماغ استاد' جوتیاں
چٹخانے والے بعض وکیل دو دو پیسے کے بے کار لوگ' آخر ان کی کیا مجال کہ حکومت کے سامنے دم
مار سکیں۔

آزادی کے بعد مرکزی حکومت میں شاید ہی مغربی پاکستان کا کوئی ایسا سیاستدان شامل رہا
جو مسلم بنگال کے مزاج سے صحیح طور پر آشنا تھا۔ لیاقت علی' محمد علی' چندریگر' فیروز خان نون' ایوب
خان' یحییٰ خان ان میں سے کوئی بھی بنگلہ زبان سے واقف نہ تھا۔ نہ ان میں سے کسی کو بنگال کی مسلم
لیڈر شپ سے کوئی واسطہ تھا ان کے نزدیک اس لیڈر شپ کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ یہی حال
وزیروں کا تھا۔ یہ لوگ جب کبھی دورے پر ڈھاکے تشریف لے جاتے' تو وہاں کی ہریالی کی
تعریف کرتے' دو چار پرانے گھرانوں میں دعوتیں کھاتے' ساڑھیاں خریدتے اور مغربی پاکستان
پہنچ کر خدا کا شکر ادا کرتے۔ نواب کالاباغ مشرقی پاکستان بہت کم جاتے۔

ایک دفعہ گورنرز کانفرنس کے لئے گئے' مجھے رات کے کھانے پر بلایا اور اس بات کی وضاحت
کردی کہ میں اپنا باورچی' سبزی' گوشت' مصالحے اور پانی ساتھ لایا ہوں۔ آپ نے دیکھا ہوگا
کوئی امریکن یا انگریز ہم لوگوں کے ہاں دودھ یا پانی نہیں پیتا' مشرقی پاکستان کے معاملے میں
بھی یہی احتیاط برتتے تھے۔

مشرقی پاکستان کی نوجوان لیڈر شپ اسلام سے قطعی نابلد تھی۔ وہ جس نظام تعلیم کے زیر سایہ
پروان چڑھی تھی اسے اسلام اور نظریہ پاکستان سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ماحول پر مادہ پرستی کی
گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ جہاں تک مشرقی پاکستان کی پرانی لیڈر شپ کا تعلق تھا وہ اپنی نااہلی
خود غرضی کا شکار تھی۔ مشرقی پاکستان کے چوٹی کے بزرگ لیڈر کون تھے؟

فضل الحق' سہروردی' ناظم الدین' محمد علی بوگرہ' نور الامین اور مولانا بھاشانی۔ فضل الحق بنگال
لمانوں میں بے حد ہر دلعزیز تھے۔ مگر ان کی زندگی کا محور کوئی اصول نہیں بلکہ سیاسی چالبازی
ف کشی تھا۔ وہ بے تکان جھوٹ بولتے آج تقریر کرتے کل اس کی تردید کرتے۔ ایک دفعہ
کر چلا اٹھے۔ ''آخر کہاں تک تردیدیں کرتا جاؤں؟'' جگتو فرنٹ حکومت کے مختصر سے دور
ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ وہ مجھ سے ایک بات کہتے اور ملاقاتی سے دوسری اور
مار کر مجھ سے داد چاہتے اس زمانے میں سعودی عرب کے شاہ کے استقبال کی تیاریاں
دوروں پر تھیں۔ اتنے میں سیلاب نے صوبے کے کئی علاقوں میں تباہی مچادی' ہر طرف سے
ہونے لگا کہ تمام تقریبات منسوخ کردی جائیں۔ مرکزی حکومت مصر تھی کہ پروگرام میں
دیلی نہیں کی جاسکتی۔ فضل الحق نے ڈھاکے کے تمام محلہ سردار بلائے۔ خود تہبند باندھے'
بنے تخت پوش پر براجمان تھے۔ میں کارروائی لکھ رہا تھا۔ ہر سردار اٹھتا اور بڑی پاٹ دار آواز
کی حالت کا ذکر کرتا۔ غلو کے امکانات اردو زبان میں بھی کچھ کم نہیں مگر جو داویلا بنگلہ زبان
جاسکتا ہے وہ بھی دیکھنے اور سننے کی چیز ہے۔ یوں معلوم ہوتا جیسے سیلاب نہیں قیامت آگئی
ہر شخص اپنا اپنا نامہ اعمال لئے کھڑا ہے اور مصروف آہ و فغاں ہے۔ اتنے میں فضل الحق نے
تھ ہوا میں اٹھائے اور پھر اپنا سر تھام لیا' زور زور سے رونے لگے آنسوؤں کی جھڑی لگ
یان کو توند سے کھینچ کر آنکھوں تک لے جاتے اور پھر بے اختیار آہ و بکا کرنے لگتے۔ محلہ
نے مطالبے اور احتجاج بھول گئے اور سب کے سب وزیر اعلیٰ کی دلجوئی کرنے لگے۔ آخر ہوا
یر اعلیٰ کو کس بات سے دکھ پہنچا؟ جب کمرے میں مکمل خاموشی ہوگئی تو فضل الحق بولے۔
ائیو! مجھے آپ کی کسی بات کا دکھ نہیں' مگر میں کیا کروں آنے والا کوئی سرکاری مہمان نہیں
رمین کا محافظ ہے' مسجد نبوی کا محافظ ہے میرے رسول ﷺ کے روضے کا محافظ ہے۔ میں
وچتا ہوں' تو بے قابو ہو جاتا ہوں۔ ساری میٹنگ رونے لگی۔
نے کئے پر پچھتاتے ہوئے شرم سے سر جھکائے ایک ایک کر کے محلہ سردار سدھارے۔
الحق نے اطمینان کر لیا کہ سب چلے گئے تو مجھ سے کہنے لگے۔ ''کہو کیسی رہی؟ کراچی
ے کہہ دو کہ پروگرام میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔''
195ء کے الیکشن میں فضل الحق ہر جلسے میں پہلے ایک تار کا فارم دکھاتے اور کہتے'' جانتے

ہو یہ کیا ہے؟ یہ تار کا فارم ہے' مغربی پاکستان کے امیر لوگ جب کسی کو کوئی پیغام بھیجتے ہیں تو یہ فارم انہیں مفت ملتا ہے۔ جب انہیں کہیں روپیہ بھیجنا ہوتا ہے تو منی آرڈر فارم بھی انہیں مفت ملتا ہے مگر آپ کو جب یہ اطلاع ملتی ہے کہ آپ کا بیٹا بہت بیمار ہے اور آپ اسے ایک معمولی کارڈ بھیجنا چاہتے ہیں تو وہ کارڈ آپ کو تین پیسے میں ملتا ہے۔'' گاؤں گاؤں' قصبے قصبے یہ عظیم لیڈر نفرت کا پیغام پہنچا رہے تھے۔ جب اقتدار میں ہوتے تو پاکستان کا دم بھرتے اور اقتدار سے محروم ہوتے ہی کسانوں' مزدوروں اور طالب علموں کو یہ سمجھاتے کہ ان کی پسماندگی کا واحد سبب مغربی پاکستان ہے اس نے لئے سیاست میں یہ سب کچھ نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔

سہروردی کو اللہ نے بڑا اعلی دماغ دیا تھا۔ ہر قسم کی صوبہ پرستی سے مبرا سیکولرازم کا نمونہ سیاست کے میدان میں صاحب فن خوش مزاج' خوش گفتار اور اعلی پائے کے ایکٹر معاملے کے دونوں پہلو خوب سمجھتے اور جب چاہتے دونوں میں سے کوئی ایک اختیار کر لیتے۔ ان کا کردار دو رخ چہار رخی کا شکار نہیں۔ بسیار رخی کا مرقع تھا۔ انتہائی باہمت اور یاروں کے یار۔ مگر ان کے مزاج میں ایک کھلنڈرا پن بھی تھا جو سیاست اور اقتدار کے سارے کھیل کو بے معنی بنا دیتا۔ جب وہ وزیراعظم کے عہدے سے مستعفی ہوئے تو واپس آ کر اطمینان سے اخبار پڑھنے لگے ابو المنصور اور دوسرے مرکزی وزیر جو ان کے انتظار میں بیٹھے سوکھ رہے تھے ان کی طرف لپکے کیا ہوا؟ اسکندر مرزا نے کہا؟ کیا فیصلہ کیا؟ سہروردی بدستور اخبار پڑھتے رہے۔ میری ان سے آخری ملاقات چاٹگام کے ہوائی اڈے پر ہوئی۔ جہاز میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ہمیں ڈیڑھ گھنٹے وہاں ٹھہرنا پڑا۔ انہوں نے کہا چلو چھت پر چل کر بیٹھتے ہیں۔ وہ دیر تک اپنے اقتدار کے زمانے کی باتیں کرتے رہے۔ کہنے لگے۔'' دیکھو چاٹگام میں جتنی ترقی ہوئی ہے وہ سب میرے زمانے میں ہوئی ہے۔'' وہ برصغیر کے مستقبل سے بہت مایوس تھے برصغیر ہی کیا ساری دنیا کا نقشہ دوبارہ چاہتے تھے۔ نئی لسانی سرحدیں کھینچنا چاہئیں۔ وہ کہتے دنیا کو جس معیار کی لیڈرشپ فی الحال ہے اس سے کوئی امید رکھنا بے سود ہے۔ کتنا بڑا ملک ہے ہندوستان اور اس کو نہرو جیسا لیڈر ہے۔

سہروردی سیاسی فلسفے کی باتیں تو بڑے خیال افروز انداز میں کرتے لیکن ان کا سیاسی ایمان کوئی نہ تھا۔ وہ ذہنی اور جذباتی طور پر پاکستان سے بالکل الگ تھلگ بھی ہو سکتے تھے

نی سے پاکستان کے عشق میں وزیراعظم کا عہدہ بھی سنبھال سکتے تھے۔ انہوں نے جب مغربی ان میں آ کر ڈیرہ جمایا تو اس کا واحد مقصد عوامی لیگ کو مرکزی حکومت کے لئے پسندیدہ بنانا انہوں نے پنجاب' سندھ اور فرنٹیئر کے بہت سے سیاسی کارندوں سے تعلقات بڑھائے اور اعظم بننے کے بعد یہ اعلان بھی کر دیا کہ مشرقی پاکستان کا معاشی برابری کا مطالبہ پورا ہو چکا ۔ اس اعلان کے خلاف نہ اتفاق اخبار کے مالک میاں ہی کچھ بولے اور نہ شیخ مجیب الرحمن۔ ان سہروردی کے لئے نہ کوئی نظریہ تھا نہ کوئی قومی حقیقت۔ ایک کھلا میدان تھا سیاسی طالع ائی کے لئے۔

ناظم الدین بھلے آدمی تھے' مگر مشرقی پاکستان والے نواب فیملی کو سرے سے بنگالی ہی نہ سمجھتے ۔ وہ رومن یا اردو میں بنگلہ لکھوا کر تقریر کیا کرتے۔ اردو بنگلہ فساد کی ایک وجہ یہ بتائی جاتی تھی کہ ں اہم معاملے میں فیصلہ نہ کر پاتے تھے یہ لطیفہ بھی ڈھاکے میں مشہور تھا کہ جب وہ وزیراعظم ے تو ڈھاکہ میں ایک گوالے نے پوچھا'' کون ناظم الدین؟ وہ ڈھکیا'' اور جب اسے بتایا گیا کہ وہی ڈھاکے والا ناظم الدین تو اس نے مایوسی سے سر ہلایا اور کہا'' سکے گا نہیں۔'' (یعنی یہ کام ے کے بس کا نہیں) جہاں تک مشرقی پاکستان کی ابھرتی ہوئی سیاست اور نئی پود کا تعلق تھا ناظم ین اس پر کسی طرح اثر انداز نہ ہو سکے ان کی پاکستانی اور اسلام دوستی ان کی ذات تک محدود تھی۔

محمد علی بوگرہ کی حیثیت غلام محمد کے ہرکارے کی سی تھی۔ ان کی عادات ان کا مزاج' ان کا ز زندگی امریکی بود و باش کی نقالی کی ایک ادنی سی کوشش تھی۔ ایک دفعہ ڈھاکے تشریف لائے ھے یہ حکم ملا کہ انہیں بنگال کی مصوری کے نمونے دکھائے جائیں۔ ان دنوں تصویروں کی ایک ش ہو رہی تھی۔ میں انہیں ساتھ لے گیا ان کی سوشل سیکرٹری جو بعد میں بیگم عالیہ محمد علی بنیں۔ اتھیں وہ نمائش کے مختلف کمروں اور برآمدوں سے تیزی سے گزرتے جاتے اور تصویریں چنتے تے۔'' یہ'' اور'' ہاں'' وہ'' اور'' وہ والی'' انہوں نے کوئی پندرہ تصویریں اپنے ذاتی استعمال کے خریدیں جو تصویریں انہوں نے منتخب کیں وہ نمائش میں سب سے معمولی سمجھی گئیں تھیں۔ شاید لئے انہوں نے آخری دم تک ان تصویروں کی قیمت ادا نہ کی اور مصور انہیں کوستے رہے۔

نور الامین بڑی سلجھی ہوئی طبیعت کے آدمی تھے اور انتظامی امور میں انہیں بڑی دسترس تھی' تی سے ان کی سیاسی زندگی اردو بنگلہ فسادات کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔

رہ گئے مولانا بھاشانی' انہوں نے اپنی سیاسی زندگی اس جھوٹ پر استوار کر رکھی تھی کہ اسلام اور سوشلزم لازم وملزوم ہیں وہ مزدوروں اور جاشی بھائیوں کو لقمہ تو اسلام کا دیتے اور پرچار سوشلزم کا کرتے بنگال کے مسلمان لیڈروں میں جس شخص کو مغربی پاکستان اور خصوصاً پنجاب سے سب سے زیادہ نفرت تھی وہ مولانا بھاشانی ہی تھے۔ مغربی پاکستان کو "السلام وعلیکم" کا نعرہ بھی انہوں نے لگایا اور ہر اس تحریک کی حوصلہ افزائی بھی انہوں نے کی جو مغربی اور مشرقی پاکستان کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی تھی۔

اس لیڈر شپ نے پاکستان کو کیا دیا؟ شیخ مجیب الرحمٰن۔

وہ ساری رنجشیں اور غلط فہمیاں جوان بزرگ سیاستدانوں نے ملک کے دونوں حصوں کے لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی تھیں شیخ مجیب الرحمٰن ان کے اظہار کا ذریعہ بن گئے۔

شیخ مجیب الرحمٰن ایک بگولہ تھے ان کا ذہن' ان کی شخصیت ان کی ساری قوت فکر وعمل ایک جذبے پر موقوف تھی میرے لوگ بھوکے مر رہے ہیں۔ انہیں تباہ و برباد کیا جا رہا ہے مجھے اپنے لوگوں سے محبت ہے' میرے لوگ کہاں جائیں' کیا کریں؟ وہ مجمع کے سامنے آتے تو ان پر جنون کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ ان کی آواز میں گرج اور رقت بے پناہ اثر پیدا کر دیتی۔ وہ بار بار کہے جاتے۔ "ذرا سڑکوں کے دائیں بائیں دیکھو ندی کے کناروں پر دیکھو کھیتوں میں دیکھو بازاروں میں دیکھو لوگ مر رہے ہیں' میرے بھائی' میرے دوست' میرے بچے مر رہے ہیں۔

تقریر کے بعد وہ اپنے طالب علم ساتھیوں کے ساتھ بیٹھتے اور بڑی بے تکلفی سے باتیں کرتے۔ نوجوان دل ان کی آواز کے زیر و بم کے ساتھ دھڑکتے تھے وہ سالہا سال جیل میں رہے مگر ان کا جوش برقرار رہا۔ اسکندر مرزا کے آتے ہی جب وہ گرفتار ہوئے تو انہیں ڈھاکہ جیل میں رکھا گیا۔ ایک روز عطاء الرحمٰن خان میرے پاس آئے اور کہنے لگے مجیب کا باپ بہت سخت بیمار ہے اگر اسے ایک ہفتے کا پیرول مل جائے تو بہت ہی اچھا ہو میں نے سفارش کر دی۔ اسکندر مرزا مان گئے۔ مجیب جیل سے نکلتے ہی سیدھے میرے گھر آئے اور جذباتی انداز میں مجھ سے لپٹ گئے۔ صوبائی نقطہ نظر مجیب کے ذاتی تعلقات میں کبھی حائل نہ ہوا۔

اسکندر مرزا کی گورنری کا زمانہ بظاہر بڑا ہی امن اور آشتی کا زمانہ تھا مگر مشرق و مغرب کی صف آرائی اسی زمانے میں ہوئی۔ بنگالی حضرات سرکاری اور ثقافتی تقریبات میں حصہ لیتے' لیکن

ے دلوں پر ایک موہوم خوف ہر وقت سوار رہتا۔ زیر زمین ایک خاموش' مگر منظم مدافعت کی رو ہی تھی۔ ہر گھر کے دروازے زیر زمین کام کرنے والوں کے لئے کھلے تھے۔ پولیس خفیہ ں کی تلاش میں مہینوں سرگرداں رہتی اور وہ سرکاری دفتروں اور گھروں میں مہمان بنے بیٹھے

21 فروری کا دن مشرقی پاکستان میں لسانی تحریک کے شہیدوں کی یاد کا دن ہے۔ اسکندر نے کہا کہ اس روز کسی قسم کے جلسے جلوس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ میں نے عطاء الرحمٰن سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے کہا یہ معاملہ ان کے ہاتھ میں نہیں اس سال سارا انتظام سہلٹ کا رہا ہے۔ اس سے بات چیت کرنی چاہئے۔ میں نے کہا کہ صمد تو سال بھر سے روپوش ہے کہاں سے ڈھونڈیں؟ کہنے لگے۔ "اگر آپ یہ وعدہ کریں کہ اسے گرفتار نہیں کریں گے تو ے لے آتا ہوں۔" میں نے این ایم خان سے پوچھا انہوں نے گورنر سے مشورہ کیا اور کہا ٹھیک ہے۔ عطاء الرحمٰن خان میرے دفتر میں بیٹھے تھے۔ جونہی میں نے وعدہ کیا وہ اٹھے اور منٹ بعد صمد کو لے کر آ گئے۔ ایڈان بلڈنگ پر' جہاں میرا دفتر تھا' چوبیس گھنٹے پولیس کا پہرہ ا اور صمد جس کی تلاش میں وہ سارے صوبے میں چھاپے مار رہی تھی' ساتھ کے کسی کمرے ٹھا چائے پی رہا تھا۔ صمد بڑا تیز آدمی تھا۔ میری تجویز پر کہ 21 فروری کو کوئی جلسہ نہ کیا جائے میں آ گیا۔ عطاء الرحمٰن نے اسے سمجھایا۔ تو وہ مان گیا کہ اچھا جلسہ نہیں ہو گا' لیکن کالی پٹیاں ر لوگ جلوس کی شکل میں شہید مینار تک ضرور جائیں گے۔ میں نے کہا اس کی اجازت نہیں کتی۔ اس نے "مذاکرات" یہ کہہ کر ختم کر دیئے کہ "پھر جو ہو سو ہو۔"

شمس الضحیٰ جو انسپکٹر کے عہدے پر فائز چلے آ رہے تھے' اس زمانے میں بنگالی شر پسندوں کی ائیں خاصے مستعد تھے۔ پاکستان کی محبت ان کی زندگی کا حاصل بن چکی تھی۔ ان کے بیٹے اور داماد سب پاکستان کے سرگرم معمار بن گئے۔ انہوں نے 21 فروری کا دن طلوع ہونے ہوٹلوں میں گھس کر انہیں بری طرح پیٹ ڈالا۔ وہی شمس الضحیٰ اور ادریس جو نارائن گنج کے ت میں تماشائی بنے رہے اب پاکستان کے سرفروش سپاہی بن کر دندناتے پھرتے تھے۔

اسکندر مرزا کی گورنری کا زمانہ شیخ مجیب الرحمٰن نے جیل میں گزارا جیل سے رہا ہوئے تو مسند ن پر متمکن ہوئے یہ واقعہ ان کی آئندہ زندگی کا گرینڈ ریہرسل (GRAND

(REHEARSAL ثابت ہوا۔ جیل خانے کی صعوبتیں سیاسی مقبولیت کا باعث تو ضرور ہوتی ہیں، لیکن شیخ مجیب کے معاملے میں جیل خانہ قصر اقتدار کا دروازہ تھا عطاء الرحمٰن خاں وزیر اعلیٰ بنے اور صوبے کا محکمہ صنعت و تجارت شیخ مجیب الرحمٰن کے سپرد ہوا۔ سہروردی وزیر اعظم تھے اور ہر طرف عوامی لیگ کا ڈنکا بج رہا تھا۔ مغربی پاکستان میں جگہ جگہ عوامی لیگ کے مراکز اور شاخیں کھل رہی تھیں۔ لائسنس اور پرمٹ بٹ رہے تھے۔ سہروردی صاحب آج حکم دیتے کہ کراچی میں گوشت مقررہ قیمت پر فروخت نہ کرنے والوں کو سخت سزا دی جائے گی۔ دوسرے روز قصابوں کو وزیر اعظم ہاؤس میں بلا کر ترغیب دی جاتی کہ اگر وہ عوامی لیگ میں شامل ہو جائیں تو گوشت کی قیمت پر عائد بندش اٹھالی جائے گی۔

ایسی ہی سودے بازی بسوں کے مالکوں سے ہو رہی تھی۔ ادھر مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن نے اندھیر مچا رکھا تھا۔ صنعت و تجارت کے محکمے میں وہ بے تحاشا دھاندلیاں اس زمانے میں ہوئیں کہ سرکاری خزانہ، خزانہ نہ رہا لنگر خانہ بن گیا۔ عوامی لیگ کا ہر ورکر اس لوٹ میں شامل تھا اور شیخ مجیب نے اقربا پروری، دوست نوازی اور ہر نوع کی بددیانتی کے پٹ کھول دیئے تھے کہا یہ جاتا تھا کہ جو کچھ مل رہا ہے بنگالی بھائیوں کو مل رہا ہے اگر اپنوں کو نہ دیا جاتا تو سارا مال مغربی پاکستان والے ہڑپ کر جاتے۔ حکومت اور نظم و نسق کی جو روایت شیخ مجیب نے اس زمانے میں قائم کی وہی روایت آخر ان کے عبرت ناک انجام کا باعث بنی۔

میں کراچی میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تھا۔ شیخ مجیب دورے پر آئے تو میرے ہاں چائے پینے تشریف لائے۔ دیر تک بیٹھے بچوں سے باتیں کرتے رہے۔ عطاء الرحمٰن خان سے سخت ناراض تھے۔ انہوں نے اسے ''نوگاؤں کا کالا شہزادہ'' کا خطاب دے رکھا تھا۔ عطاء الرحمٰن خان مجیب کی حرکتوں سے نالاں تھے، مگر سہروردی برابر مجیب کی حمایت کرتے۔ اس وجہ سے صوبائی حکومت مختلف دھڑوں میں بٹ گئی۔ سہروردی مجیب کو اپنے سیاسی لاٹھیال کی طرح استعمال کرتے تھے ''اتفاق'' کے مالک بھی شیخ مجیب کے حامیوں میں تھے لہٰذا وزیر اعلیٰ کی حیثیت روز بروز کمزور ہو گئی اور عوامی لیگ رسہ گیروں کی جماعت بن گئی۔

بنگالی افسروں میں کئی ایک شیخ مجیب کے ہم جماعت رہ چکے تھے۔ ان میں سے روح القدوس اور اے کے ایم احسن ان کے بہت قریب تھے۔ روح القدوس اگرتلہ سازش کے

یب کے ساتھ گرفتار ہوئے اور پھر بنگلہ دیش میں شیخ مجیب کے پرنسپل سیکرٹری بنے۔ اے کے
ن بنگلہ دیش بننے کے بعد وہاں پہنچے اور پلاننگ ڈویژن میں منسٹر آف اسٹیٹ مقرر ہوئے۔
الرحمٰن خان کی وزارت کی ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بہت سے سرکاری ملازم شیخ مجیب
ہوا تھے اور شیخ مجیب کی بدعنوانیوں میں نہ صرف شریک تھے بلکہ ان سے فیض یاب بھی۔

جس طرح 1954ء کے الیکشن سرکاری ملازموں نے مسلم لیگ کے خلاف کام کیا اسی طرح
ں زمانے میں یہ لوگ پاکستان کے خلاف کام کرتے رہے۔ ان کا طرز فکر و عمل واضح تھا۔
پاکستان سے علیحدگی ان کی ترقی کا راستہ بن سکتی تھی۔ وہ مغربی پاکستان کے ہر افسر پر
ض کرتے کہ اس میں آخر کیا خاص بات ہے جو ہم میں نہیں۔ سب کام ہم خود کر سکتے ہیں، ہمیں
باہر کے افسر کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے مل کر یہ معاملہ اتنا الجھا دیا کہ مغربی پاکستان کے کسی
کے لئے مشرقی پاکستان میں ملازمت کرنا ناممکن ہو گیا۔ آخر ذاکر حسین نے یہ فیصلہ کروا ہی لیا
غربی پاکستان کے افسر مغربی پاکستان میں رہیں اور مشرقی پاکستان کے افسر مشرقی پاکستان
۔ اس فیصلے سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی تحریک کو بڑی تقویت ملی۔

سہروردی گئے چندریگر آئے۔ وہ رخصت ہوئے تو فیروز خان نون تشریف لائے، اسکندر مرزا
ب کو انگلیوں پر نچاتے رہے اور اندر ہی اندر ایک بڑے ڈرامے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔
ر 1958ء میں یہ تیاریاں مکمل ہو گئیں اور ملک میں سیاست کی بساط الٹ کر رکھ دی گئی۔

مجیب الرحمٰن آج گرفتار ہوئے کل رہا ہوئے۔ آج پکڑے گئے تو کل پھر چھوڑ دیئے گئے۔ دس
سال تک یہ چکر چلتا رہا۔ مرکز کی طرف سے جو شخص بھی مشرقی پاکستان کا گورنر بنتا وہ اپنی وفاداری
ت دینے کے لئے سب سے پہلے شیخ مجیب کو پکڑتا۔ مرکزی حکومت بھی خوش ہو جاتی اور گورنر
پنے ایک طاقتور سیاسی حریف سے عارضی طور پر نجات بھی مل جاتی۔

مجھے یاد ہے کہ میٹنگ میں منعم خان نے بڑے فخر سے اعلان کیا۔ ''میں نے مجیب پر اتنے
ے بنا دیئے ہیں کہ کوئی مائی کا لال اسے بچا نہیں سکتا۔'' طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ ہر ضلع اور
ڈویژن میں دو چار مقدمے رجسٹر کرا دیئے جائیں اور شیخ مجیب الرحمٰن تمام وقت پیشیاں بھگتا
ے۔ صدر ایوب کے دور میں مجیب کی طرف سرکاری اور غیر سرکاری رویہ کچھ اس طرح مرتب

1۔ اقتدار سے منسلک بیشتر بنگالی شیخ مجیب کے مخالف تھے۔

2۔ اقتدار کے خواہش مند بنگالی مجیب کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے خائف تھے اور صدر ایوب سے کہتے کہ وہ اس فتنے کا سد باب کریں۔

3۔ عام بنگالی خصوصاً سرکاری ملازم' صحافی طالب علم اور استاد مجیب کے پرزور حامی تھے۔

مغربی پاکستان کے وہ سیاستدان جو صدر ایوب کے طرز حکومت سے نالاں تھے۔ مجیب کے ساتھ گہرا ربط رکھے ہوئے تھے اس رابطے کی کئی سطحیں اور پہلو تھے۔ سندھ فرنٹیئر اور بلوچستان کے وہ عناصر جو انتہا پسند تھے اور صوبائی خودمختاری کی سرحدیں پھیلانا چاہتے تھے' قدرتی طور پر مجیب کی تحریک کو ہمدردانہ نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مجیب کے مطالبات اگر زور پکڑتے ہیں اور مرکزی حکومت کو انہیں قبول کرنا پڑتا ہے تو اس سے ان کے مخصوص صوبائی مفاد کو لازماً تقویت پہنچے گی۔ بلوچ اور پٹھان لیڈر بالخصوص مجیب سے دوستانہ مراسم بڑھانے اور ایک مشترک سیاسی محاذ بنانے کے خواہش مند تھے۔ ان عناصر کے علاوہ وہ سب لوگ جو ون یونٹ سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ عوامی لیگ اور مجیب کی حمایت میں سرگرم تھے۔ مجیب نے ان لوگوں سے کھلے بندوں اور در پردہ یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ انہیں ون یونٹ کے چنگل سے آزاد کرائے گا۔ دراصل ون یونٹ کا تجربہ مغربی پاکستان میں چھوٹے صوبوں کے لئے کئی لحاظ سے تکلیف دہ ثابت ہوا تھا۔ انتظامی قوت لاہور کو گئی تھی۔ روزمرہ معاملات کے لئے لوگوں کو دور دراز علاقوں سے لاہور آنا پڑتا تھا۔ جن افسروں کے سامنے وہ پیش ہوتے وہ انہیں اجنبی اجنبی نظر آتے ان سے وہ اپنی زبان میں کھل کر بات بھی نہ کر پاتے۔ ان صوبوں کے سیاستدان' پنجابی بالادستی سے پہلے ہی نالاں تھے۔ انہوں نے عوامی شکایات کو انتظامی اعتبار سے حل کرنے کے بجائے سیاسی رنگ دیا اور یوں ون یونٹ' مغربی پاکستان کے چھوٹے صوبوں کے لئے ایک مصیبت بن گیا۔

1956ء اور 1962ء کے آئینی تجربوں نے تین ادارے قائم کئے۔

1۔ مرکز اور صوبوں میں تقسیم اختیارات

2۔ ون یونٹ

3۔ مغربی اور مشرقی پاکستان میں برابری (PARITY)

1968ء تک یہ تینوں ادارے اپنی قومی قبولیت کھو چکے تھے۔ آئین میں جو اختیارات

ں کو دیئے گئے تھے وہ عملاً مرکزی حکومت کے زیر نگرانی آ چکے تھے۔ صوبائی حکومتوں کی ایک بڑی میونسپلٹی سے زیادہ نہ تھی۔ صوبائی حکومت گورنر کے ہاتھ میں تھی اور گورنر مرکز کے ہیں۔ مشرقی پاکستان' سندھ' فرنٹیئر اور بلوچستان کے سیاسی لیڈر اور عوام یہ چاہتے تھے کہ ان کی فیڈریشن میں ان صوبوں کو بھرپور اور برابر اشتراک کا موقع ملے اور یہ اس وقت تک نہ تھا جب تک مرکز کے بعض اہم اختیارات صوبوں کے سپرد نہ کئے جائیں۔ ہر فیڈریشن دے اپنے لئے زیادہ سے زیادہ اختیارات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ پاکستان وہ پہلی فیڈریشن ں کا ایک صوبہ (اور سب سے اہم صوبہ پنجاب) اس بات پر مصر تھا کہ اختیارات سب کے مرکز کے پاس ہونے چاہئیں۔ پنجاب والوں کے نزدیک مرکز سے گریز حب الوطنی کے تھا۔ وہ ہر صوبائی مطالبے کو صوبائیت کہہ کر رد کر دیتے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ صوبائی ات کو وسیع کرنے کی کوشش پاکستان دشمنی سمجھی جانے لگی۔

چھوٹے صوبوں والے پنجاب کی حب الوطنی اور مرکز نوازی کا تجزیہ یوں کرتے کہ مرکز تر فوجی اور سول ادارے پنجاب والوں کے زیر اثر ہیں لہذا پنجاب والے حب الوطنی کے میں مرکز کی قوت بڑھا کر اپنا سیاسی اقتدار اور غلبہ مستحکم کر رہے ہیں مضبوط مرکز کا سارا پنجاب کو مضبوط کرنے کے لئے رچایا گیا وہ آپس میں بیٹھتے تو کہتے کہ اگر ملک کا دارالحکومت میں واقع ہوتا اور مرکزی حکومت پر پنجاب والوں کے بجائے کسی اور صوبے کا زور چلتا تو دیکھتے کہ حب الوطنی کے جذبے سے سرشار پنجابی کہاں تک مرکز کے استحکام کی دعائیں ان کی نظروں میں "مرکز" "پاکستان دوستی" اور "حب الوطنی" کے جذبے پنجاب کے اپنے کے نعرے تھے اور یہ نعرے دوسرے صوبوں کو دبانے اور محکوم رکھنے کے حربے تھے مشرقی ن میں یہ تاثر بھی عام تھا مرکزی حکومت پنجاب کا ڈنڈا ہے صوبوں میں جیسے ہی کوئی سیاسی بڑھتی ہے اسے پنجاب کے ڈنڈے سے کچل کر رکھ دیا جاتا ہے۔

پنجاب کے عوام اس بڑھتی ہوئی سیاسی کشاکش سے بے خبر تھے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا کہ ے صوبوں کے لوگ پنجاب میں آ کر بیوپار کرتے ہیں ملازمتیں کرتے ہیں مختلف پیشوں تر مقام حاصل کرتے ہیں بات چیت میل جول رشتہ ناطہ ان سب معاملات میں پنجاب ہر شخص سے بلاامتیاز پیش آتے ہیں پاکستان پر جب کوئی مشکل وقت آتا ہے پنجاب ہر قربانی

کے تیار ہوتا ہے دشمن اگر مشرقی پاکستان کی سرحد کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے تو پنجاب کا ہر فرد میجر طفیل شہید کی طرح جذبہ شہادت سے بے قرار ہو جاتا ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود پنجاب کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے ان پر گروہ بندی اور صوبہ پرستی کا الزام لگایا جاتا ہے حالانکہ پنجاب پاکستان کا دل ہے اور یہ دل پاکستان کی سانسوں کے ساتھ دھڑکتا ہے۔

پنجاب والے جب یہ دیکھتے کہ ان کے سواء باقی سب اپنے اپنے صوبوں کی بات کر رہے ہیں تو انہیں بڑی مایوسی ہوتی ''کیا کسی پنجابی نے بھی کبھی پنجابی صوبے کا نعرہ لگایا ہے؟'' یہ ایک بات ان کے نزدیک پاکستان سے پنجاب کی محبت کی فیصلہ کن دلیل تھی......اور ملک دشمن عناصر اگر ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوں تو ڈنڈا استعمال کرنا ہی پڑتا ہے۔

اموی دور خلافت (ملوکیت) میں دمشق اقتدار کا مرکز تھا اور مملکت اسلامی کے مختلف صوبوں میں شامیوں کے خلاف بڑی نفرت پائی جاتی تھی شامی فوج مردانی قوت کا آلہ کار بن تھی جہاں کسی صوبے میں ذرا شورش ہوئی شامی دستے وہاں پہنچ کر قلع قمع کر دیتے ایک مورخ اس پر تبصرہ کیا ہے۔

شامیوں کے خلاف نفرت کا اظہار قابل افسوس تھا کہ ان میں بہت سے لوگ ایسے جنہیں دوسرے صوبوں پر اپنا اقتدار جمانے کا کبھی خیال تک نہ آیا تھا شام ہمیشہ سے مطمئن مستحکم صوبہ تھا۔ اگر شام حکمران گھرانے سے وابستہ نہ ہو جاتا تو وہ یقیناً دوسرے صوبوں میں کسی کی مداخلت سے گریز کرتا'' (اسلامک ہسٹری ایم اے شعبان۔ 1971ء صفحہ 125)

جس طرح مرکز چھوٹے صوبوں کی نظر میں پنجاب کے اقتدار کی علامت بن گیا تھا طرح ون یونٹ بھی پنجاب کے مفاد کا آئینہ دار سمجھا جانے لگا۔ ایک اعلی سطح کے اجلاس میں سنیئر پٹھان افسر نے ایک دفعہ کہا کہ میرے گاؤں سے جب کوئی پٹھان بورڈ آف ریونیو میں پیشی کے لئے آتا ہے تو وہ لاہور میں مارا مارا پھرتا ہے اسے نہ راستے معلوم اور نہ کوئی اس کی ز سمجھتا ہے۔ وہ سیکرٹریٹ کے دروازے پر گھنٹوں کھڑا رہتا ہے اتفاق سے کوئی پٹھان افسر لے تو وہ اس کی مشکل کشائی کرتا ہے۔

1961-60ء میں ریٹائرڈ جنرل خالد شیخ کی سربراہی میں ایک کمیٹی قائم کی گئی جس نے

ے قیام اور اس کی کارکردگی کا جائزہ لیا وہ رپورٹ مرکزی سیکرٹریٹ میں کئی ہفتوں تک طرح ح کی افواہوں کا موضوع بنی رہی آخر معلوم ہوا رپورٹ کی تمام نقول جلا دینے کا حکم دیا گیا پٹھان افسروں میں مشہور تھا کہ رپورٹ میں چھوٹے صوبوں کے انتظامی اختیارات بحال نے کی سفارش کی گئی تھی جسے پنجابی افسروں نے سبوتاژ کر دیا۔

پنجاب کے پرانے سیاست دانوں نے مرکز کے اختیارات اور ون یونٹ کے مسئلوں پر پالیسی اپنا رکھی تھی پبلک کے سامنے تو وہ پاکستان کی سلامتی اور ون یونٹ کی نعمتوں کے قصے کرتے اور درون خانہ شیخ مجیب الرحمٰن کو بھی شہ دیتے اور ون یونٹ کے مخالفین کی سرپرستی بھی تے۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے 1966ء میں جب اپنے چھ نکات پیش کئے تو مشہور کر دیا گیا کہ یہ خود مرکزی حکومت نے مرتب کئے ہیں ان چھ نکات کی تصنیف کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی یہ احمقانہ اور بزدلانہ بہتان ہر سطح پر پھیلایا گیا حیرت یہ تھی کہ یہ نکات حزب اختلاف کے جلسے پیش کئے گئے اور اس اجلاس میں حزب اختلاف کے کسی قائد کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ مجیب ن کی مذمت میں کوئی پبلک بیان دیتا یا کوئی ایسا ریزولیشن پیش کرتا جس سے ظاہر ہوتا کہ حزب اف کا مجیب الرحمٰن کے چھ نکات سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں۔

لاہور میں ہر شخص پوچھتا پھرتا تھا یہ نکات کہاں سے آئے؟ کالا باغ نے بنائے ہیں صدر ب خان نے بنائے ہیں الطاف گوہر ان کا مصنف ہے کوئی بندہ خدا یہ نہ سوچتا کہ یہ بھی تو ممکن شاید یہ نکات مجیب الرحمٰن ہی نے بنائے ہوں اور آخر ان نکات میں کون سی نئی بات تھی جو عوامی کے پہلے نکات میں موجود نہ تھی اور ان نکات کے زبان و بیان میں کون سی ایسی بات تھی جو ربی پاکستان کو کوئی مشاق صاحب قلم ہی پیدا کر سکتا تھا۔

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے زمانے میں چوہدری محمد علی نے صدر ایوب سے ایک ملاقات میں کات کی تصنیف کے بارے میں وضاحت چاہی اور اس شبہے کا بھی اظہار کیا کہ یہ نکات الطاف ہر کی نے مجیب الرحمٰن کو دیئے تھے صدر ایوب نے چوہدری صاحب کو سمجھایا کہ چھ نکات کوئی خفیہ ز نہیں بلکہ تقسیم ملک کا واضح پروگرام ہے صدر ایوب تو ملک بھر کے صحافیوں کے ایک اجلاس ں یہ بھی کہہ چکے تھے کہ مجیب الرحمٰن نے اپنے دل کی بات کھل کر کہہ دی ہے اب یہ بنگالی

مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ آنے والے حالات وخطرات سے باخبر ہو کر ان کا مقابلہ کرنے کے
لئے تیار ہو جائیں۔

اس پر پاکستان آبزرور کے عبدالسلام نے کہا ملکی وحدت کی ذمہ داری حکومت پر ہے صد
ایوب نے کہا جی نہیں آپ پر بھی ہے اگر بنگالی مسلمان خود پاکستان کی وحدت اور سالمیت کے ل
کچھ نہیں کرتے تو مجیب الرحمٰن کے عزائم رنگ لا کر رہیں گے صدر ایوب نے مجھ سے کہا کہ م
چوہدری صاحب سے مل کر معاملے کی وضاحت کردوں چوہدری صاحب مری روڈ پر صلاح الدی
کے ہاں فروکش تھے میں نے جب ان سے کہا کہ صدر ایوب نے ان سے اپنی گفتگو کا خلاصہ مجھے
دیا ہے اور میں وضاحت کے لئے حاضر ہوں تو وہ کچھ پریشان سے ہو گئے کہنے لگے ساری با
صاف ہو گئی ہے میں نے بڑے ادب سے عرض کیا آپ ملک سے اتنے بڑے عہدوں پر فائز
چکے ہیں آپ نے کس طرح بلاتحقیق ایک لغو حکایت کو قابل اعتنا سمجھا۔

چھ نکات میں کوئی نئی بات نہ تھی اصل بات یہ تھی کہ یہ نکات پہلی دفعہ لاہور شہر میں پیش کے
گئے اور وہ بھی ایک ایسے فورم میں جو جمہوریت شہری آزادی پاکستان کی سالمیت اور بقا کی علام
سمجھا جاتا تھا کسی سیاستدان کو یہ خیال نہ آیا کہ ان کی درپردہ حمایت شیخ مجیب کو یہ ہمت بخش دے
کہ وہ ان کے منہ پر وہ باتیں کہہ دے جن کا مطلب پاکستان کی تقسیم کے سوا اور کچھ نہ تھا کچھ ایسا
رویہ ان سیاست دانوں نے ون یونٹ توڑنے کے مسئلے میں اختیار کر رکھا تھا کہیں اجکڑی۔
بات چیت ہو رہی ہے کہیں یونٹ توڑنے کے منصوبوں کی سرپرستی ہو رہی ہے کہیں مرکزی حکوم
کی غاصبانہ پالیسیوں پر تنقید ہو رہی ہے اور دعویٰ یہی کہ ون یونٹ پاکستان کے اتحاد کی ضمانت۔
بس انتظامی خرابیاں دور ہو جائیں تو مغربی پاکستان کے لئے ون یونٹ سے بہتر کیا چیز ہو سکتی ہے

اس دورخی پالیسی کا جواب مشرقی پاکستان نے یہ دیا کہ لاہور میں شیخ مجیب نے چھ نکات
اعلان کیا اور مغربی پاکستان کے چھوٹے صوبوں کے اصرار پر لاہور میں 8 مارچ 1969ء کو حز
اختلاف کے ایک جلسے میں یہ قرارداد منظور ہوئی کہ صدر ایوب سے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں و
یونٹ توڑنے کا مطالبہ کیا جائے۔

مغربی اور مشرقی پاکستان میں برابری کا فارمولا انتہائی دانشمندانہ اقدام تھا یہ براب
دونوں صوبوں میں توازن اور ملک کے استحکام کے لئے لازمی تھی مغربی پاکستان میں یہ مسئلہ

ی میں رہا اس لئے کہ مغربی پاکستان کی اسمبلی میں پنجاب کو نمائندگی اپنی آبادی کے تناسب
ملی تھی اور دوسرے صوبوں کو پیریٹی کے فارمولے سے فائدہ پہنچا تھا۔

68-1969ء میں مشرقی پاکستان میں جب منعم خان کی مخالفت بڑھی تو کنونشن مسلم لیگ
ے بعض رکن جن میں وحیدالزمان اور قاضی قادر پیش پیش تھے یہ شوشہ لے اٹھے کہ نمائندگی
ی کے فارمولے کے مطابق نہیں آبادی کے مطابق ہونی چاہئے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ
نظر حزب اختلاف کی طرف سے نہیں خود حکومتی پارٹی کے ایک بددل گروہ کی طرف سے پیش
یا عوامی لیگ کو جرات ہوئی تھی نہ نٹا کو وہ خود کنونشن لیگ دھڑے نے کہہ دی اس سارے
لے میں پیش پیش بنگال کے وہی مسلمان لیڈر تھے جو اب پاکستان کو دوبارہ متحد کرنے کے
اٹھاتے ہیں اور اخباروں کے دفتروں میں جا کر یہ بیان لگواتے ہیں کہ انہوں نے ہمیشہ عوامی
ور شیخ مجیب الرحمٰن کی مخالفت کی اور اب جلاوطنی کے عالم میں پاکستان سے اپنی وفادار محبت کا
ہ بھگت رہے ہیں جب کچھ کہنے کا وقت تھا ان کی زبان گنگ رہی جب کبھی انہیں مشرقی
ن میں حکومت چلانے کا موقع ملا انہوں نے انتہائی نااہلی کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ نہ کوئی ان
بار کرتا نہ ان کا ساتھ دیتا اپنی صفائی میں یہ ہمیشہ مغربی پاکستان والوں کی بے رخی کم توجہی اور
رتی کا رونا روتے اب فرماتے ہیں ”بنگال کے مسلمان ہمارے ساتھ ہیں“ ”ہمیں بنگلہ دیش
ررونی حالات کا پورا علم ہے“ ”لندن سے ہر روز خط آتے ہیں“ ”انہیں کون خط لکھے گا اور کیوں
؟!

شیخ مجیب الرحمٰن کے پروگرام کی تکمیل کے لئے حالات آہستہ آہستہ سازگار ہوتے جا رہے
رکاری ملازمتوں کی تقسیم ہو چکی تھی عوامی سطح پر تلخی اتنی بڑھ گئی تھی کہ مغربی پاکستان والے
ل کی آئے دن کی تکرار سے تنگ آ چکے تھے اور بنگالی مغربی پاکستان والوں سے مکمل طور پر بد
تھے صدر ایوب نے بنگالی لیڈروں سے کئی دفعہ یہ کہا کہ بات اتنی نہ بڑھاؤ کہ بند قبا ٹوٹنے لگیں
ہ کے پرانے سیاست دانوں کی دورخی پالیسی کی وجہ سے شیخ مجیب الرحمٰن کی تحریک کو ایک
ا اور ون یونٹ کی مخالفت کو دوسری طرف بڑی شہ مل چکی تھی برابری کا طے شدہ فارمولا پھر زیر
نے لگا تھا مشرقی پاکستان کے پرانے مسلم لیگی لیڈر قطعی طور پر مفلوج ہو چکے تھے اور شیخ مجیب
رئنایت کے منتظر

اتنے میں اگرتلہ کا بم پھٹا.........

میں ڈھاکے میں اے کے ایم احسن کے ہاں رات کے کھانے پر مدعو تھا بہت سے اور بنگالی
دوست بھی موجود تھے سنگ باد کے ظہور حسین چوہدری بھی تھے کہنے لگے گوہر بھائی کیا ہو رہا ہے کئی
افسر گرفتار ہو گئے ہیں میں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو سب کو یہ خیال ہوا کہ میں اس موضوع پر بات
کرنے سے احتراز کر رہا ہوں کھانے کے فوراً بعد میں پریذیڈنٹ ہاؤس پہنچا میں نے جنرل رفیع
سے کہا کھانے پر لوگ باتیں کر رہے تھے کہ صدر ایوب کا جہاز اغواء کیا جانے لگا تھا اور بہت سے
بنگالی افسر گرفتار کر لئے گئے ہیں رفیع کے چہرے پر پریشانی کے ذرا آثار نہ تھے اور نہ پریذیڈنٹ
ہاؤس میں مجھے کوئی غیر معمولی بات نظر آئی میں نے رفیع سے ازراہ مذاق کہا اگر کوئی بات ہے تو بتا
دو۔

اس نے کہا پنڈی جا کر ڈی آئی جی رضوی سے پوچھ لینا'' کئی دنوں تک سننے میں نہ آیا۔ میں
نے رضوی سے فون پر پوچھا بھی مگر وہ بات گول کر گیا صدر ایوب نے بھی طیارے کے اغواء کے
بارے میں کوئی بات نہ کی عید سے ایک روز پہلے ایک مختصر سا پریس نوٹ جاری ہوا کہ مشرقی
پاکستان میں ایک سازش کا پتہ چلنے پر بہت سی گرفتاریاں عمل میں آئی ہیں اس بات کی احتیاط کی گئی
کہ پریس نوٹ غیر نمایاں طور پر شائع ہو پریس نوٹ چھپتے ہی ملک بھر میں افواہوں کا بازار گرم ہو
گیا اس خیال سے کہ تفتیش کے دوران کسی کو دخل نہیں دینا چاہئے میں نے اس معاملے میں مزید
تجسس مناسب نہ سمجھا۔

ایک روز رضوی میرے پاس آئے اور کہنے لگے میں آپ کی سازش کا خاکہ بتانے آیا ہوں
تا کہ آپ اس کے لئے کوئی مناسب نام تجویز کر سکیں انہوں نے کسی کا نام لئے بغیر سازش کی بعض
تفصیلات کا ذکر کیا میں نے کہا میرا جی نہیں چاہتا کہ اس سازش سے مشرقی پاکستان کی سرزمین
نام ملوث ہو اور چونکہ سازش کی ایک اہم کڑی اگرتلہ سے ملی لہٰذا اسے اگرتلہ سازش کہنا چاہئے۔
رضوی شاعری بھی فرماتے تھے بولے تری آواز مکے اور مدینے اور پھر شیخ مجیب الرحمٰن پر ابیات
سنانے لگے۔

کچھ عرصے بعد کمانڈر انچیف یحییٰ خان نے ایک میٹنگ بلائی جس میں اگرتلہ کیس
عدالتی کارروائی کا ضابطہ طے کیا جانا تھا صدر ایوب آہستہ آہستہ صحت یاب ہو رہے تھے انہوں

ا کر کچھ ہدایات دیں یحییٰ خان کی میٹنگ میں سرکاری افسروں کے علاوہ دو وزیر بھی موجود
یر قانون ایس ایم ظفر اور وزیر داخلہ اے آر خان قاعدے کے مطابق وزیروں کے لئے یہ
ب نہ تھا کہ وہ کمانڈر انچیف کی سرکاری میٹنگ میں حاضر ہوں ماحول خاصا بوجھل اور بے
سا تھا............

بحث شروع ہوئی اعوان جو اس وقت ہوم سیکرٹری تھے کہنے لگے کہ عجب بات ہے میں ہوم
ی ہوں اور مجھے اس معاملے کی کوئی اطلاع نہیں دی گئی اور نہ مجھ سے کبھی مشورہ کیا گیا اعوان
ٰ خان کے تعلقات یوں بھی کشیدہ تھے اس میٹنگ میں بدمزگی اور بڑھی یحییٰ خان مطمئن بیٹھے
ل پیرزادہ قاضی حسن اور کوئی اور باوردی فوجی افسر موجود تھے یحییٰ خان قاضی سے مخاطب
او بچو یہ کیا بات ہے لوگ کورٹ مارشل سے کیوں ڈرتے ہیں؟ پیرزادہ کی طرف رخ کیا اور
کیوں نہیں کیسے تفتیش ہوئی۔

آدھے گھنٹے تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں مگر صاف طور پر کچھ پتہ نہ چلا کہ آخر ہوا
... مجھ سے یحییٰ خان بڑے محتاط رہتے تھے کہنے لگے میں یہ چاہتا ہوں کہ جب عدالتی
ائی شروع ہو تو اس کا اثر مشرقی پاکستان کے لوگوں پر فول پروف ہونا چاہئے۔

میں نے کہا اس کا انحصار تو اس بات پر ہے کہ عدالت کیا طریقہ کار اختیار کرتی ہے اور
ت کے سامنے کس قسم کی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔

انہوں نے بڑے اعتماد سے کہا اس کی آپ فکر مت کریں شہادتیں تو بالکل فول پروف

میں نے جواب دیا تو ردعمل بھی فول پروف ہوگا۔

وہ سمجھے میں ان کے لفظ فول پروف کا مذاق اڑا رہا ہوں رضوی سے کہنے لگے بچو ان کو یقین
دکھاؤ انہیں شہادتوں کا خلاصہ۔

طے ہوا کہ میٹنگ کے بعد میں خلاصہ دیکھ کر اپنے شکوک رفع کر لوں یحییٰ خان ایسے زوروں
تھے کہ وہ عدالتی کارروائی اخباروں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بڑی دھوم دھام سے مشتہر کرنا
تے تھے۔

جی ڈبلیو چوہدری صاحب نے اس میٹنگ کے بارے میں اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ

صحیح نہیں چوہدری صاحب اس زمانے میں ایک معمولی افسر ہوا کرتے تھے ان کی معلومات کے ذرائع عام گپ شپ کے سوا اور کیا ہو سکتے تھے صدر ایوب کے زمانے کی جن میٹنگوں کا انہوں نے ذکر کیا ہے ان میں سے کسی میں وہ موجود نہ تھے موصوف ڈھاکہ یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے اور بیشتر وقت بنیادی جمہوریتوں کی تعریف میں مضامین لکھا کرتے جب ان کے لئے یونیورسٹی کے دوسرے استادوں کو منہ دکھانا مشکل ہو گیا تو پناہ گیر بن کر پنڈی آ گئے اور ان کی دیکھ بھال میرے سپرد کی گئی اب وہ صدر ایوب کے زمانے کے مستند مبصر بن گئے۔

میٹنگ کے بعد میں نے شہادتوں کا خلاصہ دیکھا وزارت اطلاعات کے دو اور ساتھیوں کو بھی دکھایا ہم سب کی رائے تھی کہ جب تک کوئی ٹھوس ثبوت اور نا قابل تردید مواد عدالت کے سامنے پیش نہ ہو جائے اس وقت تک شیخ مجیب کا نام ملزموں کی فہرست میں نہیں آنا چاہئے صدر ایوب نے یہ تجویز منظور کی اور ٹربیونل کے سامنے ملزموں کی جو پہلی فہرست پیش کی گئی اس میں شیخ مجیب کا نام نہ تھا چند روز بعد میں نے اخبار میں دیکھا کہ عدالتی کارروائی شروع ہونے سے پہلے ہی شیخ مجیب کا نام ملزموں کی فہرست میں شامل کر لیا گیا۔

مقدمہ شروع ہوا یحییٰ خان کے اصرار پر استغاثے کی شہادتوں کی پوری تفصیل اخبارات میں شائع کی گئی مشرقی پاکستان کا رد عمل تو ایک طرف مغربی پاکستان میں بھی کوئی سیاسی لیڈر قائل ہوا ہر طرف چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ حکومت نے خواہ مخواہ کا ڈھونگ رچایا ہے ادھر ٹربیونل کے سامنے گواہ منحرف ہونے لگے حضرت رضوی یہ کہتے نہ تھکتے تھے کہ آج تک کسی سازش کے مقدمے میں اتنا دستاویزی مواد نہیں پیش کیا گیا اور لوگ تھے کہ کسی بات پر یقین ہی نہ کرتے تھے جوں جوں صدر ایوب کی صحت بہتر ہو رہی تھی اگرتلہ کا مقدمہ بگڑتا جا رہا تھا۔

اگرتلہ نے مجیب کو مقبولیت کی انتہا تک پہنچا دیا رہی سہی کسر سارجنٹ ظہور الحق کی موت نے پوری کر دی مجیب بہ ہزار وقت اس بات پر آمادہ ہوئے کہ وہ صدر ایوب کے ساتھ حزب اختلاف کے مذاکرات میں شامل ہوں گے کسی نے یہ مشہور کر دیا کہ میں نے مجیب کے مذاکرات میں شمولیت کی خبر پیش از وقت نشر کر دی اس لئے اسے آمادگی کی شرائط اور سخت کرنا پڑیں میرا خبر سے یا اس کے نشر ہونے سے کوئی تعلق نہ تھا مگر مغربی پاکستان کے بعض لیڈر شاید یہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے کہ مجیب پاکستان کی سالمیت کا محافظ ہے اور اس کے آتے ہی سارا

ات طے ہو جائیں گے مجیب کی نیت اور ارادوں کے بارے میں کوئی رائے کیسی دی جا سکتی ر یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ پے در پے مقدمات گرفتاریاں آزادی کے مختصر لمحے اقتدار کا قرب اور ں سے ہزار ہا میل دوری یہ سب باتیں اس کے دل و دماغ پر کیا اثر مرتب کر رہی ہوں گی آخر تو وہ بھی سمجھ گیا ہو گا کہ مغربی پاکستان والے جب چاہتے ہیں اسے پابند سلاسل کر دیتے ہیں ب چاہتے ہیں اسے اقتدار میں شریک ہونے کی دعوت دینے لگتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ 1965ء کے زمانے میں مجیب بنگلہ دیش کی آزادی کے بارے میں فیصلہ ر دیہ اختیار کر چکا تھا اس نے طے کر لیا تھا کہ بنگلہ دیش کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ مغربی ن سے علیحدہ ہو کر ایک آزاد مملکت کی شکل اختیار کرے میں یہ بات اندازے سے کہہ رہا مجھے اعتراف ہے کہ میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

1965ء کا سال ہماری تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے اس سال بہت سے خواب ا ہوئے کئی برسوں کی منصوبہ بندیاں بے کار ثابت ہوئیں مختلف شعبوں میں ہماری خامیوں یوں اور بد دیانتیوں کا پتہ چلا دشمن کو ہماری طاقت کا اندازہ ہوا اور دشمن کے بارے میں بہت سی خوش فہمیاں دور ہوئیں قومی اعتماد کو نا قابل بیان دھکا لگا اور سارے نظام حکومت اور ت کی بنیادیں کھوکھلی ہو گئیں۔

1965ء ہی میں مشرقی بنگال کے لوگوں کو اپنی جغرافیائی دوری کا بڑے ڈرامائی انداز سے ا ہوا انہیں یہ بتایا جاتا رہا تھا کہ مشرقی پاکستان کی جنگ مغربی پاکستان کے میدانوں میں لڑی گی مگر جب جنگ کے گہرے بادل ان کے سروں پر منڈلانے لگے اور بمبار طیارے فضا لرزاں ہو کر ڈھاکہ شہر پر گولیاں برساتے ہوئے نکلنے لگے تو انہیں پتہ چلا کہ ان کے محافظ ان ت دور ہیں یہ بھی سننے میں آیا کہ جنگ کے دنوں میں منعم خان نے سیاسی لیڈروں کی ایک بلائی جس میں شیخ مجیب نے پاکستان کے دفاعی نظام پر نکتہ چینی کی اگر 1965ء کی جنگ رقی پاکستان کے عام لوگوں کا تاثر یہ تھا کہ انہیں دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے تو مجیب نے بھی کچھ ایسا ہی اندازہ لگایا ہو گا یہ دلیل باعث تو بن سکتی تھی مشرقی پاکستان والوں کے ہر اطمینان ہرگز نہ تھی۔

سیاسی جماعتوں کے رہنما گفت وشنید بھی کرتے رہے اور مرکزی حکومت کے خلاف ہ
اقدام میں ان کی حمایت بھی فرماتے رہے جب مغربی پاکستان کے رہنما چھ نکات کا تیر کھا کر بھی
تڑپے تو مجیب الرحمٰن نے بنگلہ دیش کی آزادی کے لئے اپنی در پردہ کوششیں تیز کر دیں۔

معاہدہ تاشقند نے ایوب خان کی حکومت کو بری طرح مجروح کیا تھا ہر چند کہ مشرقی پاکستا
کے بیشتر لیڈر اس معاہدے سے خوش تھے وہ اس بات سے بے خبر نہ تھے کہ ملک میں ایوب خان
ہوا اکھڑ گئی ہے اس صورت حال سے دو غداروں نے فائدہ اٹھایا مغربی پاکستان میں یحییٰ خان
اور مشرقی پاکستان میں مجیب الرحمٰن نے یحییٰ خان کے کردار کا تجزیہ ایک الگ موضوع ہے ا
مجیب الرحمٰن نے جب مغربی پاکستان میں ایوب خان کی ساکھ گرتی ہوئی دیکھی تو سوچا آخری راؤ
کی تیاری کرنی چاہئے اگرتلہ سازش اس راؤنڈ کا آغاز تھا اس نے اپنا اور مشرقی پاکستان کا مستق
ہندوستان کے ہاتھ دے دیا ایک اور بات جو شیخ مجیب کو ہندوستان کی طرف لے گئی وہ یہ تھی
مجیب الرحمٰن کی اپنی زندگی میں اسلام کو کوئی رسمی حیثیت بھی حاصل نہ تھی وہ تو السلام علیکم کہنے
بھی روادار نہ تھے۔

انہوں نے اپنا لباس اپنا انداز اپنا طرز تکلم آہستہ آہستہ اس طرح کا بنا لیا کہ اس میں اسلا
کوئی نشان تک نہ رہا تھا اسلام ان کے لئے ایک ڈھکوسلا تھا جو مغربی پاکستان والے ان کے خلا
استعمال کرتے تھے اگرتلہ سازش میں مجیب نے دو غلطیاں کیں ایک تو یہ کہ انہوں نے مر
حکومت کی طاقت یا بے طاقتی کا غلط اندازہ لگایا یحییٰ خان اپنی تمام فتنہ پردازیوں کے باوجود
اس سطح تک نہ پہنچے تھے کہ ایوب خان کے سامنے سر اٹھانے کی جرات کر سکتے جونہی اگرتلہ ساز
پتہ چلا ملک کی تمام تفتیشی ایجنسیاں حرکت میں آ گئیں اور مجیب الرحمٰن اور ان کے ساتھی پکڑ
گئے۔

دوسری غلطی مجیب نے یہ کی کہ انہوں نے مشرقی پاکستان کے عوام کے بارے میں یہ
لگایا کہ وہ اگرتلہ سازش اور مغربی پاکستان سے علیحدگی کی تحریک کی موافقت کریں گے اگر
مقدمہ شروع ہونے سے پہلے عام طور پر بنگالیوں کا نقطہ نظر یہ تھا کہ سازش تو یقیناً ہو رہی تھی
اس میں جو لوگ ملوث تھے وہ ایسے کم ظرف بے بضاعت اور نالائق تھے کہ وہ کسی بڑی سا
کامیاب نہ بنا سکتے تھے ظہور حسین چودھری ان دنوں کہا کرتے تھے کہ ان سب کو دو دو جوتے

جانا چاہئے یہ اس سے زیادہ سزا کے مستحق نہیں بدقسمتی سے یحییٰ خان اور ان کے عملے نے
کی تفتیش اور مقدمے کی پیروی کے سلسلے میں دانستہ طور پر ایسی ایسی حرکتیں کیں کہ اگرتلہ
کا سارا اثر صدر ایوب کی حکومت کے خلاف پڑا اور مجیب الرحمٰن ہیرو بن گئے۔

سازش کا علم ہونے اور اگرتلہ کیس چلنے کے درمیانی عرصے میں ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس
ب الرحمٰن اور یحییٰ خان دونوں کو اپنے اپنے ارادوں میں کامیاب ہونے کا موقع فراہم کر دیا
ادثہ ایوب خان کی دل کی بیماری تھی جو آخر جان لیوا ثابت ہوئی ایوب خان بیمار نہ ہوتے تو
ن اور ان کے ساتھ ہار لے اسٹریٹ راولپنڈی میں بیٹھے ہر روز شراب پی کر اودھم تو بہت
یکن ملک اور قوم کو تباہ نہ کر سکتے ادھر ایوب خان بیمار ہوئے ادھر یحییٰ خان قصر صدارت پر
ہو گئے گیٹ بند کر دیئے گئے ملاقاتوں کا سلسلہ ختم ہوا کابینہ معطل ہو گئی اسپیکر سے کہہ دیا گیا
سعودی عرب کا دورہ کرو۔

اگر ایوب خان دل کے پہلے دورے سے جانبر نہ ہوتے تو یحییٰ خان اسی وقت ملک پر قابض
تے اور سب پر ان کی غاصبانہ حیثیت فوراً ہی کھل جاتی مگر قدرت کو یہ منظور تھا کہ پہلے ایوب
ر ان کے ساتھیوں کو (جن میں میں بھی شامل تھا) ان کی غلطیوں اور کوتاہ بینی کی سزا دی
ایوب خان کی بیماری کے پہلے ہفتے ہی میں حکومت کے وزیروں مشیروں اور افسروں کو معلوم
لا اب حکومت کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں ہے لہذا یحییٰ خان جب کوئی میٹنگ بلاتا تو وزیر
جاتے اور اس کے مہمل جملوں عامیانہ لطیفوں اور گھٹیا حرکتوں کی دل کھول کر داد دیتے۔

یحییٰ خان نے ہر طرح کی شورش کو ہوا دی اور اگرتلہ کیس میں ایک ایسا ٹائم بم رکھ دیا جس
ٹتے ہی ایوب خان اور ان کی حکومت پارہ پارہ ہو گئی اس ٹائم بم کے فیوز کو یحییٰ خان نے آگ
ت لگائی جب اگرتلہ سازش کے ایک قیدی سارجنٹ ظہور الحق کو فوجی حراست میں گولی سے
گیا پورا بنگال امڈ آیا مجیب الرحمٰن پیرول میں آنے کو تیار تھے وہ اب ایک فاتح کی حیثیت سے
کے ہوائی اڈے پر اترے وہ سازش جو ان کے ساتھیوں کی نااہلی کی وجہ سے ناکام ہو گئی تھی
یک کامیابی میں بدل گئی اور سارا لاہور ان کے استقبال کو موجود تھا عوام ایوب خان کے
تھے اور ایوب خان کا سب سے بڑا دشمن مجیب الرحمٰن ان پر آخری وار کرنے آ پہنچا تھا نعرہ
للہ اکبر۔

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے دنوں میں مجیب الرحمٰن یحییٰ خان سے ملے اور ان کے درمیان جو بات چیت ہوئی اس سے مجیب الرحمٰن نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ جو چاہے کریں یحییٰ خان کوئی دخل نہ دیں گے مجیب اور ان کے ہندوستانی صلاح کار شاید اس فیصلے پر پہنچے ہوں کہ بغیر عوامی حمایت کے مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنا ممکن نہ ہوگا لہذا کوشش یہ کرنی چاہیے کہ یحییٰ خان ملک میں امن وامان بحال کر دیں اور پھر آزادانہ اور منصفانہ الیکشن کروادیں۔

ایک دفعہ الیکشن ہو جائیں تو علیحدگی کی بیل آسانی سے منڈھے چڑھ سکے گی عوامی لیگ دوسری جماعتوں سے کہیں زیادہ اس بات پر مصر تھی کہ ملک بھر میں جلد از جلد الیکشن کرائے جائیں مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کی مقبولیت مسلم تھی اس کے باوجود اس نے بڑی سوچ بچار کے بعد انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا عوامی لیگ کو یہ معلوم تھا کہ حکومت کی مداخلت کے باوجود وہ عوام کے جذبات کو ابھار کر بھاری اکثریت حاصل کر لے گی اور مغربی پاکستان کے کارندوں کو آخر تک یہ اندازہ نہ ہو سکے گا کہ عوامی لیگ کس حد تک مشرقی پاکستان کے کونے کونے میں اپنا اثر پیدا کر چکی ہے مغربی پاکستان کے جرنیل وزیر افسر سیاسی کارکن اور صحافی ڈھاکے میں آ کر مسلم لیگ برانڈ لوگوں سے ملیں گے وہ ان سے مراعات بھی حاصل کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ 20-30 فیصد نشستیں تو مجیب لے جائیں گے مگر باقی نشستیں دوسری جماعتوں میں بٹ جائیں گی 1954ء کے الیکشن میں بھی یہ لوگ ایسے ہی تخمینے جوڑا کرتے تھے البتہ پیپلز پارٹی کو یہ خدشہ ضرور تھا کہ حکومت کی بھرپور مداخلت انتخابات کے نتائج پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے آخری روز مجیب نے پنڈی میں ایک پریس کانفرنس کی اور ڈیمو کریٹک ایکشن کمیٹی (ڈیک) کی ناؤ کو انتشار کی بپھرتی ہوئی لہروں کے سپرد کر دیا اس کا کام بن چکا تھا ایوب خان کی حکومت اوندھے منہ پڑی تھی حزب اختلاف نے اسے ایک قومی ہیرو بنا کر مغربی پاکستان کے عوام کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ یحییٰ خان سے اس کی بات چیت اور مفاہمت ہو گئی تھی۔ اس نے لاہور میں اپنے بنگالی ساتھیوں سے کہا چھوڑو اب مذاکرات چلو ڈھاکے چلو' سب کچھ طے ہو چکا' مجیب سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ڈھاکے روانہ ہو گئے اور حزب اختلاف اپنا سامنہ لے کر رہ گئی۔

پارٹی بازی کا شکار تو وہ پہلے تھی' اب اسے احساس ہوا کہ اس کے پاس نہ کوئی لائحہ عمل نہ کوئی

پروگرام چوہدری محمد علی صاحب نے یہ راہ نکالی کہ بنیادی مطالبات تو ایوب خان نے تسلیم کر
ں' اب اصولاً ان ہی کو موقع دینا چاہئے کہ وہ مطالبات کو عملی صورت بھی دے سکیں قومی اسمبلی
اس بلایا جائے اور آئین میں مناسب ترامیم کی جائیں اور یہ بھی طے کیا جائے کہ ملک بھر
ام انتخابات جلد از جلد کب تک کرائے جا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ ایوب خان سے بھی
ر چیف الیکشن کمشنر این اے فاروقی سے بھی جو اس وقت راولپنڈی کے گورنمنٹ ہسپتال میں
ے تھے۔ اس ضمن میں نے چوہدری صاحب سے عرض کیا حزب اختلاف نے بڑی کامیابی
ب کی حکومت کو مقید کر دیا ہے۔ خود ایوب خاں حد درجہ بددل اور مایوس ہو چکے ہیں۔ ان کی
جماعت کے لوگ دوسری پارٹیوں میں جا رہے ہیں۔
سندھ کے ایم این اے انتہاپسندی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ مجیب الرحمٰن اور بھاشانی مشرقی
ن میں اودھم مچا رہے ہیں۔ عوام کو ایوب خان پر قطعی اعتماد نہیں رہا۔ خود حزب اختلاف میں
رہ ڈر رہا ہے کہ ایوب خان کو موقع مل گیا تو وہ پھر اپنے پاؤں جمانے کی کوشش کریں گے۔
لات میں یہ کیسے ممکن ہے کہ ایوب خان حزب اختلاف کے پروگرام کو آئینی منظوری بھی دلوا
دراقتدار بھی اسے الاٹ کرا دیں۔ جو بازو حزب اختلاف نے خود مجروح کر دیئے تھے' وہ اب
حمایت میں اٹھنے کے قابل ہی نہیں۔ چوہدری صاحب سمجھتے تھے کہ ایوب خان یہ سب کچھ کر
ں۔

حزب اختلاف 23 مارچ کے پبلک جلسوں میں ان کی پوزیشن مستحکم کرے گی تاکہ وہ عوامی
ات کو عملی شکل دے کر ملک میں جلد از جلد آزادانہ انتخابات کرا دیں۔ مشرقی پاکستان کے
ت کا حل انہوں نے یہ تجویز فرمایا کہ علماء اور مساجد کو اسلام اور پاکستان کی حمایت میں منظم کیا
۔ اس کے لئے تین کروڑ روپے کی رقم مختص کی جائے۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ رقم کسے دی
؟'' بڑے غور فکر اور مشوروں کے بعد انہوں نے کہا ''موہن میاں کو۔'' میں پنڈی واپس پہنچا
ھری صاحب کا فون آیا کہ جس شخص کا نام انہوں نے تجویز کیا تھا' وہ مناسب نہیں' دو چار دن
ئی اور نام دیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا۔ ''چودھری صاحب' حالات انتہائی سنگین صورت
کر چکے ہیں۔'' میری اور چودھری صاحب کی اس موضوع پر آخری گفتگو تھی جن کا میں بے حد
م کرتا ہوں۔

25 مارچ 1969ء کی شام راولپنڈی میں بڑے زور کا طوفان آیا۔ درخت جڑوں سے اکھڑ کر سڑکوں کے آر پار آ گرے۔ راستے بند ہو گئے۔ بتیاں گل ہو گئیں۔ ایوب خان نے صدارت سے دستبرداری کا اعلان ریکارڈ کروا دیا تھا اور وہ ریڈیو سے نشر ہونے والا تھا وہ شخص جو ایوب خان کی تقریر کی صاف کاپی بنا رہا تھا جب اس جملے پر پہنچا جہاں ایوب خان قوم اور ملک سے رخصت ہوتے ہیں' تو بے اختیار رونے لگا۔ سارا ملک گوش بر آواز تھا۔ مجھے جی ایچ کیو بلایا گیا۔ جب میں کمانڈر انچیف کے کمرے کے قریب موٹر سے اترا' تو بے تحاشا بارش ہو رہی تھی۔ اس افراتفری میں ایک سپاہی مجھے سی ان سی کے ملٹری سیکرٹری کے کمرے لے گیا۔ میز پر ایک ریڈیو رکھا تھا۔

ایوب خان کی آواز لہروں کے زیر و بم کے ساتھ کبھی ابھرتی کبھی ڈوب جاتی۔ میز کے گرد چار اشخاص ریڈیو سے کان لگائے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی سنبھل کر پیچھے ہٹ گئے۔ مجھے یوں لگا جیسے چوروں کی منڈلی ہو۔ وہ بھی یوں محسوس کر رہے تھے جیسے میں نے انہیں رنگے ہاتھوں پکڑا ہو۔ یہ تھے پاکستان کے نئے حکمران یحییٰ خان حمید پیرزادہ اور اسحاق۔ یحییٰ خان کے چلنے پھرنے انداز بڑا اجلانہ تھا۔ ایوب خان کی تقریر تو انہوں نے ریکارڈ ہوتے وقت ہی سن لی تھی۔

اب تو وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے لوٹ کے مال کا اندازہ لگا رہے تھے۔ فوراً ہی یہ لوگ اٹھے اور سی ان سی کے کمرے میں آ گئے جہاں یحییٰ خان کی 26 مارچ کی تقریر کی ریکارڈنگ کا انتظام کیا گیا تھا۔ حمید پیرزادہ' گل حسن اور دو ایک اور فوجی کمرے کی دیوار کے ساتھ رکھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کرنل صدیقی دروازے کے قریب دست بستہ کھڑے تھے۔ یحییٰ خان کی نظر ان پر پڑی تو بولے۔ "بچو تو کرنل ہو گیا ہے۔" تقریر کی ریکارڈنگ ختم ہو چکی' تو یحییٰ خان نے کہا۔ "کہاں ہے میری وسکی؟" ان کے ساتھی یہ سن کر بہت پریشان ہوئے۔

پیرزادہ نے کہا۔ "ابھی آ رہی ہے سر!" اصل میں وہ لوگ چاہتے تھے کہ اطلاعات اور ریڈیو کا عملہ چلا جائے تو پھر محفل جمے اور یحییٰ خان سب کے سامنے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی اصلیت مظاہرہ کرنا چاہتے تھے۔ جب شراب پہنچنے میں دیر ہوئی تو یحییٰ خان نے اپنی مخصوص آدھی ہنسی اور آدھی کھانسی دار آواز میں کہا۔ "مجھے نہیں معلوم کوئی اور ہے یا نہیں' مگر میں آج شراب کا مستحق ضرور ہوں۔"

وہی مجیب الرحمٰن جن کی غداری کا یحییٰ خان کے پاس فول پروف ثبوت تھا۔ اب ان ۔

دست راست بن گئے۔ خود یحییٰ خان نے ڈھاکے میں یہ اعلان کیا کہ مجیب الرحمٰن پاکستان کی سالمیت کے حامی ہیں۔ ڈرامے کا پہلا ایکٹ ختم ہو چکا تھا۔ یحییٰ خان اقتدار پر غاصبانہ قبضہ جما چکے تھے۔ مجیب کو حب الوطنی اور پاکستان دوستی کا سرٹیفکیٹ مل چکا تھا۔ مغربی پاکستان کی پرانی سیاسی جماعتیں یحییٰ خان کے اشاروں پر ناچ رہی تھیں۔ کئی صحافی یحییٰ خان اور اس کے نافذ کردہ مارشل لاء کے گن گا رہے تھے وہ ایک ایک کر کے مختلف قومی اداروں کی بنیادیں ہلا رہا تھا اور پڑھے لکھے لوگ اپنی ذاتی رنجشوں اور دشمنیوں کی بنا پر اس کے ہر ظالمانہ اور غیر منصفانہ اقدام کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔

آزادی' انصاف اور اسلامی انقلاب کی تحریک یحییٰ خاں کے مارشل لاء کا روپ دھار چکی تھی اور تاثر یہ دیا جا رہا تھا کہ عوام کو ان کے حقوق مل گئے۔ مجیب الرحمٰن نے یحییٰ خاں کو قصر صدارت تک پہنچا دیا تھا' اب اس کی باری تھی۔

یحییٰ خان نے اعلان کیا مارشل لاء تو ایک عارضی سی بات ہے۔ جونہی حالات سدھرنے لگیں گے' مارشل لاء اٹھا لیا جائے گا۔ ان کی حکومت تو محض ریل کو پٹڑی پر چڑھانے کے لئے آئی ہے۔ پٹڑی کی مرمت ہو جائے اور دوبارہ ریل کے پہیے اس پر جما دیئے جائیں' تو ریل چلانے کا انتظام عوام کے نمائندوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ مجیب الرحمٰن نے مغربی پاکستان سے اپنے تمام رشتے منقطع کر لئے۔ مغربی پاکستان کا جو شخص انہیں ملتا' وہ اسے مشرقی پاکستان کی بدحالی کے قصے سناتے اور یہ تاثر دیتے کہ مشرقی پاکستان کے لوگ اپنے جائز حقوق چاہتے ہیں۔ مغربی پاکستان سے علیحدگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آخر سب سے بڑے صوبے کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ حکومت کا حق چھوڑ کر فیڈریشن سے علیحدہ ہو جائے؟

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں ایوب خان نے اور عوامی مطالبات تو تسلیم کر لئے تھے' مگر دو باتوں پر وہ کسی قسم کی مصالحت کے لئے تیار نہ ہوئے۔

(الف) مغربی اور مشرقی پاکستان میں پیریٹی برقرار رہے گی۔ اور

(ب) ون یونٹ میں انتظامی تبدیلیاں تو کی جا سکتی ہیں اسے توڑا نہیں جا سکتا۔

انہوں نے مغربی پاکستان کے سیاسی لیڈروں سے کہا کہ ایک دفعہ پیریٹی کا اصول ترک کر دیا گیا اور صوبوں کی آبادی کے مطابق نمائندگی دے دی گئی۔ تو ملک انتشار کی نذر ہو جائے گا اور

پیریٹی کے اصول کے لئے یہ لازمی ہے کہ ون یونٹ قائم رکھا جائے۔ پنجاب کے سب سیاس
دان ان سے اتفاق کرتے تھے مگر اپنی مصلحتوں کی بنا پر ان کی حمایت میں کچھ کہنے کو تیار نہ تھے انہی
مصلحتوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یحییٰ خان نے پیریٹی اور ون یونٹ دونوں بیک جنبش قلم منسو
کر دیئے۔ مشرقی پاکستان' سندھ' فرنٹیئر' اور بلوچستان میں یحییٰ خان راتوں رات ایک عظیم لیڈر ب
کر ابھرے۔

ان کے حواریوں نے کہنا شروع کیا کہ صاحب' ذاتی کمزوریاں تو سب میں ہوتی ہیں'
قائداعظم (علیہ الرحمتہ) کے بعد اگر کسی نے پاکستان کو استحکام بخشا ہے تو وہ یحییٰ خان ہیں۔ بی
الاقوامی سطح پر یحییٰ خان اپنے رنگیلے پن کی وجہ سے بڑی شہرت پا رہے تھے۔ رباط کانفرنس میں د
بھر ہندوستان کے ایک سردار جی کے ساتھ بیٹھے رہے بعد میں کہنے لگے "مجھے کیا معلوم تھا ک
ہندوستان کا نمائندہ ہے۔ میں سمجھا کوئی مولوی ہے۔" ایران کے جشن میں کھانے کی میز سے ل
پت اٹھائے گئے۔ امریکہ میں ایک پریس کانفرنس میں اپنے فارن سیکرٹری سے مخاط
ہوئے۔ "کہاں ہے میرا چمچہ۔"

(STOOGE) ایک اخباری نمائندے نے پوچھا۔ "جناب صدر بحر ہند NDIAN
OCEAN) میں جو بین الاقوامی صورت پیدا ہو رہی ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خ
ہے؟" بولے۔ "میرا خیال' میرا کیا خیال ہے۔ انڈین اوشن ہے تو انڈیا سے پوچھو' میں کسی
معاملے میں دخل نہیں دیتا۔" امریکہ کی کاسہ لیسی شروع کی' تو ہنری کسنگر کی ڈرائیوری تک قبول
لی اور کسنگر کے خفیہ چینی مشن کے بارے میں حکومت کی طرف سے ایک غلط پریس نوٹ ش
کرنے پر یہ سمجھنے لگے کہ چین اور امریکہ میں دوستی انہی کی کوششوں سے ہوئی۔ ملکی معیشت
ریڑھ مار کر رکھ دی' انتظامیہ مفلوج ہو گئی' عدلیہ کو پریشان اور ذلیل کیا' صحافت کی رہی سہی نام
مٹا دی۔ عام آدمی کے لئے ملک چھوڑ کر جانا ایک نعمت بن گئی۔ رات کے اندھیرے میں صدر
ان کے ساتھی کیا کیا گل نہ کھلاتے۔ کبھی جیپ میں بیٹھ کر کسی ریڈیو آرٹسٹ کے ہاں پہنچے اور ا
دروازہ پیٹنے لگے۔ کبھی گویئے جمع کرتے' کبھی مسخرے' مصاحبین کہتے۔ "حضور! وہ جو آپ
امریکہ میں اندرا گاندھی کا حلیہ بگاڑا تھا' وہ ضرور سنایئے۔" صدر یحییٰ فرماتے۔ "کون سا؟
دیٹ وومن (THAT WOMAN) والا' ہاں میں نے تو کہہ دیا دیٹ وومن۔" اس پ

ے جاتے۔

مجیب الرحمٰن اب کھلے بندوں اپنے پیغام کا پرچار کر رہے تھے۔ حکومت کے بالائی طبقے میں
س ایسا نہ تھا جو مشرقی پاکستان کے حالات سے واقف ہو۔ کسی کو یہ تک معلوم نہ تھا کہ مجیب
اپنی تقریروں میں کہہ کیا رہے ہیں۔ ہجوم کے سامنے آتے ہی مجیب پر ایک جنون کی سی
طاری ہو جاتی۔ وہ سننے والوں کو ان کے دکھ درد ان کی مصیبتوں اور ان کی ناداری کے قصے
طرح سناتے کہ مجمع پر گہری افسردگی چھا جاتی۔ پھر وہ انہیں اس آزادی اور عظمت کی جھلک
جس سے سننے والوں کی آنکھوں میں چمک آ جاتی اور بے اختیار نعرے لگانے لگتے۔ وہ
ے دریچے کھولتے اور پھر اپنی بے بسی کا ذکر کرتے۔ "کاش! آپ لوگوں کے دکھ کا مداوا
ہاتھ میں ہوتا! مگر جنہوں نے دکھ دیا ہے اور جو اس کا علاج کر سکتے ہیں' وہ تو ہزار ہا میل دور
وں میں بیٹھے راج کر رہے ہیں۔

1954ء میں آپ لوگوں نے اپنی رائے کا کھل کا اظہار کیا اور عوامی لیگ کی حکومت
زار آئی' مگر ظالموں نے اس کا تختہ الٹ دیا اور اس کی جگہ نئے میر جعفر گدی پر بٹھائے گئے۔
قصبہ' ہر گاؤں مجیب کی گرجدار آواز کی گونج بن گیا۔

مغربی پاکستان میں پرانی سیاسی پارٹیاں اپنی روایتی ڈگر پر چل رہی تھیں۔ حکومت سے ساز
جاری تھی اور آپس میں جوڑ توڑ بھی۔ کہیں نمائندوں پر سودا بازی ہو رہی ہے کہیں عوام کو
دینے کی چالیں سوچی جا رہی ہیں۔ افواہ سازی اور الزام تراشی سب سے محبوب سیاسی
غا' البتہ پیپلز پارٹی اپنا اقتصادی پروگرام لے کر عوام کے پاس جا رہی تھی اس کی مقبولیت کی
تے بڑھتے ایک طوفان کی شکل اختیار کرتی گئی۔

یحییٰ خاں' پیرزادہ اور ان کے ساتھی اس پر تکیہ کئے بیٹھے تھے کہ یہ ممکن ہی نہیں کسی جماعت
کو اکثریت حاصل ہو سکے۔ کوئی پارٹی پندرہ بیس سے زیادہ نشستیں نہ لے سکے گی۔ کچھ آزاد
رہوں گے۔ بہت سے امیدوار بکاؤ مال ہیں لہذا آئندہ حکومت اسی طرح کی بنے گی جو یحییٰ
ند فرمائیں گے۔ احتیاط کے طور پر یحییٰ خاں نے لیگل فریم ورک آرڈر سے وہ چیزیں حذف
کیں۔

(الف) اس مدت کا تعین نہ کیا گیا جس میں نو منتخب اسمبلی کا اجلاس بلایا جانا لازمی ہوتا۔

(ب) آئین سازی کے لئے ووٹنگ کا طریق کار طے نہ کیا گیا۔

جب لیگل فریم ورک آرڈر میں یہاں تک کہہ دیا گیا کہ اسمبلی کو ایک سو بیس دن کے ا
آئین بنانا ہو گا تو پھر اجلاس بلائے جانے کی مدت کا تعین نہ کرنا ایک ایسی فروگزاشت تھی جو
کی غماز تھی اور اس بات کا تو ہرگز کوئی جواب نہ تھا کہ آئین کی منظوری کے لئے یہ نہ بتایا
اکثریت سادہ ہو گی' دو تہائی ہو گی یا تین چوتھائی۔ جی ڈبلیو چودھری صاحب نہ قانون دان
انہیں آئین سازی کا کوئی تجربہ تھا اور نہ عمر بھر انہوں نے کوئی انتظامی ذمہ داری سنبھا
انگریزی زبان پر انہیں جو دسترس حاصل تھی وہ اس خط سے ظاہر ہے جو انہوں نے لیگل فر
آرڈر کے سلسلے میں یحییٰ خاں کو لکھا اور جس کا چربہ ان کی کتاب میں شامل ہے۔ مرکزی
میں کوئی کلرک بھی ایسی خوشامدانہ اور بابو مارکہ تحریر کا گناہ گار نہ ہوتا۔

میں نے اس زمانے میں ان دونوں نکات کا ذکر محمود ہارون سے کیا جو یحییٰ خاں کی
میں وزیر خوراک تھے۔ انہوں نے کہا یہ دونوں چیزیں دانستہ طور پر حذف کی گئی ہیں۔ پہلی
یحییٰ خاں کے اصرار پر اور دوسری اس بنا پر کہ اکثریت کی تعداد مقرر کرنے سے کہیں مجیب ا
نہ ہو جائیں اور مشرقی پاکستان میں یہ تحریک شروع نہ ہو جائے کہ آبادی کے تناسب کا فار
اکثریت کی تعداد مقرر کر کے' بے اثر کیا جا رہا ہے۔

الیکشن ہوئے' حکومت نے ہزار کوشش کی اس کی مداخلت بے کار ثابت ہوئی
پاکستان میں عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی عوام کی کامیاب ترجمان بن کر
آئی۔ مجیب کی سو فیصد کامیابی میں اگر کسی کمی کا امکان تھا بھی تو الیکشن سے پہلے سیلاب
میں یحییٰ خاں کی حکومت کی بدعملی سے وہ ختم ہو گیا۔ انتخابات کے نتائج کا اعلان ہوا
مسرت کی لہر دوڑ گئی' یحییٰ خاں کی بدکرداری اور بدنیتی کے باوجود ملک بھر میں انتخا
جانبدارانہ قرار دیئے گئے۔ دنیا والوں نے یہ سمجھا کہ پاکستان اب ترقی و کامرانی کی
گامزن ہو گا۔ جمہوریت کے لئے دو بڑی پارٹیوں کا ہونا ضروری ہے اور عام انتخابات
کی وجہ سے پاکستان میں دو عوامی پارٹیاں قائم ہو گئی تھیں مگر یہ صورت حال یحییٰ خاں کو
قبول نہ تھی' وہ تو عمر بھر کے لئے صدر رہنا چاہتے تھے اور فوج کے کمانڈر ان چیف بھی۔
مجھے یاد ہے کہ اقتدار غصب کرنے کے بعد جب وہ سرکاری افسروں کی پہلی میٹ

اب کرنے آئے تو قدرے گھبرائے ہوئے تھے۔ کرسی پر بیٹھے تو پیچھے کی طرف لڑھک گئے'
یشانی میں سگریٹ سلگانے لگے اور بولے "میرے سر پر تین ٹوپیاں ہیں تین۔۔ ایک' دو' تین
رکی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی اور کمانڈر ان چیف کی' مگر جو ٹوپی مجھے پسند ہے وہ کمانڈر
یف کی ہے۔"

انتخابات کے نتائج کا اعلان ہوتے ہی یحییٰ خاں اتنے غصیلے ہو گئے کہ ان کے ساتھی پاگلوں
طرح مارے مارے پھرتے رہے' کوئی کہتا "الیکشن بے ضابطہ قرار دیئے جائیں۔" کوئی کہتا۔"
ب سازش ہے' ہمیں صحیح حالات سے بے خبر رکھا گیا ہے۔"

اڑتالیس گھنٹے کے بعد یحییٰ خاں سطح پر ابھرے کامیاب امیدواروں کو مبارک باد کا پیغام بھیجا
یہ توقع بھی ظاہر کی کہ وہ اپنی نمائندہ حیثیت کو ملک اور قوم کی بہبود اور استحکام کے لئے وقف
ریں گے۔ وہ مکروفن کے بادشاہ تھے' انہوں نے دو دن کی سوچ بچار کے بعد ایک نیا منصوبہ بنا لیا
اب انہیں تھوڑا سا وقت چاہئے تھا۔ یہ وقت حاصل کرنے کے لئے انہوں نے لیگل فرم ورک
رڈر کے پہلے سقم سے فائدہ اٹھایا۔ منتخب نمائندے بیٹھے ہیں اور یحییٰ خاں آئین ساز اسمبلی کا
لاس بلانے میں پس و پیش کر رہے ہیں۔

انتخابات کے بعد یحییٰ خاں کا آئینی رول بالکل واضح تھا' ان کا فرض تھا کہ وہ اسمبلی کا اجلاس
تے اور قومی نمائندوں کو 120 دن کے اندر آزادانہ بحث کرنے اور آئین بنانے کی آزادی
یتے مگر انہوں نے تکونی مشاورت کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا۔ ڈھاکے گئے اور مجیب
ستقبل کا وزیر اعظم نامزد کر آئے' وہاں سے سیدھے لاڑکانے پہنچے اور سارے ملک میں بے
ینانی اور بدگمانی اور ریشہ دوانی کے عفریت چھوڑ دیئے۔ ان دنوں ورلڈ بنک کے ایک فرانسیسی
ا افسر مجھ سے ملنے آئے۔

وہ ڈھاکہ سے آ رہے تھے اور مجیب الرحمٰن سے بھی ان کی ملاقات ہوئی تھی' ساری شام وہ
لف طریقوں سے یہی بات دہراتے رہے کہ یحییٰ خاں کو قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے پر قانونی
ظ نظر سے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے پوچھا مجیب سے ان کی ملاقات کیسی رہی؟ کہنے لگے۔"
یشان بھی تھا اور ہنس بھی رہا تھا' کہتا تھا یہ پاکستان ہے امریکہ نہیں کہ انتخاب میں جو کامیاب ہو وہ
ومت بنائے' ابھی دیکھئے کیا کچھ ہوتا ہے۔"

اس عرصے میں یحییٰ خاں نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے نمائندوں میں ہر طرح کی غلط فہمیاں پیدا کیں' مغربی پاکستان کے نمائندوں سے کہتے مجیب اس ملک کو ختم کرنے پر تلا ہوا ہے۔ مجیب کو پیغام بھیجتے۔ "ذرا صبر کرو تم جو چاہتے ہو اس سے زیادہ مل جائے گا۔" مجیب سے اسمبلی بلانے کی ایک تاریخ طے کرتے' مغربی پاکستان والوں سے دوسری تاریخ ان کے کارندے مشرقی پاکستان میں اکا دکا فسادات کرانے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ مشرقی پاکستان میں جیسے آگ لگ گئی۔ مغربی پاکستان اور بہار کے جو لوگ سالہا سال سے مشرقی پاکستان میں رہتے تھے' گھر بار چھوڑ کر بھاگے ہر طرف قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ انتظامیہ کو مجیب الرحمٰن نے مفلوج کر دیا تھا۔ یحییٰ سمجھ رہے تھے کہ ان کا منصوبہ کامیاب ہو رہا ہے اور سرحد پار صیاد مطمئن تھا کہ انتخابات کی مدد سے مغربی اور مشرقی پاکستان میں جس دائمی اشتراک کے مواقع پیدا ہو گئے تھے' وہ جاتے رہے۔ مجیب الرحمٰن اب اس حیثیت میں تھا کہ پاکستان کا آئین اس کی مرضی کے بغیر بن ہی نہ سکتا تھا۔ اب یا تو آئینی علیحدگی ہو گی یا جبری' چت بھی میری ہے پٹ بھی میری ہے۔

25 مارچ 1971ء کو جب یحییٰ خاں نے اپنے انتظامات مکمل کر لئے' تو انہوں نے سیاست دانوں کو ایک جہاز میں بھر کر کراچی بھجوا دیا اور خود احکامات دینے کے فوراً بعد چوروں کی طرح بھیس بدل کر ڈھاکے سے مفرور ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے پھر ادھر کا رخ نہ کیا' انہیں اپنی جان اتنی عزیز تھی کہ ہزاروں جانیں تلف ہو جانے کے باوجود انہیں یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ مشرقی پاکستان جا کر یہ دیکھتے کہ آخر کیا ہو رہا ہے۔ وہ مشرقی پاکستان کی زیر نگیں رکھنا یا جبری طور پر ختم کر دینا چاہتے تھے۔

مجیب الرحمٰن گرفتار کر لئے گئے' جانے کس مصلحت کی بنا پر انہیں بڑے پر اسرار طریقے سے مغربی پاکستان لایا گیا نہ انہیں غداری کی سزا دی گئی نہ کوئی سیاسی مصالحت ہی کی کوشش کی گئی۔ دس مہینے تک پاکستان میں مسلمانوں کا خون بہتا رہا' دس مہینے تک ہر اسلامی حکم کی توہین ہوتی رہی' بچیاں بکتی رہیں' بیٹیاں تباہ ہوتی رہیں' مائیں روتی رہیں' دنیا پھر چلا اٹھی' مگر یحییٰ خاں نے تباہی کا جو راستہ اختیار کیا تھا اس پر گامزن رہے۔ جب ہندوستان کو یقین ہو گیا کہ اب اس کی جارحانہ مداخلت فیصلہ کن ثابت ہو گی تو اس نے مشرقی پاکستان پر بھرپور حملہ کر دیا۔ جس وقت پاکستان کا سرتن سے جدا ہو رہا تھا یحییٰ خاں نے اعلان کیا "لوکل کمانڈروں نے آپس میں یہ طے کیا ہے کہ ہندوستانی فوجوں کو ڈھاکے میں داخل ہونے دیا جائے۔"

یہ جملے سنتے ہی میرے بدن میں آگ لگ گئی۔ کیا کوئی انسان اس قدر بے حس ظالم اور خود ہو سکتا ہے کہ ہزاروں نوجوان ایک سفاک دشمن کے پاؤں تلے روندے جا رہے ہوں اور وہ یہ سب کچھ ایک مقامی سمجھوتے کے مطابق ہو رہا ہے۔

یحییٰ خاں اپنا کام کر گئے ملک کا ایک حصہ دشمن کے قبضے میں چلا گیا' برصغیر کی تاریخ میں ایک تحریک نے اسلام کی سربلندی کے لئے جس مملکت کی تعمیر کی تھی وہ مملکت سازش اور غداری ار ہو گئی۔ تاریخ نے کروٹ بدلی اور چوبیس برس میں جو عمارت بنی تھی وہ راکھ ہو کر اس کے تلے دب گئی۔

مجیب الرحمٰن بھی اپنا کام کر گئے' ہندوستان کی غلامی ہی میں سہی بنگلہ دیش نے آزادی تو ل کر لی۔ وہ راولپنڈی سے رہا ہوئے' تو پہلے فاتح کو خراج پیش کرنے دلی حاضر ہوئے۔ پہنچتے ہی انہوں نے لاکھوں انسانوں کے سامنے یہ اقبال کیا کہ میں کئی سال سے بنگلہ دیش کو آزاد مملکت بنانے کی کوشش کر رہا تھا' آج میری کوشش کامیاب ہوئی۔

"آزادی" ملی تو مشرقی پاکستان کے رہنے والوں پر یہ کھلا کہ ان کے ساتھ کیا ظلم ہوا ہے ی تباہ کاریوں سے جو کچھ بچا تھا وہ ہندوستانی اٹھا کر لئے گئے۔ معیشت پر مارواڑیوں کا قبضہ ا۔ سارا نظام ہندوستان کے اشاروں پر چلنے لگا بنگالی مسلمانوں کی وہ صد سالہ جدوجہد جو ۱۹ میں تکمیل پذیر ہوئی تھی سب کی سب رائیگاں گئی۔ وہ جنگ جو مغربی پاکستان کے خلاف ی کے نام پر لڑی گئی تھی ہمیشہ کے لئے ہندوستان کی غلامی کی صورت اختیار کر گئی۔ بنگلہ بندھو پہلے پاکستان سے غداری کی اور پھر ان لوگوں سے جن کی محبت کا تذکرہ کرتے وہ نہ تھکتے

.....

ہندوستان کے اشارے پر انہوں نے آزادی' جمہوریت اور عدل و انصاف کا ادارہ مسمار کیا ی اقتدار کو ذاتی جاگیر بنا لیا۔ اور پھر وہ دن آیا کہ ایک فوجی گروہ نے بنگلہ بندھو کے گھر کا ہ کر لیا اور جب وہ انہیں تنبیہ کرنے کے لئے گھر سے باہر نکلے تو انہیں سیڑھیوں ہی پر ڈھیر کر یا۔ ان کی پھٹی پھٹی آنکھیں انتہائی کرب اور حیرت سے آسمان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

پاکستان دولخت ہو گیا۔

مشرقی پاکستان ہندوستان کی غلامی میں چلا گیا۔

دو غدار اپنے منصوبوں کو عملی شکل دینے میں کامیاب ہو گئے اور اسلام اور پاکستان کے نام ی خوش فہمیوں' باہمی رفاقتوں اور اقتدار کے جھمیلوں میں پڑے رہے۔

علیحدگی کے اسباب کیا تھے؟

نواب زادہ نصراللہ خان کارزار سیاست میں اپنی ایک الگ اور ممتاز شناخت رکھتے ہیں ا
کے نظریات سے بحث مقصود نہیں لیکن اس ضمن میں دو آراء نہیں پائی جاتیں کہ وہ ایک محب وط
سیاستدان ہیں اور پاکستانی سیاست میں آج تک اپنے بے داغ ماضی کے ساتھ موجود ہیں مشر
پاکستان کی علیحدگی کا سانحہ نواب زادہ نصراللہ خان کے لئے اتنا ہی تکلیف دہ تھا جتنا کہ عام پاکستا
کے لئے ہوسکتا ہے اس سانحے پر موصوف نے اپنے ایک انٹرویو میں تفصیلی روشنی ڈالی
انٹرویو ''اسلامی جمہوریہ'' میں شائع ہوا تھا جس کی تلخیص پیش کی جارہی ہے ملاحظہ کیجئے بزرگ
اور باضمیر سیاستدان نواب زادہ نصراللہ خان نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا کیا تجزیہ فرمایا ہے۔

چونکہ کہا جاتا ہے کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی اصل داستان 1965ء کی جنگ سے شرو
ہوتی ہے لہذا میں آسانی کی خاطر اسی مقام سے یہ روداد شروع کرتا ہوں۔

5 ستمبر 1965ء کو راولپنڈی میں چوہدری غلام عباس کی اقامت گاہ پر آل پارٹیز کشمیر کمیٹ
اجلاس ہوا اس میں مولانا مودودی، چوہدری محمد علی، سردار شوکت حیات اور میں شریک تھے ان دنو
کشمیر کے محاذ پر جنگ جاری تھی چھمب اور جوڑیاں فتح ہو چکے تھے اور ہماری افواج اکھنور کی طر
پیش قدمی کررہی تھیں چوہدری غلام عباس اس صورت حال پر بے حد خوش تھے ہمارے استفسار
چوہدری غلام عباس نے بتایا کہ وہ ابھی صدر ایوب سے مل کر آئے ہیں صدر نے ہمیں بتایا ہے
انہیں امریکہ کی طرف سے یقین دہانی ملی ہے کہ بین الاقوامی سرحدوں کا احترام کیا جائے گا بعد م
معلوم ہوا کہ صدر کو یقین دہانی وزارت خارجہ نے کرائی تھی اس وقت جناب بھٹو وزیر خارجہ تھے۔

5 اور 6 ستمبر کی درمیانی رات معلوم ہوا بھارت نے پاکستان پر حملہ کردیا ہے اسی شام حز
اختلاف کے نمائندوں سے ایوب خان نے ملاقات کی انہیں حزب اختلاف کی جانب سے مکمل
تعاون کا یقین دلایا گیا۔

گورنر مشرقی پاکستان عبدالمنعم خان نے ایسی ہی میٹنگ ڈھاکہ میں طلب کی اور حز

ے رہنماؤں سے تعاون کی درخواست کی مجیب الرحمان نے منعم خان سے کہا کہ جنگ کی
مواصلات منقطع ہونے کا فائدہ اٹھائیں اور مشرقی پاکستان کی خودمختاری کا اعلان کردیں
رت میں انہیں منعم خان کی صدارت پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ شیخ
ے ان دنوں کیا ارادے تھے۔

حزب اختلاف کے رہنماؤں کا کہنا ہے کہ ایوب کے اعصاب جواب دے چکے تھے انہوں
ز احمد سے کہا کہ ان قائدین کو جنگ کی صورت حال سے آگاہ کریں انہیں بتایا گیا کہ
اپنے محدود وسائل کے پیش نظر اور گولہ بارود کے ذخائر قریب الاختتام ہونے کی وجہ سے
یادہ عرصہ تک جاری نہیں رکھ سکتا۔

کچھ عرصہ بعد وزیراعظم روس کوسگین نے صدر ایوب اور بھارتی وزیراعظم لال بہادر
کو تاشقند آنے کی دعوت دی کہ وہاں تصفیہ طلب امور پر مذاکرات کئے جائیں تاشقند
کے آغاز میں جو اطلاعات یہاں آتی رہیں ان سے اندازہ ہوتا تھا کہ مذاکرات کامیاب
ر رہے ہیں اور پاکستان وفد غیر منصفانہ تجاویز قبول کرنے کے بجائے ناکام لوٹنا زیادہ
سمجھتا تھا لیکن اچانک خبر آئی کہ فریقین ایک مشترکہ اعلان پر رضامند ہو گئے ہیں اس اعلان
ہادر شاستری بجا طور پر بے حد خوش ہوئے یہی خوشی ان کی موت کا سبب بنی یعنی یہ بات
کہ ہم کشمیر سمیت اپنے تمام تنازعات براہ راست مذاکرات کے ذریعے طے کریں گے۔
زب اختلاف کے رہنماؤں نے طے کیا کہ اعلان تاشقند کی مخالفت کی جائے چنانچہ اکثر
یں جلوس نکالے گئے۔

یں ڈھاکہ گیا اور سیاسی رہنماؤں سے الگ الگ ملاقاتیں کیں اکثر ساتھی تذبذب میں
ب الرحمان کا رویہ مخالفانہ تھا وہ کوئی ایسا اقدام نہیں کرنا چاہتے تھے جس سے بھارت کے
ہونے کا خطرہ ہو مسز اندرا گاندھی کے وزیراعظم بننے پر سب سے پہلے مجیب الرحمان نے
باد کا تار بھیجا مانک میاں ''اتفاق'' (بنگالی زبان کا سب سے زیادہ چھپنے والا اخبار) کے
ے ان کے مجبور کرنے پر شیخ مجیب لاہور آئے اور تاشقند کے موضوع پر نیشنل کانفرنس میں
نے پر تیار ہو گئے۔

ہور میں یہ پہلی کانفرنس صرف اعلان تاشقند کے نتائج کا تجزیہ کرنے اور قوم کو اس بارے

میں صحیح رہنمائی دینے کے لئے بلائی گئی تھی لیکن مجیب الرحمان نے سبجیکٹس کمیٹی میں چھ نکاتی پروگرا
پیش کر دیا جس کا بھارتی جارحیت مسئلہ کشمیر یا اعلان تاشقند سے کوئی تعلق نہیں تھا ہم نے ا
پروگرام کو مسترد کر دیا لیکن حکومت نے ٹرسٹ کے اخبارات کے ذریعے اس پروگرام کی خو
خوب تشہیر کی۔

ایوب خان کے کوتاہ اندیش مشیروں نے حزب اختلاف کی صفوں میں انتشار ثابت کر
کے لئے چھ نکاتی پروگرام کو مسلسل ہوا دی۔

نیشنل کانفرنس سے فراغت کے بعد مجھے ڈی پی آر کے تحت گرفتار کر لیا گیا متعدد اپوزیشن
لیڈر بھی پکڑے گئے۔

میری اسیری کے دوران مشرقی پاکستان میں سیاسی صورت حال بالکل مختلف ہو گئی
حکومت نے چھ نکاتی پروگرام کو ہوا دی اس کے بعد وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے پلٹن میدا
ڈھاکہ میں شیخ مجیب الرحمان کو مناظرے کا چیلنج دے دیا اس سے مجیب کی سیاسی اہمیت مز
پاکستان کے عوام پر واضح ہوتی چلی گئی وہ سمجھنے لگے مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان انتہا
ناہمواری دور کرنے کا پروگرام کسی بنگالی رہنما کے پاس ہے تو وہ تنہا شیخ مجیب الرحمان ہیں بعد
مجیب کے خلاف ڈی پی آر کے تحت متعدد مقدمات قائم کئے گئے عدالت انہیں ضمانت پر را
دیتی تو ان کا بہت بڑا جلوس نکالا جاتا پھر کسی اور شہر میں عدالت میں پیش ہوتے رہائی پر جل
نکلواتے اسی طرح مجیب کا امیج......اجاگر کیا گیا۔

ایک مرتبہ ان پر اگرتلہ سازش کیس کا الزام لگا ان کے علاوہ کچھ ساتھیوں اور فوجی افسرا
بھی گرفتار کر لیا گیا اس انکشاف پر شروع میں مجیب الرحمان کے خلاف ردعمل ہوا کچھ دنوں کے
ان لوگوں کے عدالتی بیانات بڑی تفصیل سے اخبارات میں چھپنا شروع ہوئے ان میں مش
پاکستان کے سیاسی اور اقتصادی محرومیوں کا بڑی تفصیل سے ذکر ہوتا اس پر مشرقی پاکستان کے
نے محسوس کیا کہ مجیب الرحمان کو اس لئے مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا ہے کہ وہ م
پاکستان کی سیاسی محرومیوں اور اقتصادی ناہمواریوں کے خلاف آواز بلند کرتا ہے تھوڑ
عرصے میں مجیب نے وہاں کی اکثریت کے لئے قومی ہیرو کا مقام حاصل کر لیا۔

مغربی پاکستان کے لیڈروں کو ساتھ لے کر میں مشرقی پاکستان گیا اور ۳۰ اپریل ۱۹۶۷

تون کا اشتراک معرض وجود میں آیا۔ یہ پانچ جماعتیں تھیں: مسلم لیگ جماعت اسلامی
م آٹھ نکاتی عوامی لیگ نیشنل ڈیموکریٹک فرنٹ اس کا نام پاکستان تحریک جمہوریت (پی
رکھا گیا۔

ہور میں چوہدری محمد علی صاحب کی اقامت گاہ پر تحریک جمہوریت کے انتخابات منعقد
ے پہلے میں نے بھٹو صاحب سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی معلوم ہوا کہ کراچی سے
ا چکے ہیں۔ لاڑکانہ میں ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے کہا وہ ذہنی طور پر بے حد
ں۔ انہیں ڈپٹی کمشنر کی طرف اسلحہ واپس کرنے کا نوٹس مل چکا ہے دوستوں عزیزوں کے
رمات قائم کئے جا رہے ہیں۔ اس لئے وہ اس قسم کے مذاکرات میں حصہ لینے کے قابل

ریک کے عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا مجھے تنظیم کا صدر مسٹر محمود علی قصوری کو جنرل
واجہ خیر الدین اور مولوی فرید احمد کو نائب صدر اور ایم انور کو خزانچی منتخب کیا گیا۔
196 ء سے 1969ء (راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے انعقاد تک) تحریک کے رہنماؤں میں
دریک زبانی کی صورت کار فرما رہی۔

ا دوران ایوب خان پر دل کا دورہ پڑا ان کی بیماری کو چھپانے کی کوشش کی گئی۔ ملک کے
ں میں یہ سوال بڑی شدت سے ابھر رہا تھا کہ ایوب خان کے بعد جو خلا پیدا ہو گا اسے
تحت کیسے پر کیا جائے گا۔ دوسری جانب جنرل یحییٰ خان نے ایوب خان کی مثال سامنے
یچ کو میں اپنے ہم خیال جرنیلوں مثلاً جنرل حمید جنرل گل حسن، جنرل پیرزادہ، جنرل غلام
کیا۔ وہ سمجھتے تھے ایوب خان کے بعد کرسی اقتدار پر مسلط ہونے کا حق انہیں ہی ملنا

لوم ہوا کہ جس روز ایوب خان بیمار ہوئے جنرل یحییٰ خان نے اپنا بستر ایوان صدر میں لگوا

ب خان شفایاب ہو گئے تو ان طالع آزما جرنیلوں نے خود برسر اقتدار آنے کی سازشیں
یں اس کے لئے انہوں نے بعض سیاسی رہنماؤں سے بھی رابطہ قائم کیا اور اپنا آلہ کار بنا

ہر طبقے میں بے چینی انتہا کو پہنچ چکی تھی حکومتی جبر اور عوامی صبر میں ایک عرصے سے مقابلہ
جاری تھا اور 1967ء میں ریلوے مزدوروں نے ہڑتال کی تو طاقت کے اندھے استعمال سے اسے
کچل دیا گیا۔ فروری کے مہینے میں عید تھی۔ کسی نے صدر کو اس وہم میں مبتلا کر دیا کہ عید کی نماز جمعہ
پڑھی جائے تو مملکت کے سربراہ پر بھاری ہوتی ہے۔ وہ تل گئے کہ عید جمعرات کو ہو چاند نظر نہ آ
لیکن رات تین بجے اعلان کر دیا گیا کہ صبح عید ہوگی علماء نے مزاحمت کی اس پر مساجد میں خطبا
رسواء کیا گیا۔ چند ہفتے بعد پانچ علماء کو گرفتار کر لیا گیا ان میں مولانا مودودی مولانا احتشام الح
تھانوی' مولانا اظہر حسن زیدی مولانا غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمد حسین نعیمی شامل تھے اپر
1968ء میں ''چٹان'' کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا گیا اور پریس ضبط شورش کاشمیری گرفتار کر
گئے۔ عوام میں خاندان منصوبہ بندی اور عائلی قوانین کے خلاف سخت احتجاج ہو رہا تھا۔

اس موقع پر ذوالفقار علی بھٹو جو وزارت سے علیحدگی کے بعد لاہور میں اسٹیشن پر عوا
استقبال کا جواب صرف آنسو بہا کر دے سکے تھے جو حکومت کے کہنے پر کچھ عرصے کے لئے ملک
سے باہر بھی چلے گئے تھے اور حزب اختلاف کی مشترکہ جدوجہد میں مسلسل وعدوں کے باو
شامل ہونے پر آمادہ نہیں ہوئے تھے یک لخت سیاسی میدان میں وارد ہوئے بھٹو صاحب
مغربی پاکستان میں ہنگامہ آرائی کی سیاست کا آغاز کر دیا۔ مشرقی پاکستان میں مولانا بھاشانی
بعض فوجی جرنیلوں کے کہنے پر گھیراؤ جلاؤ کا بازار گرم کر دیا وہاں ہزاروں مردوں عورتوں کا قتل
کیا گیا معصوم بچوں کو آگ کے شعلوں میں جھونک دیا جاتا اور بھاشانی کے چیلے چانٹے یہ منظر د
کر شیطانی رقص کرتے۔ وسط نومبر میں بھٹو صاحب گرفتار کر لئے گئے 17 نومبر کو ریٹائرڈ ائر مار
اصغر خان بھی میدان سیاست میں آ گئے۔

تحریک جمہوریت کے رہنما اصغر خان کے بیانات کو اپنے مقاصد سے ہم آہنگ سمجھتے ت
ان کا سیاسی رویہ بھٹو صاحب کے برعکس متین اور سنجیدہ تھا تحریک جمہوریت نے فراخدلی سے
ضلعی تنظیموں کو ہدایت کی کہ وہ اصغر خان صاحب کے لئے جلسوں کا اہتمام کریں۔

تحریک جمہوریت کے رہنماؤں نے محسوس کیا کہ سیاسی جماعتوں کے اس اتحاد کو
وسعت دی جائے اور اب تک جو سیاسی عناصر اس میں شامل نہیں ہوئے انہیں بھی شامل کیا جا
اس مقصد کے لئے نیپ' شیخ مجیب کی چھ نکاتی عوامی لیگ اور جمعیت العلمائے اسلام کے

یں مذاکرات کئے گئے دو نکات پر ان جماعتوں کے ساتھ اتفاق رائے عمل میں آیا یہ دو
تھے۔ وفاقی پرلیمانی نظام کا قیام اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست انتخابات نئی تنظیم کا
دری مجلس عمل ڈیموکریٹک ایکشن کمیٹی ڈی اے سی رکھا گیا مجھے جمہوری مجلس عمل کا کنوینر
ا۔

جمہوری مجلس عمل کے زیر اہتمام ملک کے اکثر مقامات پر عظیم الشان جلوس نکلے لاہور کے
جلسوں کی قیادت جمہوری مجلس عمل کی مرکزی قیادت کے ارکان کرتے پیپلز پارٹی اور
بازو سے تعلق رکھنے والے عناصر نے ان جلوسوں میں اشتعال دلانے کی انتہائی کوشش کی۔
جنرل یحییٰ خان اور بائیں بازو کے عناصر ملک میں اتنی افراتفری پیدا کرنا چاہتے تھے کہ
خان کے لئے حکومت چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہے اور عوام کو یقین ہو جائے کہ
ے سوا ملک کو تباہی اور انارکی سے کوئی نہیں بچا سکتا اور یوں وہ یحییٰ خان کی مارشل لاء حکومت کو
ر لیں۔

اس طرح ایک بار پیپلز پارٹی کے مٹھی بھر غنڈے جو بقول آغا شورش کاشمیری مرحوم پستولوں
توں سے مسلح تھے ہمارے جلوس میں شامل ہو گئے ان کا پروگرام تھا کہ جلوس میں ''سودا بازی
چلے گی'' کے نعرے بلند کریں گے تا کہ لوگ تاثر لیں کہ جمہوری مجلس عمل کے قائدین ایوب
سے سودا بازی کرنا چاہتے ہیں۔

انہی دنوں مولانا بھاشانی لاہور آئے اس سے پہلے وہ مشرقی پاکستان میں گھیراؤ جلاؤ کا وسیع
نے پر اہتمام کر چکے تھے لاہور ائیر پورٹ پر اترتے ہی انہوں نے استقبال کے لئے آئے
ے بائیں بازو کے کارکنوں سے پوچھا کیا گلبرگ کی کوٹھیاں ابھی تک محفوظ ہیں؟ انہیں آگ
لگی؟۔

ایوب خان کے اعصاب جواب دے گئے انہوں نے یکم فروری کو اپنے نشری خطاب میں
نا کیا کہ ذمہ دار سیاسی جماعتوں کو بات چیت کے لئے مدعو کریں گے مجلس عمل کے کنوینر کی
ت سے مجھے دعوت نامہ پہنچا دیا گیا۔

نیشنل عوامی پارٹی ان دنوں دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی عرف عام میں ایک حصے کو پیکنگ
کہا جاتا جس کے قائد مولانا بھاشانی تھے اور دوسرے حصے کو ماسکو نواز جس کی قیادت خان

عبدالولی خان کرتے تھے۔ عبدالولی خان کی پارٹی جمہوری مجلس عمل میں شامل تھی۔ مولانا بھاشانی
کی نیپ اور ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی اس تنظیم سے باہر اپنا وجود الگ سے قائم کئے ہو
تھیں۔ میں نے قیام ڈھاکہ کے دوران مولانا بھاشانی سے بھی رابطہ قائم کیا انہیں گول میز کانفر
میں شرکت کے لئے کہا مولانا بھاشانی نے کانفرنس میں شرکت سے معذوری کا اظہار کیا۔

شیخ مجیب الرحمٰن کی خواہش کے مطابق میں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ڈی پی آر کے تحت
نظر بند تمام افراد کو رہا کیا جائے تا کہ وہ جمہوری مجلس عمل کے آئندہ اجلاس میں شرکت کر سکیں
نتیجے میں ذوالفقار علی بھٹو عبدالوالی خان اجمل خٹک رسول بخش تالپور اور دوسرے سیاسی نظر بند
کر دیئے گئے۔ بھٹو صاحب نے رہائی کے کچھ روز بعد مجھے بذریعہ تار اپنے غیر مشروط تعاون
یقین دلایا۔

میں نے ائیر مارشل اصغر خان ذوالفقار علی بھٹو اور جسٹس مرشد کے نام دعوت نامے بھیجے
تجویز پیش کی میرے اصرار پر ایوب نے رضا مندی کا اظہار کر دیا ان حضرات کو بھی گول میز
کانفرنس میں شرکت کی باقاعدہ دعوت دی گئی۔

انہی دنوں بھٹو صاحب نے کراچی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کیا لوگوں نے پوچھا کہ
گول میز کانفرنس میں شرکت کر رہے ہیں یا نہیں۔ انہوں نے جواب دیا میں لاہور جلسہ عام کر
وہاں کے لوگوں سے مشورے کے بعد شرکت یا عدم شرکت کا اعلان کروں گا۔ اس کے بعد لاہو
میں جلسہ کیا۔ لوگوں سے پوچھا شرکت کروں یا نہیں؟ انہوں نے بیک زبان کہا کہ ضرور شریک
ہوں۔ اس پر بھٹو صاحب کہنے لگے مجھے ابھی راولپنڈی اور پشاور کے لوگوں سے اس مسئلے کے
بارے میں پوچھنا ہے۔''

چھ نکاتی عوامی لیگ کے دو نمائندوں نے کہا کہ ہمیں کم از کم یہ مطالبہ تو ضرور کرنا چاہئے کہ شیخ
مجیب گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے پیرول پر رہا کئے جائیں۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی
جب میاں ممتاز دولتانہ نے کہا کہ ہمیں شیخ مجیب الرحمٰن کی غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کرنا چاہئے اور
ان کی غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کرنا چاہئے اور ان کی عدم شرکت کی صورت میں ہمیں بھی کانفرنس
میں شریک نہیں ہونا چاہئے میں نے کہا اکیلے شیخ مجیب کے لئے بارہ کروڑ عوام کے حقوق کی بحالی کو
معرض التواء میں ڈالا جاتا ہے تو یہ بات ہر اعتبار سے غلط ہوگی۔ چوہدری محمد علی اور مولانا مودودی

تائید کی ہم نے 16 فروری کو صدر ایوب خان کو جمہوری مجلس عمل کی طرف سے ان کی
کرنے اور اپنے مندوبین کی اطلاع بھجوادی۔

ر ایوب کو صورت حال کا علم ہوا تو اپنی مرضی اور منشا کے خلاف مجیب الرحمٰن کو پیرول پر رہا
حکم دیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے ایوب خان کے قریبی حلقوں اور جمہوری مجلس عمل کے بعض
وجہ سے پیرول پر رہائی سے انکار کر دیا۔ اب مجیب کی طرف سے مکمل رہائی اور اگرتلہ
ں واپس لینے کا مطالبہ ہونے لگا۔

ب کے اس رویئے سے ہمیں اور زیادہ مشکلات نے گھیر لیا ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت
نے شدت سے اصرار شروع کر دیا کہ ہمیں مجیب کی غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کرنا چاہئے
لس عمل کے اکثر رہنماؤں نے دولتانہ صاحب کو سمجھانے کی کوشش کی مگر ان پر کوئی اثر نہ
کے نمائندے خان عبدالولی خان اور پروفیسر مظفر احمد بھی دولتانہ کے ہم نوا تھے مفتی محمود
نے بھی دولتانہ کی تائید کی۔

ب خان کو اس وقت تک معلوم ہو چکا تھا کہ جنرل یحییٰ خان گول میز کانفرنس کی ناکامی کی
ں خود اقتدار پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔

ی ایام میں ایک رات بارہ بجے کے قریب ایوان صدر سے ایک صاحب مجھے ملنے آئے
نے بتایا کہ تینوں دفاعی افواج کے سربراہ جنرل یحییٰ خان ایڈمرل احسن اور ائر مارشل نور
ن صدر میں اکٹھے ہوئے صدر ایوب نے انہیں ملک میں امن عامہ کی صورت حال سے
اور خواہش ظاہر کی کہ جن شہروں میں امن عامہ کی صورت حال بہت زیادہ بگڑ چکی ہے
ی طور مارشل لاء لگا دیا جائے جنرل یحییٰ خان نے یہ تجویز ماننے سے انکار کر دیا۔ یحییٰ
کہا پورے ملک میں مارشل لاء لگایا جائے تو وہ تیار ہیں۔

یٰ خان کی اس تجویز کا مفہوم واضح تھا وہ چاہتے تھے کہ اقتدار انہیں منتقل کر دیا جائے انہی
نے مجھے صدر ایوب کا پیغام دیا کہ اس صورت حال کے پیش نظر میں کوشش کروں کہ کسی
کانفرنس کامیاب ہوتا کہ یحییٰ خان اپنے عزائم کامیاب کرنے میں کامیاب نہ ہوں۔

صدر ایوب نے کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے مجیب کی رہائی کا فیصلہ کر لیا۔ اور اگرتلہ
ما واپس لے لیا۔

چوہدری محمد علی کے مشورے کے مطابق 21 فروری کو صدر ایوب خان نے اعلان کیا
آئندہ صدارتی انتخاب میں امیدوار نہیں ہوں گے بھٹو صاحب نے اسی دن کراچی سے مجھے
جس میں انہوں نے اپنی اور اپنی پارٹی کی جانب سے مخلصانہ تعاون کی یقین دہائی کرائی 22 فر
کو اگرتلہ کیس واپس ہو گیا شیخ مجیب اور دوسرے ملزم رہا ہو گئے۔

ذوالفقار علی بھٹو مجیب سے ملنے ڈھاکہ پہنچے انہیں کے ساتھ لاہور تک آئے ملک
جیلانی لاہور کے ہوائی اڈے پر ان کے استقبال کے لئے موجود تھے وہ انہیں اپنے گھر لے
وہاں ممتاز دولتانہ اور شوکت حیات نے ان سے ملاقات کی۔

مجیب راولپنڈی پہنچے اور جمہوری مجلس عمل کے اجلاس میں شرکت کی۔

مجیب نے اصرار کیا کہ چھ نکاتی پروگرام منظور کیا جائے ہم تیار نہ تھے۔ فیصلہ ہوا کہ
فروری کو گول میز کانفرنس میں شریک ہو کر بقر عید کے عذر پر التوا مانگیں، پھر نئی تاریخ سے چا
روز پہلے لاہور میں اکٹھے ہوں اور کوئی لائحہ عمل تیار کریں۔

چھ مارچ کے اجلاس کے لئے قائدین لاہور میں جمع ہوئے شیخ مجیب اب کے شاہانہ
کے ساتھ وارد ہوئے چالیس مشیروں کی فوج ان کے ساتھ تھی شیخ مجیب نے چھ نکاتی پروگر
منظوری کے علاوہ دارالحکومت کی ڈھاکہ منتقلی ڈھاکہ میں تینوں دفاعی افواج کے ہیڈ کوارٹر
قیام ون یونٹ کے خاتمے اور مشرقی پاکستان و مغربی پاکستان کے درمیان مساوی نیابت کے ا
کے خاتمے کی تجاویز پیش کیں نیشنل عوامی پارٹی کے مشرقی پاکستان مندوب پروفیسر مظفر ا
مجیب کی ان تجاویز کی حمایت کی اور ون یونٹ کے خاتمے پر اصرار کیا۔ میں بہر حال اس امر
رہا کہ جمہوری مجلس عمل کے دو متفقہ مطالبات کے سوا کسی اور مسئلے پر ایوب خان سے بات نہ
گی۔ اگر کوئی پارٹی مزید کچھ کہنا چاہتی ہے تو اپنے طور پر کہہ سکتی ہے۔

انہی دنوں یحییٰ خان نے فوجی ہیلی کاپٹر لاہور بھیجا، جس کے ذریعے مجیب یحییٰ سے
پنڈی گئے یحییٰ خان نے مجیب کو انتباہ کرنے کی بجائے کہا کہ آپ جو مطالبات بھی مناسب
کانفرنس میں پیش کریں فوج ان سیاسی معاملات میں قطعاً غیر جانبدار ہے اس سے مجیب ال
اور زیادہ شہ ملی۔

دولتانہ اور دوسرے سیاسی عناصر کے اصرار پر غیر مشروط رہائی نے مجیب کو مشرقی پا

ی ہیرو بنا دیا تھا۔

دس مارچ کو گول میز کانفرنس کا اجلاس ہوا صدر ایوب نے ابتدائی تقریر کی میں نے جمہوری
عمل کے کنوینر کی حیثیت میں دو متفقہ نکات پیش کئے شیخ مجیب نے چھ نکاتی پروگرام اور
ے مطالبات کے بارے میں ٹائپ شدہ آٹھ صفحات کی تقریر پڑھی۔

اس پر صدر ایوب نے بڑی مضبوطی سے دوٹوک جواب دیا "میں ایسے کسی معاہدے میں
دار بننے کو تیار نہیں جو پاکستان کو کئی ریاستوں میں تقسیم کر دے میں ان مطالبات کو قطعاً تسلیم
کر سکتا۔"

صدر ایوب نے اعلان کیا کہ وہ جمہوری مجلس عمل کے دونوں مطالبات یعنی براہ راست
ب اور پارلیمانی نظام حکومت تسلیم کرتے ہیں باقی تمام معاملات نئی منتخب ہونے والی خود مختار
لی پر چھوڑ دیئے۔

مجیب نے اس دن ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور شدید ناراضگی کا اظہار کرتے
ئے کہا کہ ان کے مطالبات کو در خور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ میرے بارے میں کہا "آج کے بعد
ے (نواب زادہ نصر اللہ خان کو) مشرقی پاکستان میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

جمہوری مجلس عمل صرف دو مطالبات منوانے کے لئے قائم کی گئی تھی صدر ایوب نے دونوں
طالبات مان لئے تھے میں اس دن جمہوری مجلس عمل کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا ایئر مارشل اصغر
ن نے اسی دن اپنی سیاسی جماعت جسٹس پارٹی قائم کرنے کا اعلان کیا۔

مجیب کانفرنس سے لوٹے تو ڈھاکہ ایئر پورٹ پر بیان دیا کہ حمید الحق چوہدری عبدالسلام اور
دعلی اور مولوی فرید احمد نے میرا ساتھ نہ دے کہ مشرقی پاکستان سے غداری کی ہے۔ مجیب نے
ہدری محمد علی مولانا مودودی اور مجھ پر الزام لگایا کہ ہم نے مشرقی پاکستان کے مطالبات کو سبوتاژ
یا محمود علی ڈھاکہ گئے تو انہیں اغواء کر لیا گیا۔ کئی مشرقی پاکستانی رہنما ڈھاکہ جاتے ہوئے
ہچکچاتے تھے۔ کیونکہ ہوائی اڈے پر انہیں پٹوانے کا انتظام کیا جا رہا تھا مجیب الرحمٰن لاہور میں کئی
دستوں سے کہہ چکے تھے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں نہ کریں تو بھاشانی مشرقی پاکستان کے عوام کو
پنے ساتھ لے جائے گا۔

صدر ایوب نے دونوں صوبوں میں نئے گورنر مقرر کئے مغربی پاکستان میں یوسف ہارون

اور مشرقی پاکستان میں مسٹر شمس الضحیٰ کی تقرری ہوئی گول میز کانفرنس کی کامیابی کا عوام پر خاطر خواہ اثر ہوا لیکن یحییٰ خان بہت پریشان ہوئے انہوں نے اپنی ریشہ دوانیوں میں اضافہ کر دیا ملک میں امن عامہ کی صورت بہتر ہو رہی تھی مگر یحییٰ خان نے اپنے بھائی آغا محمد علی جو اس وقت مغربی پاکستان میں سی آئی ڈی کے انچارج تھے اور ملٹری انٹیلی جنس کے ذریعے صدر ایوب کو مسلسل رپورٹیں بھجوائیں کہ صورتحال پہلے سے زیادہ خراب ہے اور صرف ایک صورت باقی رہ گئی ہے کہ فوج براہ راست میدان میں آ جائے۔

میاں دولتانہ نے بعد میں مجھے ایک واقعہ سنایا کہ جس روز یحییٰ خان نے صدارت کا عہدہ سنبھالا اس روز بھٹو صاحب نے انہیں (دولتانہ کو) کھانے کی دعوت دی ہوئی تھی دولتانہ صاحب اور ان کی بیگم کلفٹن (کراچی) میں بھٹو صاحب کی اقامت گاہ پہنچے تو انہیں بتایا گیا کہ بھٹو صاحب کی طبیعت ناساز ہے اور وہ اپنے بیڈ پر ہیں۔ دولتانہ صاحب ان کی عیادت کے لئے بیڈ روم میں گئے بھٹو صاحب نے انہیں کہا "آپ نے سنا نہیں کہ یحییٰ خان نے صدارت بھی حاصل کر لی ہے۔ اس شخص نے مجھے یقین دلایا تھا کہ وہ ملک کی عام صورت حال کے پیش نظر ایوب خان کو حکومت سے الگ کرنا چاہتا ہے۔ ایوب خان کی علیحدگی کے بعد بھی بدستور ایک سپاہی رہے گا اور مجھے ملک کا صدر بنا دے گا۔"

یحییٰ خان نے اپنی آئینی تجاویز میں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان مساوی نیابت کو ختم کرنے اور مغربی پاکستان میں ون یونٹ کے خاتمے اور نئی مجلس دستور ساز کے انتخابات کرانے کا اعلان کیا۔ اس دستور ساز اسمبلی کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ چار مہینے کے اندر آئین سازی مکمل کرے بصورت دیگر صدر کو اختیار ہوگا کہ وہ اسمبلی کو توڑ کر از سر نو انتخابات کرائیں۔

ان دو طے شدہ مسائل کو ختم کر کے یحییٰ خان نے علاقائی تعصب کے طوفان کے دروازے کھول دیئے۔ علیحدگی پسند عناصر کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ یحییٰ خان کو یقین تھا کہ پندرہ بیس مختلف الخیال سیاسی جماعتوں کے نمائندے تھوڑی تھوڑی تعداد میں منتخب ہو کر اسمبلی میں پہنچیں گے تو افہام و تفہیم کے ساتھ متفقہ دستور بنانے کے قابل نہ رہیں گے۔ چار ماہ کی مقررہ مدت کی اندر آئین نہ بن سکے گا تو وہ اسمبلی ٹوٹنے کی صورت میں رکنیت سے محروم ہونے کے خوف سے یحییٰ خان کا تجویز کردہ آئین کا مسودہ تیار کرنا شروع کر دیا تھا جس میں صدر کے پاس ترکی اور فرانس

ررдوں کی طرح بے پناہ اختیارات رکھے گئے تھے۔

یکم جنوری 1970ء سے سیاسی جماعتوں کو جلسے کرنے کی اجازت ملی۔ میں نے یحییٰ خان البہ کیا کہ انہوں نے ون یونٹ اور مساوی نیابت جیسے طے شدہ آئینی معاملات کو ختم کرنے ر کر دیا ہے تو انہیں صوبائی خودمختاری کی حدود کا تعین بھی کر دینا چاہئے تاکہ انتخابی مہم میں یہ مسئلہ نہ بن جائے۔ اگر یہ مطالبہ کر لیا جاتا تو شیخ مجیب اور دوسرے علیحدگی پسند سیاسی ں کو انتخابات کے دوران مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے چھوٹے صوبوں میں علاقائی ت کو ہوا دینے کا موقع نہ ملتا کونسل مسلم لیگ کے میاں ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات نے بوجوہ ہمارے ان مطالبات کی حمایت نہ کی اور یحییٰ خان نے بھی انہیں درخور اعتنا نہ سمجھا۔

انہی دنوں مولانا بھاشانی نے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں کسان کانفرنس منعقد کی کانفرنس کو کامیاب کے لئے سپیشل ٹرین چلائی گئی۔

بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے افراد خاصی تعداد میں کانفرنس میں شامل ہوئے فیض احمد نے وہاں ایک ملحدانہ نظم پڑھی۔ اس سے پیشتر ایوب خان کے آخری دور میں ملتان اور لاہور آن جلانے کے واقعات ہو چکے تھے۔

پیپلز پارٹی نے اپنے منشور میں مغربی پاکستان کے عوام کو گمراہ کرنے کے لئے ایک طرف ام ہمارا دین ہے" کا نعرہ بلند کیا اور دوسری طرف سوشلزم ہماری معیشت ہے کا اعلان کیا اور رو جہد میں بالواسطہ طور پر بائیں بازو کے عناصر کے ہاتھ مضبوط کئے انتخابی مہم میں انہوں ئینی مسائل سے قطع نظر روٹی کپڑے اور مکان کے نعروں کو اولیت دی بھٹو صاحب اپنی دں میں کہتے رہے۔ "آئین کوئی چپل کباب نہیں کہ اس سے عوام کا پیٹ بھر سکے۔ اصل عاشی ہے۔"

دریں حالات میں نے مختلف مکاتب فکر کے علماء اور سیاسی زعماء سے رابطہ قائم کیا اور انہیں رورت کا احساس دلانے کی کوشش کی کہ بائیں بازو کے عناصر کا مقابلہ کرنے کے لئے آئندہ بہ میں محب وطن اور اسلامی ذہن رکھنے والی تنظیمیں مشترکہ امیدوار کھڑے کریں۔

سیاسی جماعتوں کی انتخابی مہم کم و بیش ایک سال جاری رہی۔ پیپلز پارٹی نے لاکھوں کی تعداد نی پارٹی کے پرچم لوگوں میں تقسیم کئے۔ اس طرح جلسوں کے انعقاد پر بھی بے دریغ سرمایہ کیا۔

عوامی لیگ نے انتخابی مہم میں بے پناہ اخراجات کئے۔ ڈھاکہ میں عوامی لیگ کا ایک کونشن ہوا۔ اس میں مندوبین کو صوبے کے مختلف مقامات سے ڈھاکہ لانے' ہوٹلوں میں ٹھہرانے اور رضا کاروں کی وردیاں وغیرہ بنوانے پر 65 لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔

انہیں دنوں جنرل یحییٰ نے پشاور میں اخباری نمائندوں کو بتایا کہ کچھ سیاسی جماعتیں اپنی مہم میں غیر ملکی سرمایہ استعمال کر رہی ہیں میں نے لاہور میں فوراً پریس کانفرنس کی جنرل یحییٰ خان سے مطالبہ کیا کہ عام انتخابات میں غیر ملکی امداد لینے والی جماعتوں کو بے نقاب کریں۔ ان پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلائیں مگر یحییٰ خان نے اس مطالبے کا نوٹس لینا مناسب نہ سمجھا۔

مشرقی پاکستان میں مجیب الرحمٰن اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی لیگل فریم ورک میں طے شدہ اصولوں سے انحراف کرتے ہوئے اشتعال انگیز تقریریں کرتے رہے' فوجی جنتا نے اس کا نوٹس نہ لیا۔

ان دنوں ایک انتہائی افسوسناک واقعہ پیش آیا لاہور کے حلقہ نمبر 3 پر جماعت اسلامی اور ہمارے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے وہاں ہماری طرف سے پارٹی کے نائب صدر جنرل سرفراز خان امیدوار تھے اور کونسل مسلم لیگ کی طرف سے ڈاکٹر جاوید اقبال جماعت اسلامی ابتداء ہی سے ڈاکٹر جاوید اقبال کی حمایت کا وعدہ کر چکی تھی۔ اس لئے وہ بھی ہمارے خلاف ڈٹ گئی۔ مجھے اس واقعہ کی اطلاع ملی تو بہت افسوس ہوا۔

اس موقعہ پر الزامات اور جوابی الزامات کا ایسا سلسلہ چل نکلا جس نے مغربی پاکستان میں اسلامی ذہن رکھنے والی تنظیموں کی انتخابی مہم کو ناقابل بیان حد تک نقصان پہنچایا بھٹو صاحب نے ہمارے اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر جگہ اپنی تقریروں میں اس کا حوالہ دیا اور کہا کہ یہ نظریئے کی جنگ نہیں اقتدار کی کش مکش ہے۔

نومبر میں مشرقی پاکستان میں قیامت خیز طوفان آیا۔ سمندری لہروں نے بھولا کے جزائر میں ہزاروں افراد کو نگل لیا مرکزی حکومت بروقت امداد نہ پہنچا سکی۔ شیخ مجیب کو اس طوفان کا بڑا سیاسی فائدہ پہنچا۔ انہوں نے عوام کو تاثر دیا کہ مرکزی حکومت کی قیادت کیونکہ مغربی پاکستان سے تعلق رکھتی ہے' اس لئے اسے مشرقی پاکستان کے عوام کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں۔۔۔ میں نے ڈھاکہ کے جلسہ عام میں اس کی وضاحت کی اور کہا شیخ مجیب کو چاہئے کہ وہ 1947ء سے پیشتر اپنی

ی تفصیل اور اب تک جتنی جائیداد حاصل کر چکے ہیں اس کا اعلان بھی فرمائیں یہ ذکر بے جا ا کہ شیخ مجیب الرحمٰن پاکستان بننے سے پہلے گھاس پھونس کے جھونپڑے میں رہا کرتے تھے۔ پاکستان کے فوراً بعد بھی جب وہ مغربی پاکستان آتے تو ان کے پاس لاہور سے کراچی جانے لئے تھرڈ کلاس کا کرایہ تک نہ ہوتا لیکن اس کے بعد ڈھاکہ کی دھان منڈی میں جسے وہاں کا ل کہنا چاہئے ان کی تین منزلہ عالیشان کوٹھی بنی جو بعد میں پرائم منسٹر ہاؤس اور ایوان صدر ور پر استعمال میں آئی۔

خلاف توقع ملک کے دونوں حصوں میں انتخابی نتائج محب وطن اور اسلامی ذہن رکھنے والی توں کے خلاف آئے۔

جنرل یحییٰ خان کے لئے بھی یہ نتائج خلاف توقع تھے وہ چاہتے تھے کوئی پارٹی واضح یت حاصل نہ کرے لیکن مجیب کی عوامی لیگ عددی اعتبار سے ملک کی اکثریتی پارٹی بن چکی ۔ مجھے نواب زادہ شیر علی خان نے بتایا کہ نتائج کے اعلان کے بعد دو روز تک یحییٰ خان نے کمرے میں بند کر لیا اور غم غلط کرنے کے لئے اس دوران مسلسل شراب پیتا رہا۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے آئین سازی کے سلسلے میں بعض عجیب و غریب روایات قائم کیں ں نے ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں دس لاکھ عوام کے اجتماع میں عوامی لیگی ارکان اسمبلی سے لیا کہ وہ چھ نکاتی پروگرام کی بنیاد پر ملک کا آئین بنائیں گے انہوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ جو اس پروگرام سے انحراف کرے گا اسے زندہ دفن کر دیا جائے گا۔ یحییٰ خان کو ڈھاکہ جانا پڑا وہ جنوری کو ڈھاکہ پہنچے مجیب سے تفصیلی ملاقات کے بعد اعلان کیا مجیب چونکہ ملک کی منتخب ریتی پارٹی کے قائد ہیں اس لئے وہ پاکستان کے آئندہ وزیر اعظم ہوں گے اب سیاسی ملات کے بارے میں انہی کو بیان دینے کا حق ہے۔

مشرقی پاکستان سے واپسی پر یحییٰ خان جنرل حمید اور جنرل پیرزادہ کے ہمراہ بھٹو صاحب ے ملنے لاڑکانہ پہنچے اسکے بعد بھٹو صاحب اپنی پارٹی کے رفقاء کے ہمراہ ڈھاکہ گئے دس دن تک ئی مسائل اور آئندہ حکومت سازی کے بارے میں شیخ مجیب الرحمان سے باہمی مذاکرات تے رہے اور اس دوران مغربی پاکستان میں خبریں پہنچیں کہ بھٹو صاحب نے چھ نکات میں سے لے دو اس کے بعد تین پھر چار بعد میں پانچ نکات تسلیم کر لئے اور چھٹے پر گفتگو کرنے پر رضامند

ہیں اس لئے انداز ہوسکتا ہے کہ بھٹو صاحب چھ نکات کے مضمرات سے آگاہ ہونے کے باوجود اور اس حقیقت کے علی الرغم کہ وہ 1966ء میں شیخ مجیب الرحمان کو پلٹن میدان میں ان نکات کے بارے میں مناظرے کی دعوت دے چکے تھے چھ نکات پر بننے والے آئین کی بنیاد پر انتقال اقتدار کو انتقال پاکستان قرار دے چکے تھے..........اس پروگرام کے خلاف کوئی مضبوط رویہ اختیار کرنے سے متعلق سنجیدہ نہیں تھے وہ صرف آئین کی تکمیل کے بعد بننے والی حکومت میں اپنا مقام اور مرتبہ متعین کرانے کے لئے بیتاب تھے شیخ مجیب الرحمان اپنی مخصوص سوچ کے پیش نظر مغربی پاکستان سے منتخب ہونے والے ارکان اسمبلی کے چھوٹے گروہوں سے معاملہ کرنا زیادہ پسند کرتے تھے اس لئے بھٹو مجیب مذاکرات ناکام ہو گئے مجیب کی دھمکیوں اور دباؤ کے پیش نظر صدر نے تین مارچ کو ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا۔

بھٹو صاحب نے مغربی پاکستان واپس پہنچ کر دولتانہ صاحب سے لاہور میں اور قیوم خان، ولی خان سے پشاور میں مذاکرات کئے وہ چاہتے تھے مغربی پاکستان کے تمام ارکان اسمبلی بالاتفاق 3 مارچ کے مجوزہ سیشن کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کریں تاکہ وہ اس دباؤ کے ذریعے شیخ مجیب سے آئندہ حکومت کی تشکیل کے سلسلے میں اپنے مطالبات منوا سکیں۔

جنرل یحییٰ خان نے بھٹو صاحب کی اس مہم میں بھرپور تعاون کیا ان کی کوششوں کے نتیجے میں عبدالقیوم خان، میاں ممتاز دولتانہ اور جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے خواجہ قمرالدین (پیر صاحب سیال شریف) نے سیشن کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔

انہی دنوں بھٹو صاحب نے کہا کہ ملک میں دو اکثریتی پارٹیاں ہیں مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی......بھٹو صاحب نے ایک پریس کانفرنس میں یہ بھی کہا کہ وہ اپنے ارکان اسمبلی کو قومی اسمبلی کے ڈھاکہ سیشن میں بھیج کر دوہرے یرغمال نہیں بنا سکتے ڈھاکہ سیشن کو بھٹو صاحب سلاٹر ہاؤس (مذبح) کا نام دیتے انہوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں پہلے یقین دلایا جائے کہ کچھ لو کچھ دو کے اصول پر عمل کیا جائے گا اس صورت میں وہ شرکت پر رضامند ہو سکیں گے بھٹو صاحب نے لاہور کے ایک جلسہ عام میں یہ اعلان بھی کیا کہ اگر پیپلز پارٹی کے کسی رکن نے ڈھاکہ کے مجوزہ اجلاس میں شرکت کی تو اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی اور دوسرے گروپوں سے وابستہ ارکان اسمبلی اگر ڈھاکہ جائیں تو انہیں بھی مغربی پاکستان واپس آنے کا ٹکٹ نہیں لینا چاہئے

ے اندازہ ہوتا ہے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے دونوں رہنماؤں نے پلٹن میدان ڈھاکہ بنار پاکستان لاہور میں اس قسم کے متشددانہ اعلان کر کے آئین کی تشکیل کو تقریباً ناممکن بنا دیا۔

یکم مارچ کو یحییٰ خان نے قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا اس وقت مغربی نان کے بعض ارکان اسمبلی اجلاس میں شرکت کرنے کے لئے ڈھاکہ پہنچ چکے تھے مجھے مولانا احمد انصاری نے بتایا کہ اس اعلان سے پیشتر ڈھاکہ کی سیاسی فضا بہت خوشگوار تھی وہاں تاثر پایا تھا کہ اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو منتقل ہو جائے گا اور ملک فوجی آمریت سے نجات ل کرے گا..........لیکن جونہی التواء کا اعلان ہوا ڈھاکہ میں مکمل ہڑتال ہو گئی شہر میں جابجا ئی جلوس نکالے گئے دوسرے دن پورے مشرقی پاکستان میں ہڑتال ہوئی وسیع پیمانے پر لوٹ ر آتش زنی کے واقعات رونما ہوئے ڈھاکہ میں کرفیو نافذ کر دیا گیا عوامی لیگیوں نے صوبے ضلاع کی سطح پر عملاً متوازی حکومت قائم کر دی سرکاری واجبات بھی خود وصول کرنا شروع کر ے اس دوران وہاں مغربی پاکستانیوں کو بے دردی سے ہلاک کیا گیا بہاریوں پر ناقابل بیان م ڈھائے گئے ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی ستم کا نشانہ بنایا گیا۔

6/ مارچ کو یحییٰ خان نے اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس 25 مارچ کو ڈھاکہ میں ہوگا۔ ہی اعلان کہ وہ 10/ مارچ کو ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کی پارلیمانی پارٹیوں کی ایک آئینی ِنرنس منعقد کریں گے۔

شیخ مجیب الرحمان نے 25 مارچ کو اجلاس میں شرکت کے لئے چار شرائط پیش کیں مطالبہ کیا یہ شرائط 25 مارچ سے پہلے پوری کی جائیں۔

مارشل لاء فوری طور پر ختم کیا جائے۔

فوج بیرکوں میں چلی جائے

فوجی کارروائی کے دوران ہونے والے جانی نقصان کی عدالتی تحقیقات کرائی جائے

اسمبلی کے اجلاس سے پہلے انتقال اقتدار عمل میں لایا جائے۔

مجیب الرحمان اور ان کے رفقاء چونکہ کافی عرصے تک میرے ساتھ کام کر چکے تھے اس لئے ذاتی طور پر یہ سمجھتا تھا کہ اگر انہیں حکومت سپرد کر دی جائے تو وہ مشرقی پاکستان کے عوام کی ات پر پورا نہیں اتر سکیں گے نہ انتخابی وعدے پورے کر سکیں گے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ انتظامی

صلاحیتوں سے یکسر محروم تھے مجیب اوران کے رفقاء ذاتی منفعت اندوزی اور اقربا پروری سے اوپر
نہیں اٹھ سکتے تھے ظاہر ہے مشرقی پاکستان کے سیاسی شعور سے بہرور لیکن انتہائی جذباتی عوام
انہیں چھ ماہ کی مختصر مدت میں مسترد کر دیتے اس کے بعد محب وطن عناصر کو کام کرنے میں نسبتاً زیادہ
آسانی ہو جاتی اور ملکی سالمیت کو درپیش خطرات کا سدباب ہو جاتا۔

بھٹو صاحب نے کراچی میں تقریر کرتے ہوئے ادھر ہم......... ادھر تم کا نعرہ بلند کرتے
ہوئے مطالبہ کیا کہ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کو اقتدار سونپ
دیا جائے میں نے ایک اخباری بیان میں کہا کہ بھٹو صاحب حصول اقتدار کے لئے اس قدر بے
تاب ہو چکے ہیں کہ وہی بات کر رہے ہیں جو علیحدگی پسند رجحانات کے علمبردار مولانا بھاشانی اور
عطاء الرحمان ایک مدت سے برملا کہہ رہے ہیں۔

جنرل یحییٰ خان ان دنوں شیخ مجیب الرحمان سے مذاکرات میں مصروف تھے انہوں نے
مغربی پاکستان کے پارلیمانی رہنماؤں کو بھی ڈھاکے میں بلا لیا تھا......... ان تمام قائدین کو اعتماد
میں لئے بغیر 25 اور 26 مارچ کی درمیانی رات فوجی اقدام کا حکم دے دیا شیخ مجیب الرحمان
گرفتار کر لیا گیا عوامی لیگ سے وابستہ ارکان کی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں آئیں مگر مجیب
الرحمان کے قریبی رفقاء نذرالاسلام تاج دین' قمر الدین وغیرہ فوجی کارروائی کے دوران سرحد پار
کر کے کلکتہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے بعد میں انہوں نے وہاں جلاوطن حکومت قائم کرنے کا اعلان
کیا۔

پاکستان میں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی گئی یحییٰ نے عوامی لیگ کو خلاف قانون قرار
دے دیا یہ بھی کہا کہ مجیب الرحمان اور انکے ساتھی غدار ہیں فوج کو مشرقی پاکستان میں حکومت
اتھارٹی بحال کرنے کا حکم دیا دوسرے دن بھٹو صاحب ڈھاکہ سے کراچی پہنچے فوجی کارروائی پر تبصرہ
کرتے ہوئے کہا ''خدا کا شکر ہے پاکستان بچ گیا'' اس دوران مجیب کی مکتی باہنی مشرقی پاکستان
کے طول وعرض میں تخریب کاری میں مصروف رہی انہیں بھارت نے اپنے ہاں فوجی تربیت دی اور
بڑے پیمانے پر مسلح کیا مشرقی پاکستان میں پروفیسر غلام اعظم مولوی فرید احمد شہید خواجہ خیر الدین
عبدالسلام نور الامین مولانا عبدالرحیم اور پیر محسن الدین سرگرم عمل رہے جماعت اسلامی نے
''البدر'' اور ''الشمس'' کے نام سے نوجوان رضا کاروں کی تنظیمیں قائم کیں جنہوں نے ا
مقامات پر مکتی باہنی کے دانت کھٹے کئے ان تنظیموں کے تعاون سے حکومت نے بڑی حد تک دا

ت پر قابو پالیا۔

عوامی لیگ کے حامی افراد سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ملحقہ بھارتی صوبے مغربی بنگال
شروع ہو گئے بھارتی حکومت نے ان کی تعداد بتانے میں انتہائی مبالغہ آرائی کی دنیا بھر میں
ت کے سفارتخانوں نے پاکستان کو بدنام کرنے کی مہم کا آغاز کر دیا فوجی کارروائی کے بعد غیر
اخباری نمائندوں مشرقی پاکستان سے نکال دیا گیا مشرقی پاکستان کے بارے میں غیر ملکی
رات کے لئے بھارت سے اطلاعات فراہم کی جاتی تھیں اس سے عالمی رائے عامہ مکمل طور پر
ان کے خلاف ہو گئی۔

مسز اندرا گاندھی نے اعلان کیا کہ پاکستان کی فوجی جنتا نے حالیہ انتخابات کے نتائج مسترد
کے مشرقی پاکستان کو اقتدار میں شریک کرنے سے انکار کیا ہے ان کے منتخب نمائندوں کو گرفتار کر
یا ملٹری ایکشن سے ایسے حالات پیدا کئے گئے ہیں کہ ایک کروڑ افراد بھارت کے صوبے
اور آسام میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے ہیں اس لئے اب یہ پاکستان کا داخلی مسئلہ نہیں ہے ہمارا
مسئلہ بن گیا ہے مسز گاندھی نے اس دوران مشرق وسطیٰ یورپ اور امریکہ کا دورہ کر کے وہاں
ومتوں کو بھی متاثر کرنے کی مہم چلائی۔

اکثر و بیشتر عوامی لیگی ارکان اسمبلی بھارت جا چکے تھے یا مشرقی پاکستان میں زیر زمین
یوں میں مصروف تھے فوجی جنتا نے فیصلہ کیا کہ وہ ان ارکان اسمبلی کی نشستوں کو خالی قرار
ر ضمنی انتخابات کا اہتمام کرے گی میں سمجھتا تھا کہ یہ تجویز ناممکن العمل ہے۔

اکثر ارکان اسمبلی کی رکنیت کالعدم قرار دے کر ان نشستوں پر ضمنی انتخابات کا انعقاد جمہوری
لات کے بالکل برعکس ہو گا اس لئے اس پوری قومی اسمبلی کو کالعدم قرار دے دینا چاہئے اور
وران ایک قومی عبوری حکومت قائم کی جائے جس کے سربراہ کا تعلق مشرقی پاکستان سے ہو
رح ایک طرف فوجی حکومت کا تسلط ختم ہو گا دوسرے مشرقی پاکستانی عوام کا یہ اعتماد کسی حد
بحال ہو گا کہ اگر مجیب الرحمان کو پاکستان کی حکومت سپرد نہ کی گئی تو دوسرے مشرقی پاکستانی
کو اس منصب کے اہل سمجھا گیا ہے۔

راولپنڈی میں یحییٰ خان کی ایک مشیر جنرل غلام عمر سے ملاقات ہوئی میں نے انہیں مسز
گاندھی کے بیان کی روشنی میں متوقع جنگ کے بارے میں اپنے خدشات سے آگاہ کیا جنرل
نے جنگ کے بارے میں میرے خدشات کو بے بنیاد قرار دیا وہ یہ سمجھتے تھے کہ بھارت میں

الاقوامی سرحدوں کی خلاف ورزی کرنے کی جسارت نہیں کرے گا۔

میں اپنے رفقاء میاں غلام دستگیر باری اور ارشاد چوہدری کے ہمراہ مشرقی پاکستان روانہ ہوا پاکستان جمہوری پارٹی کے نورالامین اور مولوی فرید احمد شہید مسلم لیگ قیوم گروپ کے عبدالصبور خان جماعت اسلامی کے مولانا عبدالرحیم اور پروفیسر اعظم نظام اسلام پارٹی کے مولانا صدیق احمد کونسل لیگ کے خواجہ خیر الدین اور شفیق الاسلام سے تفصیلی ملاقاتیں کیں کونشن مسلم لیگ کے صدر فضل القادر چوہدری ان دنوں چٹاگانگ میں تھے میری دعوت پر وہ بھی ڈھاکہ تشریف لائے۔

باہمی مشورے سے طے پایا کہ مشرقی پاکستان کی محب وطن تنظیموں کا ایک وفد صدر یحییٰ خان سے ملے ان سے مطالبہ کیا جائے کہ قومی اسمبلی توڑنے کا اعلان کریں اور ایک عبوری قومی حکومت کی تشکیل کی جائے جس کے سربراہ نورالامین ہوں۔

فوجی حل کی بجائے سیاسی حل کی یہ آخری کوشش تھی جو فوجی جنتا کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکی اگر یحییٰ خان ان تجاویز کو قبول کر لیتے تو ملک سقوط مشرقی پاکستان جیسے عظیم المیے سے دوچار نہ ہوتا

فوجی حکمرانوں نے ہماری تجاویز کو تسلیم نہ کیا لیکن جنرل ٹکا خان کی جگہ ڈاکٹر مالک کو گورنر مقرر کر دیا اور محب وطن تنظیموں کے کچھ نمائندوں کو صوبائی وزارت میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا ضمنی انتخابات کے انعقاد کے بارے میں اپنا سابقہ فیصلہ برقرار رکھا۔

مشرقی پاکستان کی سرحدوں پر حالات روز بروز خراب ہوتے چلے گئے بالآخر یحییٰ خان نے اعلان کیا کہ نورالامین صاحب کو وزیر اعظم بھٹو صاحب کو نائب وزیر اعظم بنایا جائے گا انہی دنوں نورالامین صاحب مغربی پاکستان پہنچے ہم نے مغربی پاکستان کے طول وعرض کا دورہ کیا۔

نورالامین نے مغربی پاکستان کے عوام کو حالات کی سنگینی کا احساس دلانے کی کوشش کی انہی دنوں بھٹو صاحب ایک سرکاری وفد لیکر چین گئے واپسی پر انہوں نے اپنی تقریروں اور بیانات میں تاثر دیا کہ بھارتی جارحیت کی صورت میں چین ہمیں ہر ممکن امداد دے گا انہوں نے مسجد شہدا (ریگل چوک) کے پاس ایک اجتماع سے خطاب کیا اور مبارزت طلبی کے انداز میں "دمادم مست قلندر کا نعرہ لگایا"

2 دسمبر کو بھارتی افواج نے مشرقی پاکستان کے سات محاذوں پر حملے کا آغاز کر دیا دوسرے

ھارتی فوجیں مغربی پاکستان پر بھی حملہ آور ہوئیں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے پاک
ت جنگ بند کرانے کی قرارداد اکثریت سے منظور کرلی۔ ایک سو چار ممالک کے نمائندوں نے
جارحیت کے خلاف ووٹ دیا اسی دوران بھٹو کو اقوام متحدہ کے اس اجلاس میں شریک ہونے
لئے بھیجا گیا قومی اسمبلی کے مختلف پارلیمانی گروپوں پر مشتمل ایک یونائیٹڈ کولیشن پارٹی تشکیل
تھی نورالامین صاحب سربراہ تھے اس کے ارکان میں مسلم لیگ قیوم گروپ مسلم لیگ کونسل
علمائے پاکستان اور پی ڈی پی کے نمائندے شامل تھے جنگ کے دوران بھی یوسی پی کا
راولپنڈی میں جاری رہا گورنر مالک نے نورالامین صاحب کو فون پر بتایا کہ ڈھاکہ کا ہوائی
ہونے کے بعد وہاں افواج کو فضائی تحفظ میسر نہیں رہا حالات انتہائی تشویشناک ہو چکے ہیں
نے بتایا کہ فوج کے اندر بھی دو مکتب فکر پیدا ہو چکے ہیں ایک کا خیال ہے کہ جنگ جاری رکھی
دوسرا ان حالات میں سعی لاحاصل سمجھتا ہے اس اطلاع پر یوسی پی کے ارکان کو بڑی تشویش
رالامین صاحب کو جنگ کی صحیح صورت حاصل معلوم کرنے کے لئے یحییٰ خان کے پاس بھیجا
خان نے انہیں بتایا کہ امریکہ کا ساتواں بحری بیڑہ خلیج فارس میں داخل ہو رہا ہے اور چین
بھارتی سرحدوں پر حملہ کر دیا بھارتی حکومت بے حد پریشان ہے اپنے عوام کو ان خبروں
نستہ آگاہ نہیں کر رہی یحییٰ خان نے صریحاً غلط بیانی کر کے نورالامین صاحب کو مطمئن کرنے
ش کی کہ صورت حال پاکستان کے حق میں ہو چکی ہے۔

میں نے چینی سفارت خانے سے رابطہ قائم کیا اور ایک رفیق کار ارشد چوہدری کے ہمراہ
یر سے ملاقات کی میں نے ان سے کہا "روس کی بے پایاں فوجی امداد اور اس کے ساتھ
عاہدے کی بنا پر بھارت کو مشرقی پاکستان پر حملے کی جرات ہوئی وہاں ہماری افواج اب
فظ سے محروم ہو چکی ہیں بھارت ڈھاکہ اور دوسرے شہروں کی آبادیوں پر بلا روک ٹوک
مند بمباری کر رہا ہے ان حالات میں ہماری افواج کا زیادہ دیر تک مزاحمت کرتے رہنا
ممکن ہو چکا ہے مغربی پاکستان سے بوجوہ فوجی امداد وہاں نہیں پہنچ سکتی ایسے میں ہم چین
ع رکھتے ہیں کہ اس مشکل وقت میں ہماری امداد و اعانت میں ہمیں ہوائی اڈے اور جنگی
دیئے جائیں جنہیں ہمارے پائلٹ استعمال میں لاسکیں اور مشرقی پاکستان کی مداخلت کا
ہوسکے چینی سفیر نے جواب دیا اس سے پیشتر حکومت پاکستان کی طرف سے اس قسم کا
لی نہیں کیا گیا ہمارے لئے اس قسم کی کارروائی چونکہ بھارت کے خلاف اعلان جنگ کے

مترادف ہوگی اس لئے اس قدر جلد اس کا فیصلہ کرنا ممکن نہیں چینی سفیر نے بھارت اور روس کے پاکستان دشمن اقدامات کی کھل کر مذمت کی۔

بھٹو صاحب نے اقوام متحدہ میں شرکت کے لئے نیویارک جاتے ہوئے فرینکفرٹ اخباری نمائندوں سے خطاب کیا انہوں نے کہا پاکستان اقوام متحدہ سے امن کی بھیک نہیں مانگے گا اقوام متحدہ میں بھٹو صاحب نے بے حد سخت رویہ اختیار کیا پولینڈ کی اس قرارداد کو پھاڑ کر پھینک دیا جس میں جنگ بندی اور سیاسی تصفیے کا مطالبہ کیا گیا تھا یہ بھی اعلان کیا کہ وہ دشمن سے لڑنے کے لئے اپنے وطن واپس جا رہے ہیں باہر آ کر اخباری نمائندوں کو بتایا کہ مزید دو دن نیویارک میں قیام فرمائیں گے۔

جنگ کے دوران مغربی پاکستان میں ہماری افواج کسی محاذ پر موثر پیش قدمی نہ کر سکیں ہمارے آرمرڈ ڈویژن منصوبے کے تحت کوئی کارروائی نہ کر سکے فضائیہ مغربی پاکستان کے شہروں اور مواصلات کو بچانے کے لئے کچھ نہ کر سکی یوں محسوس ہوتا تھا فوجی جنتا سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ملک پر شکست کو مسلط کرنا چاہتی ہے۔

ڈھاکہ میں ہتھیار ڈال دینے کا فیصلہ ہو گیا امریکی حکومت کو بھی اس امر کی اطلاع دے دی گئی لیکن پاکستانی عوام کو اس عظیم سانحے سے بے خبر رکھنے کی کوشش کی گئی اس کے بعد یحییٰ خان کی طرف سے اعلان ہوا ہمیں ایک محاذ پر شکست ہوئی ہے ہم دوسرے محاذوں پر پوری شدت کے ساتھ جنگ جاری رکھیں گے اور دوسرے ہی دن مغربی پاکستان میں بھی جنگ بندی قبول کر لی گئی۔

سقوط مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں جنگ بندی کے بعد مغربی پاکستان میں ہنگامہ برپا ہو گیا غم و غصے سے بھرے شہریوں نے پورے مغربی پاکستان میں یحییٰ خان سے فوری طور پر مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا گیا

بھٹو صاحب نیویارک سے روانہ ہو چکے تھے روم میں پاکستان ایئر فورس کا جہاز بھیج کر پاکستان بلوایا گیا اسلام آباد ایئر پورٹ سے سیدھا انہیں ایوان صدر پہنچایا گیا جہاں جی ایچ کیو کے اہم عنصر یحییٰ خان کو صدارت سے علیحدہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا فوجی جنتا کے ارکان نے اس مرحلے پر ملک کے نامزد وزیر اعظم جناب نور الامین کو اعتماد میں لینے کی ضرورت محسوس نہ کی خان نے مستعفی ہونے کا اعلان کیا اور جناب بھٹو نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر کی حیثیت سے اقتدار سنبھال لیا اس کے بعد کی داستان آپ کے سامنے ہی ہے۔

چین نے 71ء میں ہماری مدد کیوں نہیں کی؟

ستمبر 65ء میں جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا اور اس کے اندازوں کے بالکل برعکس ب میں ایک ذلت آمیز شکست بھارت کا مقدر بنی تو اس جنگ میں جہاں پاکستانی مسلح افواج یرالعقول بہادری کے معجزہ نما واقعات کا ذکر تاریخ کا حصہ ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی کسی ، شبہے کے بغیر کہی جا سکتی ہے کہ چین نے اس جنگ میں ساری دنیا خصوصاً روس اور امریکہ کی ، مول لے کر پاکستان کی حمایت کی اور اپنی مسلح افواج کا نیفا پر اجتماع کر کے بھارتی افواج کی تقسیم کر دیا۔ جس کے بعد سے ''پاک چین دوستی'' کا نعرہ حقیقت کا روپ دھار چکا ہے۔

71ء کی جنگ میں چین نے پاکستان کی مدد اس انداز میں نہ کی جس کی اس سے توقع کی ی تھی۔ اس کی وجہ آخر کیا تھی؟ ہمارے اس عظیم دوست کی خاموشی کا کیا مطلب لیا جاتا۔ اس ل کا جواب ممتاز دانشور اور پاک چین دوستی کی انجمن کے بانی جناب ممتاز احمد خان نے دیا تھا۔ کی زبانی اس اہم سوال کا جواب خود ہمارے لئے کئی سوالیہ نشان چھوڑ گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

چین نے پاکستان کی امداد کیوں نہیں کی یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب دینے سے پہلے ، پاک چین دوستی کا پس منظر پیش کرنا ہوگا۔

پاکستان اور چین کے مابین تعلقات پہلی بار سرکاری سطح پر ایوب خان کے زمانے میں ۔ نظریاتی طور پر ایوب خان چین کے حامی نہ تھے لیکن 1962ء میں چین اور بھارت کی جنگ ں اور امریکہ نے بھارت کی اسلحے سے بے انتہا مدد کی تو ایوب خان نے شدید اعتراض کیا اس پر یکی صدر کینیڈی نے جواب دیا کہ یہ اسلحہ آپ کے خلاف استعمال نہ ہوگا بلکہ چین کے خلاف تعمال ہوگا لیکن پاکستان میں ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا تھا کہ بھارت اتنا بھاری اسلحہ چین کے ساتھ حدی جھڑپوں اور دشوار گزار پہاڑی راستوں میں نہیں پاکستان کے خلاف کھلے میدان جنگ ستعمال کرے گا۔ چنانچہ ان حالات میں جبکہ بھارت اور چین کے مابین تنازعہ اپنے عروج پر اور امریکہ جواب تک پاکستان دوستی کا دم بھرتا تھا بھارت کو اسلحہ دے رہا تھا' پاکستان کا چین کی

طرف جھکاؤ فطری تھا۔ چنانچہ پاکستان کی خارجہ پالیسی میں ایک نمایاں تبدیلی آئی اور ایوب خان
نے سرکاری سطح پر چین کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ چین نے آگے بڑھ کر خیر مقدم کیا۔ اس سے
پہلے بھی پاکستان کے ساتھ چین کا کوئی سرحدی تنازعہ نہ تھا اور چین سے تعلقات کبھی کشیدہ نہ ہوئے
تھے۔ لہٰذا یہ دوستی جلد ہی مستحکم ہوگئی۔ چین کے ساتھ پاکستان نے دوستی رکھی اور حقیقت یہ ہے کہ
اندرون ملک ایوب خان کی پالیسیوں کے بارے کسی کو اتفاق ہو یا نہ ہو پاک چین دوستی کے سلسلے
میں وہ آخر تک مخلص اور ثابت قدم رہے اور چینی بھی ان کا احترام کرتے رہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب 1968 میں ایوب خان کے خلاف تحریک کا آغاز ہوا تو چینی حلقوں
میں سخت اضطراب پھیل گیا۔ اس اضطراب کی دو وجوہ تھیں۔ ایک تو یہ کہ انہیں اس بارے میں شک
تھا کہ یہ تحریک پاک چین دوستی کے خلاف ایوب خان کو گرانے کے لئے تو نہیں اٹھی اور امریکہ اس
کی حمایت تو نہیں کر رہا۔ دوسرے اسے یہ خوف تھا کہ پاکستان جو ان کا ایک دوست اور پڑوسی ملک
ہے وہاں ایوب خان کے بعد کوئی ایسا حکمران نہ آ جائے جو سرکاری سطح پر پاک چین دوستی کا مخالف
ہو اور ان تعلقات کا جو دونوں ملکوں کے مابین قائم ہوئے تھے' نقصان پہنچے۔ اس اندیشے کے پیش
نظر چین کے پریس اور ریڈیو نے ایوب خان کے خلاف جو تحریک چلی اس کو مکمل طور پر دبایا اور اس
سلسلے میں کوئی رائے زنی تک نہیں کی۔ اس کے برعکس 23/ مارچ 1969ء کو یعنی ایوب خان کے
استعفیٰ سے صرف دو روز قبل چواین لائی نے ایک استقبالیہ دعوت میں تقریر کرتے ہوئے پاکستان
صدر ایوب کی بہت تعریف کی اور یوں بالواسطہ اس تحریک کے بارے میں جو ایوب خان کے
خلاف چل رہی تھی چین کی پالیسی واضح کر دی لیکن پاکستان میں حالات مختلف تھے۔ 25/ مارچ
1969ء کو ایوب خان نے استعفیٰ دیا اور یحییٰ خان نے حکومت سنبھالی۔ چین خاموش رہا اور انتظار
کرتا رہا کہ پاکستان کا نیا صدر چین کے بارے میں کیا طرز عمل اختیار کرتا ہے لیکن یحییٰ خان نے
بھی چین سے دوستی کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے ستمبر 1969ء میں ایئر مارشل نور خان
چین بھیجا۔ چینیوں نے نور خان کا شایان شان استقبال کیا اور نور خان کی اس ملاقات کے بعد
نتیجہ اخذ کیا کہ پاکستان چین دوستی کے بارے میں اپنے سابقہ موقف پر قائم ہے۔

اس دورے سے صرف ایک ماہ بعد اکتوبر 1969ء کو میں چین گیا تو نہ صرف مجھے ان
سارے حالات کا اور چینیوں کی سوچ کا علم ہوا بلکہ پاکستانی سفیر مسٹر کے ایم قیصر نے ایوب خان

ں میں چینیوں کی تشویش کا مجھ سے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا۔

19ء میں عام انتخابات سے قبل یحییٰ خان چین گئے۔ اس وقت تک مشرقی پاکستان میں
اپنے چھ نکات کے ساتھ انتخابی مہم کا آغاز کر چکی تھی۔ ڈھاکہ میں چینی کونسلیٹ جنرل کا
تھا اور چین کو اس امر پر تشویش تھی کہ پاکستان میں ملکی اتحاد تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔
بات کے مطابق اس ملاقات میں بھی چواین لائی نے صدر پاکستان یحییٰ خان سے مشرقی
صورتحال پر تفصیل سے بات کی اور یہ کہا کہ مشرقی پاکستان میں ایک سازش ہو رہی ہے
اور معاشی مسائل کو بنیاد بنا کر علیحدگی کے لئے راستہ ہموار کیا جا رہا ہے۔ اسے سیاسی اور
طور پر حل کرنا چاہئے۔

موقع پر چواین لائی نے پاکستانی صدر کو چین میں قومیتوں کے بارے میں بھی تفصیلات
۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں چین میں بھی یہ مسئلہ درپیش تھا۔ تبت کے لوگ بدھ
بولتے تھے' سنکیانگ میں زیادہ آبادی مسلمانوں کی تھی' یہ لوگ سنکیانگ کی زبان بولتے
منگولستان میں منگول نسل اور منگولی زبان تھی۔ ان سب علاقوں کو ہم نے چین کے اندر
اں تک ممکن ہو سکتا تھا' خود مختاری دی ہے' تاکہ ان کی ثقافت محفوظ رہے اور اقتصادی
طرف بھی بطور خاص توجہ دی ہے کہ انہیں احساس محرومی نہ ہو۔ پس آپ پاکستان کے
ت کی حیثیت سے ہمارا یہ مشورہ قبول کریں کہ مشرقی پاکستان کے ساتھ بھی ایسا ہی طرز عمل
یں کہ جس سے انہیں زیادہ سے زیادہ خود مختاری ایک پاکستان کی شرط پر مل جائے اور آپ
ندرونی طور پر متحد رہ سکے۔

ں ملاقات میں چواین لائی نے واضح طور پر تین خطرات کی نشاندہی کی تھی:

آپ کا اصل دشمن بنگالی نہیں بھارت ہے۔ لہٰذا بنگالی پاکستانیوں کو ایسا موقع نہ دیں کہ
بھارت انہیں آپ کے خلاف استعمال کر سکے۔

بھارت سے کنفرنٹیشن کی شکل میں آپ کو پرانے طریقوں سے فوج رکھ کر کامیابی نہیں ہو
سکتی۔ آپ اپنی قوم کو فوجی تربیت نہ دیں تاکہ الجزائر اور ویت نام کی طرح اٹھارہ سال
سے اوپر ہر شخص فوراً فوجی بن کر ملک کا دفاع کر سکے۔ انہوں نے کہا تھا کہ پاکستان
اگر لازمی فوجی تربیت رائج کرے تو ہر گھر مورچہ بن سکتا ہے۔ اس سلسلے میں بھرپور دفاعی

امداد وہ دیں گے۔

3۔ بھارت سے کنفرنٹیشن کی وجہ سے پاکستان کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی ضرورت ہے۔ غیر ملکی قرضوں پر چلنے والے کارخانے، صنعتیں اور ترقیاتی پروگرام ملک کو کسی بھی وقت غیر کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ کیونکہ امداد خواہ ہی غیر مشروط ہو، بالآخر دباؤ اپنے ساتھ لاتی ہے۔ لہٰذا آپ اپنی سارے وسائل مجتمع کر کے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کریں اور اس کے لئے جو قربانی بھی دینا پڑے اسے ہنسی خوشی دیں، لیکن یحییٰ خان نے چینی دوستوں کے مشورے کو نہ مانا اور یہ کہ صورتحال ہمارے کنٹرول میں ہے۔

انتخابات کے نتائج میں شیخ مجیب الرحمٰن اتنی بھاری اکثریت سے منتخب ہوئے اور یحییٰ اور بھٹو صاحب سے مذاکرات کے نتیجے میں یحییٰ خان کی طرف سے اقتدار منتقل کرنے میں پیش اور بعد ازاں عوامی لیگ پر پابندی اور شیخ مجیب کی گرفتاری اور بعد ازاں مشرقی پاکستان اٹھنے والی تحریک کو چینیوں نے تشویش کی نظر سے دیکھا۔ مشرقی پاکستان میں یحییٰ خان حکومت خلاف اٹھنے والی تحریک کے بارے میں چین کا موقف یہ تھا کہ یہ آزادی کی تحریک نہیں بلکہ علیحدگی کی تحریک ہے اور اس بارے میں روس نواز سوشلسٹ چین کو مورد الزام بھی ٹھہراتے ہیں۔ چین کے دلائل بہت مضبوط ہیں۔ مجیب کے ساتھیوں کی تحریک کو اس لئے قومی آزادی کی قرار نہیں دیا جا سکتا کہ مجیب امریکہ اور بھارت کا ایجنٹ تھا اور انہی دو طاقتوں کی شہ پر علیحدگی تھا۔ اگر کوئی بیرونی طاقت مجیب کی حمایت نہ کرتی اور یہ تحریک خالصتاً اندرونی معاملہ ہوتی تو اس میں کبھی واضح طور پر دخل نہ دیتا لیکن یہ اندرونی معاملہ نہیں رہا تھا کہ دو سامراجی ملک اس میں پاکستان کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے الگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

1954ء میں بنڈونگ کانفرنس کے بعد سے چین نے اپنے لئے جو خارجہ پالیسی اختیار اس کی دو واضح شکلیں ہیں۔ کمیونسٹ ممالک کے سلسلے میں وہ اس پالیسی پر عمل کرتا ہے کہ ان داخلی معاملات میں کڑی تنقید کرے اور جو عمل اسے سوشلزم کے خلاف نظر آتا ہے اس کا پوسٹ مارٹم کرے لیکن غیر کمیونسٹ ممالک کے بارے میں یہ پالیسی ہے کہ ان کے اندرونی معاملات میں کبھی دخل نہ دے اور اگر انہیں کسی مشکل میں دیکھے تو مکمل اور بھرپور حمایت کرے اور مخلصانہ مش

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے چین نے یحییٰ خان کی حکومت کی مشرقی پاکستان میں شروع ہونے پر اپریل سے نومبر تک بھرپور حمایت کی۔ پیکنگ ریویو، پیپلز ڈیلی، ریڈیو کے اور ہر مناسب و موزوں موقع پر سفارتی تقاریب میں اس نے پاکستان کے موقف کو درست یا۔

9 اگست 1971ء کو روس اور بھارت میں فوجی معاہدہ ہوا تو چین نے اس پر سخت نکتہ چینی اسے پاکستان کی سلامتی کے خلاف ایک سازش قرار دیا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس معاہدے پر ن میں بھی شدید ردعمل ہوا تھا اور عوام کے اندر از خود یہ خواہش پیدا ہونے لگی تھی کہ ان دو بڑی اجی طاقتوں کے مقابلے میں ہمیں بھی چین سے معاہدہ کر لینا چاہئے تا کہ برصغیر میں طاقت کا بگڑنے نہ پائے۔ چنانچہ یحییٰ خان نے اعلیٰ اختیارات کا ایک وفد تشکیل دیا اور جناب فار علی بھٹو کو (جن کے بارے میں یہ تاثر لیا جاتا تھا کہ وہ سوشلزم کے نام پر عوام میں آئے اور لئے اور ان کی چین کے ساتھ نظریاتی وابستگی ہوگی) اس وفد کی سربراہی سونپ دی گئی۔

بھٹو صاحب اس وفد کے ساتھ چین پہنچے اور وہاں سے لوٹے تو ملک بھر میں پیپلز پارٹی کی سے ان کا یوں خیر مقدم کیا گیا جیسے وہ اس دوسرے میں سب کچھ لوٹ کر لئے آئے ہیں۔ کی اس یقین دہانی کو جو وہ پہلے بھی کئی بار دے چکا تھا کہ ہر مشکل وقت میں ہم آپ کا ساتھ گے' اس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا جیسے فوجی معاہدے کی اس خواہش کو جو پاکستانی عوام ہنوں میں تھی' پورا کر دیا گیا ہے۔" اور بھارت سے جنگ ہوئی تو پھر ہوگا دما دم مست قلندر" یہ ر جملہ بھٹو صاحب نے اس دورہ سے واپسی پر ہی کہا تھا۔

میں اپنی معلومات کی بنیاد پر جو کچھ کہہ سکتا ہوں وہ محض یہ ہے (اور اکثر عمائدین اس کی یق کر چکے ہیں) کہ چین نے اس دورے میں بھی پاکستانی وفد کو یہ مشورہ دیا تھا کہ:

مشرقی پاکستان کا مسئلہ ایک سیاسی اقتصادی مسئلہ ہے۔ اس مسئلے کو سیاسی اور اقتصادی طور پر حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تھی اور بھارت کو موقع نہیں دینا چاہئے تھا کہ وہ براہ راست مداخلت کرنے کی پوزیشن لے۔ آپ کا دشمن بنگالی نہیں بلکہ بھارتی ہندو ہے لہٰذا بنگالی سے سیاسی اور اقتصادی سمجھوتہ کر لینا چاہئے۔

اگر بھارت سے جنگ کے بغیر چارہ نہ تھا تو سردیاں شروع ہونے سے پہلے ہی آگے

بڑھ کر ان کی زمین پر انہیں شکست دینی چاہئے تھی۔

3۔ سردیاں شروع ہوگئی ہیں' اس لئے فی الحال بڑی جنگ کا آغاز نہ کریں کیونکہ ہم آ
کی کسی قسم کی مدد نہ کرسکیں گے۔ سردیوں میں پہاڑوں پر سخت قسم کی برف باری
ہے اور تمام راستے بند ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ جو سرحدی دستے متعین ہوتے ہیں ان
لئے بھی زندگی کا سلسلہ برقرار رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور پہاڑی راستوں
گلہری تک نہیں چل سکتی۔ اس حالت میں چینی فوج بھارت کی سرحد تک محض
ڈالنے کے لئے بھی نہ پہنچ سکے گی' براہ راست مداخلت تو بہت دور کی بات ہے۔
پاکستان کو چاہئے کہ سردیوں کا سارا موسم اپنے مورچوں میں گزارے اور مدا
جنگ لڑے اور جب گرمیاں شروع ہوں اور برف پگھل جائے تو وہ جارحانہ جنگ
آغاز کرسکتا ہے کیونکہ اس وقت تک پہاڑی راستے کھل جانے کے سبب چینی
فوجیں سرحد پر آسکیں گی۔

سردیوں کے موسم میں مدافعانہ جنگ کے لئے پاکستان کو خوراک اور اسلحے کے ذخا
ضرورت تھی جو چین سے مشرقی پاکستان میں سردیاں شروع ہونے سے پہلے اور بھارت اور ر
کی طرف سے بحری ناکہ بندی سے قبل پہنچا دیئے گئے۔ چنانچہ ڈبوں میں بند خوراک اور خود
اسلحہ اس قدر مشرقی پاکستان میں موجود تھا کہ پاکستانی فوج ایک طویل مدت تک مقابلہ کرسکتی
اور مدافعانہ جنگ کی شکل میں اپنی پوزیشن مضبوط کر کے کئی ماہ تو ایک طرف رہے' کئی سال تک
نہ کھا سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ڈھاکہ میں پاکستانی فوجوں کا ہتھیار ڈالنا ایک ایسا فعل تھا جس پر
ملکیوں میں سے چینیوں کو سب سے زیادہ حیرت ہوئی۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم سوچ بھی نہ سکتے تھے
ایسا ہوگا' بالخصوص اس شکل میں کہ جنگ مشرقی پاکستان میں بھی کوئی خاص نہیں ہوئی اور شہیدوں
تعداد اور نقصان اتنا معمولی تھا کہ ہتھیار ڈالنے کی تک سمجھ میں نہیں آتی۔

اس وضاحت کے بعد کہ سردیوں میں جنگ نہ کی جائے کیونکہ چین اپنی فوجیں بھارت
سرحدوں پر نہیں لا سکے گا' چین نے سفارتی محاذ پر پاکستان کے موقف کی حمایت جاری رکھ
چنانچہ نومبر اور دسمبر 1971ء میں بھی پیکنگ میں دو ایسی تقاریب ہوئیں جن سے چو این لائی
خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے موقف کی تائید اور بھارت اور روس کی ایسی مذمت کی کہ

ں ملکوں کے سفیروں کو واک آؤٹ کرنا پڑا۔

میں سمجھتا ہوں کہ چین نے پاکستان کی دوستی کے لئے اور جس بات کو وہ حق سمجھتا تھا اس کا
تھ دینے کے لئے ایک اور قربانی بھی دی۔ مشرقی پاکستان میں چین نواز سوشلسٹوں کی طاقت
فی مضبوط تھی' لیکن بنگلہ نیشنلزم کے سوال پر وہ شیخ مجیب کے ہم نوا بن گئے تھے' چین چاہتا تو
ستان چاہتا تو پاکستان کی دوستی کو نظر انداز کر کے وہاں ان سوشلسٹوں کی مدد کرسکتا تھا اور اسی
بہتی گنگا" سے جس میں ہاتھ دھونے کے لئے روس بھارت اور امریکہ تک بے چین تھے' سب
ے زیادہ فائدہ اٹھا سکتا تھا لیکن اس بارے میں چین نے بھاشانی سے آج تک کسی کی تائید نہیں کی
ر اسلام آباد حکومت کی کوششیں قابل قدر اور جائز لیکن بھارت امریکہ اور روس کی مدد سے علیحدگی
کوششیں ایک ملک کے خلاف بغاوت اور اس اعتبار سے شدید طور پر قابل مذمت ہیں اگر چین
سیع پسند ہوتا تو وہ آسانی سے مشرقی پاکستان پر اپنا تسلط جما سکتا اس کا اندازہ کرنا کچھ زیادہ مشکل
یں۔

چین پر ایک الزام بالخصوص روز نواس حلقوں کی طرف سے یہ لگایا جاتا ہے کہ پولینڈ کی
رارداد پر ویٹو کر کے جس میں جنگ بندی پر زور دیا گیا تھا اور فوجیں جہاں ہیں وہیں روک دینے
ر سیاسی حل تلاش کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا' چین نے ایک طرح سے پاکستان کو نقصان پہنچایا
ہے۔ بظاہر اس اعتراض میں خاصا وزن ہے کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر پاکستان کی حالت
نی ہی خراب تھی اور مشرقی پاکستان میں پاکستانی فوج کے جرنیل ہتھیار ڈالنے کی کوشش کر رہے
تھے تو غیر مشروط ہتھیار ڈالنے سے کہیں بہتر یہ تھا کہ پاکستان پولینڈ کی قرارداد تسلیم کر لیتا اور چین
ل پر ویٹو نہ کرتا۔ اس قرارداد کے تحت جنگ بھی بند ہو جاتی اور بعد ازاں سیاسی حل کے لئے
اکرات بھی ہوتے۔ اس طرح پاکستان اس شرمناک شکست سے بچ سکتا تھا جس سے ہم آج دو
ار ہیں۔

میں اصولی طور پر اعتراض سے متفق ہوں کہ اگر چین ویٹو نہ کرتا اور پاکستان پولینڈ کی قرار
اد کو قبول کر لیتا تو جنگ بھی بند ہو جاتی اور ہم شکست کے داغ سے بھی بچ جاتے اور سیاسی
اکرات کا آغاز بھی ہو جاتا' لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا چین نے ویٹو کا استعمال محض اپنی
رضی سے کیا تھا اور اس میں پاکستانی حکومت کی مرضی شامل نہیں تھی اور یہ کیسے ممکن ہے کہ حکومت

پاکستان چین کو ویٹو نہ کرنے کا کہتی اور چین ویٹو کر دیتا۔

اس سلسلے میں سب سے بہتر روشنی اس وقت کے نامزد وزیر خارجہ نائب وزیراعظم، پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر بھٹو ڈال سکتے ہیں' وہ اس وفد کی سربراہی کر رہے تھے جو سلامتی کونسل میں پاکستان کی طرف سے بھیجا گیا۔

اصولی طور پر چین جو کچھ بھی کر رہا تھا' اسلام آباد کے مشورے اور اقوام متحدہ میں پاکستان ہائی کمیشن کے مشورے سے کر رہا تھا' اگر پاکستان ہائی کمیشن اور اسلام آباد حکومت چین کو اعتماد میں لے کر یہ بتا دیتی کہ مشرقی پاکستان میں فوجیں مشکل میں ہیں یا وہ مزید جنگ کرنا نہیں چاہتیں یا، مزید جنگ کرنا نہیں چاہتے اور چین کو چاہئے کہ پولینڈ کی قرارداد منظور ہو لینے دے تو یقیناً چین ویٹو استعمال کرنے کا شوق نہ تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اصل سازش اس وقت ہوئی کہ پاکستان کی عزت بھی بحال ہو سکتی تھی اور دنیا بھر میں سرخرو بھی ہوا جا سکتا تھا کہ اگر ہم کسی وجہ سے جنگ بندی کرنا ہی چاہتے تھے تو پولینڈ کی قرارداد پر چین سے ویٹو نہ کراتے لیکن چین کو آخر وقت تک یہ تاثر دیا جاتا رہا ہے کہ ہم ہرگز اپنے ذاتی معاملات میں مداخلت برداشت نہیں کریں گے اور روس جس "سیاسی حل" پر زور دے رہا ہے اسے نہیں مانیں گے اور ہتھیار ڈال دیئے گئے۔ جبکہ کوئی ایسا بڑا معرکہ یا جنگ بھی نہیں ہوئی جس میں زیادہ جانی نقصان ہوا ہو۔ چنانچہ اس سلسلے میں چین کو موردالزام ٹھہرانا محض بچپنا ہوگا۔ ہمیں خود یہ معلوم کرنا چاہئے کہ اس سازش میں کون کون افراد شریک تھے۔ اسلام آباد میں یحییٰ خان اور دفتر خارجہ کے ذمہ دار لوگ' سلامتی کونسل میں پاکستان ہائی کمیشن کے آغا شاہی اور پاکستانی وفد کے سربراہ مسٹر بھٹو ڈھاکہ میں جنرل نیازی اور راؤ فرمان علی اس مسئلے پر روشنی ڈال سکتے ہیں کہ یہ کیا گھپلا تھا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اب تک اس موضوع پر کوئی زبان نہیں کھولتا۔

چین نے پاکستان سے فوجی معاہدہ کیوں نہیں کیا۔ یہ ایک اہم سوال ہے اور نازک بھی۔ میری معلومات کے مطابق پاکستان نے کبھی فوجی معاہدے کے لئے خواہش ظاہر نہیں کی اور اس کا ثبوت مجھے یحییٰ خان کے دور میں بھٹو صاحب کی سربراہی میں چین جانے والے وفد کی واپسی پر بھی ملا جب میں اس وفد میں شامل دو اعلیٰ افسروں سے بات کر رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "چین تو ہماری توقعات سے بہت آگے جا کر مدد کرنا چاہتا تھا مگر پس وپیش ہماری

تھی۔"

ں تک فوجی معاہدے کا تعلق ہے اس کی کچھ شرائط ہوتی ہیں۔ ایک ابھرتی ہوئی طاقت لک سے فوجی معاہدہ کرے گی تو اسے یقیناً سامان تعیشات کو ختم کرنے سادگی اختیار ام کو فوجی تربیت دینے اور غیر ملکی امداد کے سہارے جینے کے بجائے اپنے پیروں پر ونے کی نصیحت کرے گی۔ اب یہ سوچنا ہمارا کام ہے کہ آیا ہم ان شرائط کو پورا کر سکیں ۔ رہی یہ بات کہ چینی فوجیں آ کر ہمارے لئے لڑتیں تو اس کے بھی کچھ قواعد وضوابط اور مشترکہ کمان کے لئے باقاعدہ اصول طے کئے جاتے ہیں۔ چین تو شاید اس بات ں تیار ہو جاتا لیکن خود ہمارے ہاں سے لوگ اس کے لئے تیار نہ تھے اور نہ مشترکہ کمان پورا کرنے کی حامی بھر سکتے تھے۔ لہٰذا مجموعی طور پر چین کو اس سلسلے میں موردالزام ٹھہرانا ت مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ ہمارے فیصلے درست نہ ہوں وں کو الزام دیتے پھریں۔

☆☆☆☆☆

ٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹ ڈھاکہ سے شیخ مجیب الرحمٰن کے قتل کے جرم میں سزائے موت پانے
لے لیفٹیننٹ کرنل (ر) محی الدین احمد اور لیفٹیننٹ کرنل (ر) شہریار رشید خان

لیفٹیننٹ کرنل (ر) سید فاروق رحمٰن جنہیں قتل کا ذمہ دار قرار دیا گیا اور لیفٹیننٹ کرنل ا
عبدالوہاب جواردد جو قتل کے الزام سے بری قرار پائے۔

مجیب الرحمٰن کابینہ کے وزیر مملکت برائے اطلاعات طاہر الدین ٹھاکر جنہیں شیخ مجیب قتل
زش میں گرفتار کیا گیا لیکن عدالت نے رہا کر دیا شیخ مجیب الرحمٰن قتل کیس کی کارروائی ان کے قتل
22 سال بعد شروع ہوئی تھی۔

شیخ مجیب الرحمٰن کی موت کے بعد اب تک بنگلہ دیش میں برسر اقتدار آنے والے چھ حکمران
قطار سے بائیں ہاتھ سے خوندکر مشتاق احمد، جنرل ضیاء الرحمٰن، جسٹس عبدالستار، نچلی قطار
جنرل ایچ ایم ارشاد، بیگم خالدہ ضیاء، شیخ حسینہ مجیب الرحمٰن، تصویر میں جسٹس اے۔ایم، صائم مو
نہیں جنہوں نے مشتاق احمد سے بطور صدر چارج سنبھالا تھا۔

٫/ 1971ء کی شام غریباں لیفٹیننٹ جنرل (تب) اے۔اے۔ کے۔ نیازی چیف آف
یٹرن کمانڈ اور لیفٹیننٹ جنرل جے۔ایس۔ اروڑہ انڈین آرمی اس شرمناک دستاویز پر دستخط
ہیں جس کی رو سے پاکستانی افواج نے مشرقی پاکستان میں بھارتی فوج کے سامنے غیر مشروط
لے۔

677دھان منڈی پر شیخ مجیب الرحمٰن کی رہائش گاہ جہاں انہیں خاندان کے دیگر افراد سمیت
نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

مجیب الرحمٰن کے ساتھ باغیوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے اوپر بائیں سے مسز فضیلت النساء
ہ، بڑا بیٹا شیخ کمال، مسز سلطانہ کمال، دوسری قطار میں مجیب الرحمٰن کا دوسرا بیٹا شیخ جمال، مسز
ین جمال روشی، اور مجیب الرحمٰن کا چھوٹا بھائی عبد النصیر۔

مارچ1972ء بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی اور شیخ مجیب الرحمٰن کے اہل خا

چ1971ء کو مکتی باہنی کے بھارتی تربیت یافتہ باغیوں کا پاکستان کے خلاف مسلح مظاہرہ۔ یہ وہ
مویر ہے جو بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی "را" نے برائے اشاعت جاری کی تھی۔